ماہنامہ

حنا

مارچ 2019



ہر گھر کیلئے

ماهنامه

حنا

جلد 41 شمارہ 3

2019

قیمت 70 روپے

بانی : سردار محمودؒ

مدیر اعلیٰ : سردار طاہر محمود

مدیرہ: تسنیم طاہر

نائب مدیران: ارم طارق

تحریم محمود

مدیرہ خصوصی: فوزیہ شفیق

قانونی مشیر : سردار طارق محمود (ایڈوکیٹ)

آرٹ ایڈیٹر : کاشف گوریجہ

اشتہارات: خالدہ جیلانی

افراز علی ناز ش

بسم اللہ الرحمن الرحیم

















سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ: **ماہنامہ حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور فون: 042-37310797, 042-37321690 ای میل ایڈریس:
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

قارئین کرام! مارچ 2019ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔
پلوامہ میں بھارتی فورسز پر مبینہ خودکش حملے کے بعد
بھارت کی ممکنہ جارحیت، بلا جواز الزام تراشی اور پاکستا
ماحول پیدا ہو رہا ہے۔ اس کا افواج پاکستان اور عوام نے
بھارتی گیدڑ بھبکی پاکستانی قوم کا عزم متزلزل نہیں کر سکتی۔
کے سوا نہیں کہ ایک طرف تو وہ مقبوضہ کشمیر میں بھارتی ظلم
الزام لگا کر عالمی رائے عامہ کو گمراہ کرے
انتخابات میں ہندو ووٹ حاصل کر
جنگی جنون کے جواب میں قوم سے خطاب
نے کوئی کارروائی کی تو پاکستان [illegible] الزام لگایا ہے اور نہ ہی یہ سوچا کہ اس میں پاکستان کا کیا فائدہ ہے۔ اس وقت ہم اپنی معیشت کی بحالی میں لگے ہیں اور کوئی احمق ہی ہوگا جو اس کو خود سبوتاژ کرے گا۔ انہوں نے بھارتی حکومت کو پیشکش کی ہے کہ بھارت شواہد فراہم کرے، ہم خود ایکشن لیں گے۔ ہم علاقائی استحکام چاہتے ہیں ہم سب جانتے ہیں کہ جنگ شروع کرنا آسان ہوتا ہے مگر اسے ختم کرنا انسان کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ اگر بھارت نے کچھ کیا تو پاکستان سوچے گا نہیں بلکہ بھرپور جواب دے گا۔ بھارت کو ہوش کے ناخن لینا ہوں گے۔

نایاب جیلانی:۔ کا سلسلے وار ناول "پربت کے اس پار کہیں" اس ماہ اختتام پذیر ہوا اپریل سے آپ سب کی پسندیدہ مصنفہ سدرۃ المنتہیٰ کا ناول شروع ہوگا۔

اس شمارے میں:۔ درثمن بلال، ام ایمان قاضی اور قرۃ العین سکندر کے مکمل ناول، تحسین اختر اور بشریٰ سیال کے ناولٹ، عابی ناز، طیبہ مرتضیٰ، فرحت انصاری، ساریہ چوہدری اور تمثیلہ زاہد کے افسانے، ام مریم اور نایاب جیلانی کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار طاہر محمود

حمد باری تعالیٰ

[illegible] میں اک نور ڈھلتا آیا
یک لمحہ کئی صدیوں پہ چمکتا آیا

م و تشکیک سے الہام شعاری نہ رکی
ب سے شہزادہ خاور کی سواری نہ رکی

روں کے صدف تیرہ سے ہیرے ابھرے
بے کراں موج سے جزیرے ابھرے

مصطفیٰ زیدی

نعت رسول مقبول

شان تمھی سے
پہچان تمھی سے

ہیں دشوار سا لمحہ
آن میں آسان تمھی سے

ہیں اولیا اللہ
تمھی سے

ہر پھول کے چہرے پہ ترے حسن کا جلوہ
کلیوں کو ملی نکہت و مسکان تمھی سے

اس جگہ میں جہاں یاس کے چھائے ہیں اندھیرے
جینے کا ملا ہے وہاں سامان تمھی سے

میں اور وفا کا کوئی مفہوم نہ جانوں
وابستہ رہے دیں میرا ایمان تمھی سے

گلہائے عقیدت جو نذر کرتا ہے اعجاز
اس صنف میں اس کو ملا فیضان تمھی سے

بشیر اعجاز

قرض اچھے طریقے سے ادا کرنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''تم میں سے زیادہ بہتر لوگ ... قرض اچھے طریقے سے ادا ...

ادائیگی میں شامل

حضرت

... سے روایت ہے کہ نبی

نے ان سے غزوہ حنین کے موقع

چالیس ہزار قرض

جب

سے

دیا پھر ... کر

برکت عطا فر...

ادائیگی اور شکریہ

... ادا کرنا ہے۔''

... سائل:۔

... کے وقت قرض لینا جائز ہے،

... سے ادائیگی کا مطلب یہ ہے کہ

... جائے۔

... لی ہو، اس سے بہتر ادا کرنا بھی

... شامل ہے، لیکن اگر یہ پہلے سے

... خواہ اس کا مطالبہ کرے تو یہ سود

... اہ ہے۔

... تے وقت قرض خواہ کو دعائیں

... ادا کرنا بھی اچھے طریقے سے

کسی قرض کا تقاضا کرنے آیا جو آپ کے ذمے تھا، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سخت لہجے میں بات کی، حتیٰ کہ یہاں تک کہہ دیا اگر آپ ادا نہیں کریں گے تو میں آپ کے ساتھ سخت رویہ اختیار کروں گا۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے ڈانٹا اور کہا۔

''تجھ پہ افسوس! کیا تجھے معلوم نہیں تو کس سے مخاطب ہے؟''

اس نے کہا۔

''میں تو اپنا حق مانگ رہا ہوں۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''تم نے حق والے کا ساتھ کیوں نہ دیا؟''

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خولہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پیغام بھیجا۔

''اگر تمہارے پاس کھجوریں ہیں تو ہمیں قرض دے دو، ہماری کھجوریں آئیں گی تو ہم تمہارا قرض ادا کر دیں گے۔''

انہوں نے کہا۔

''میرے ماں باپ آپ پر قربان، اے اللہ کے رسول ﷺ! میں حکم کی تعمیل کروں گی۔''

انہوں نے آ... کو (کھجوریں) قرض دے ... کر ... تم نے اعرابی کا ...

... اس کا حق نہ دیا جائے۔

فوائد و مسائل:۔

قرض خواہ کو سختی کا حق حاصل ہے، لیکن افضل یہی ہے کہ تقاضا کرنے میں بھی نرمی کی جائے اور مقروض کو مناسب مہلت دے دی جائے۔

جاہلوں کے غلط رویے کا جواب سختی سے نہ دیا جائے بلکہ برداشت کیا جائے۔

حق دار کو اس کا حق اور قرض خواہ کو اس کا قرض بن مانگے ادا کرنا چاہیے، یہ انتظار نہ کیا جائے کہ وہ جب مانگے گا تب دے دیں گے۔

قرض (کی عدم ادائیگی) کی وجہ سے قید کرنا اور ساتھ رہنا

حضرت عمرو بن شرید رحمتہ اللہ اپنے والد (حضرت شرید ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''ادائیگی کی طاقت رکھنے والا ٹال مٹول کرے تو اس کی بے عزتی کرنا اور اسے سزا دینا جائز ہو جاتا ہے۔''

(امام ابن ماجہ رحمتہ اللہ کے استاد) علی بن محمد طنافسی رحمتہ اللہ نے فرمایا۔

بے عزتی کرنے سے مراد اس کی شکایت کرنا اور سزا سے مراد قید کرنا ہے۔

فوائد و مسائل:۔

ضروری ہے ... حتول ...

... کہ ... اس ...

... کا ...

اگر مقروض واقعی قرض ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اسے مزید مہلت دی جائے یا قرض معاف کر دیا جائے یا بیت المال سے اس کی مدد کی جائے، بیت المال کا نظام موجود نہ ہونے کی صورت میں دوسرے لوگوں کا فرض ہے کہ زکوۃ صدقات کے ذریعے سے اس کی مدد کریں۔

جن جرائم میں حد نہیں ان میں مجرم کو تعزیر کے طور پر قید کی سزا دی جا سکتی ہے۔

مقروض

حضرت ہرماس بن حبیب رحمتہ اللہ اپنے والد (حضرت حبیب بن ثعلبہ) سے اور وہ ہرماس کے دادا (حضرت ثعلبہ تمیمی عنبری رضی اللہ ...

تعالیٰ عنہ) سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا۔

میں اپنے ایک مقروض کو لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے مجھ سے فرمایا۔

"(یہ جہاں جائے) اس کے ساتھ رہو۔"

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شام کے وقت میرے پاس سے گزرے تو فرمایا۔

"اے بنی تمیم کے بھائی! تمہارے قیدی کا کیا بنا؟"

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے مسجد میں حضرت عبداللہ بن ابوحدرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کے ذمے اپنے قرض کی واپسی کا تقاضا کیا، ان کی آوازیں بلند ہوگئیں حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے گھر میں ان کی آوازیں سن لیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر نکل کر ان کے پاس تشریف لائے اور حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آواز دی، انہوں نے کہا۔

"اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں حاضر ہوں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اپنے قرض میں سے اتنا معاف کر دو۔"

اور ہاتھ سے نصف کا اشارہ کیا (آدھا قرض چھوڑ دو)

انہوں نے کہا۔

"میں نے معاف کیا۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (ابن ابوحدرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے) فرمایا۔

"اٹھو اس کا قرض ادا کرو۔"

فوائد و مسائل۔

قرض خواہ مقروض سے قرض کی واپسی کا تقاضا کرسکتا ہے۔

دو آدمیوں میں کسی بات پر جھگڑا ہو جائے تو صلح کرا دینی چاہیے، خاص طور پر وہ شخص جس کو جھگڑنے والوں پر کسی قسم کی فضیلت حاصل ہو اور اس کی بات مانی جاتی ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ جھگڑا ختم کرائے۔

صلح کے لئے صاحب حق اپنا کچھ حق چھوڑ دے تو بہت ثواب کی بات ہے۔

قرض دینا

حضرت قیس بن رومی رحمتہ اللہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا، حضرت سلیمان بن اذنان رحمتہ اللہ نے حضرت علقمہ رحمتہ اللہ کو ان کا وظیفہ (تنخواہ) ملنے تک کی مدت کے لئے ایک ہزار درہم قرض دیا، جب انہیں وظیفہ ملا تو انہوں (سلیمان) نے ان سے سختی سے (قرض کی واپسی کا) تقاضا کیا۔

علقمہ رحمتہ اللہ نے ادائیگی کر دی لیکن انہیں ناراضی محسوس ہوئی (کہ اتنی سختی سے تقاضا کیا ہے) چند ماہ ٹھہر کر وہ (پھر) ان کے پاس آئے اور کہا۔

"مجھے تنخواہ ملنے تک ایک ہزار درہم قرض دے دیں۔"

انہوں نے کہا۔

"ہاں (میں بڑی خوشی سے آپ کا) احترام کرتے ہوئے (آپ کو قرض دیتا ہوں، پھر اپنی بیوی سے کہا) اے ام عتبہ! تمہارے پاس جو مہر بند تھیلی ہے، وہ لے آؤ، وہ لے آئیں تو (علقمہ سے) کہا کہ قسم ہے اللہ کی! یہ آپ کے وہی درہم ہیں، جو آپ نے مجھے ادا کیے تھے، میں نے ان میں سے ایک درہم بھی ادھر ادھر نہیں کیا۔"

علقمہ رحمتہ اللہ نے کہا۔

"کیا خوب! آپ نے مجھ سے جو سلوک کیا، اس کی کیا وجہ؟"

انہوں نے کہا۔

"(اس کی وجہ یہ حدیث تھی) جو میں نے آپ سے سنی، انہوں نے کہا، آپ نے مجھ سے کون سی حدیث سنی؟ سلیمان نے کہا، میں نے آپ (علقمہ) کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"جو مسلمان دوسرے مسلمان کو دوبارہ قرض دیتا ہے، وہ ایک بار اتنا صدقہ کرنے کے برابر ہو جاتا ہے۔"

علقمہ رحمتہ اللہ نے فرمایا مجھے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (واقعی) اسی طرح حدیث سنائی تھی۔

قرض کا ثواب

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"معراج کی رات میں نے جنت کے رواز ے پر لکھا ہوا دیکھا، صدقے کا ثواب دس نا ہے اور قرض کا اٹھارہ گنا۔" میں نے کہا۔

"اے جبرئیل! کیا وجہ ہے کہ قرض، دقے سے بھی زیادہ فضیلت کا حامل ہے؟

ہوں نے کہا اس لئے کہ سائل (بعض اوقات) ال کرتا ہے، حالانکہ اس کے پاس (اس کی ورت کا مال) موجود ہوتا ہے جبکہ قرض لینے ا ضرورت (اور مجبوری) کی حالت ہی میں ں لیتا ہے (کیونکہ قرض کی واپسی تو ضروری)، اس لئے مجبوری کے وقت ہی لیا جاتا ـ")

حضرت یحییٰ بن ابو اسحاق ہنائی رحمتہ اللہ

روایت ہے، انہوں نے فرمایا میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا۔

ایک آدمی اپنے بھائی کو مال بطور قرض دیتا ہے، پھر وہ (مقروض) اسے کچھ تحفہ دے دیتا ہے (کیا یہ مناسب ہے؟)

انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"تم میں سے کوئی شخص جب (کسی کو) قرض دے، پھر (مقروض) اسے تحفہ دے یا سواری کے لئے جانور پیش کرے تو (قرض خواہ کو چاہیے کہ) وہ اس پر سواری نہ کرے اور نہ وہ (تحفہ) قبول کرے، سوائے اس کے کہ ان دونوں میں پہلے سے (تحفے تحائف کا) یہ سلسلہ جاری ہو۔"

فوت شدہ کی طرف سے قرض کی ادائیگی

حضرت سعد بن اطول جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ان کا بھائی فوت ہو گیا، اس نے تین سو درہم (ترکہ) چھوڑا اور بال بچے بھی چھوڑے، میں نے چاہا کہ یہ مال اس کے بیوی بچوں پر خرچ کر دوں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"تمہارا بھائی اپنے قرض کی وجہ سے قید ہے، اس لئے اس کا قرض ادا کرو۔"

تو حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

"اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے اس کا (سارا) قرض ادا کر دیا ہے، سوائے دو دینار کے، ایک عورت ان کا دعویٰ کرتی ہے لیکن اس کے پاس کوئی ثبوت (گواہی وغیرہ) نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اسے دے دو، وہ سچی ہے۔"

ہمارا تمہارا خدا بادشاہ

ابن انشاء

ہمارا تمہارا خدا بادشاہ

کسی ملک میں ایک تھا بادشاہ، بڑا دانش مند، مہربان اور انصاف پسند، اس کے زمانے میں ملک نے بہت ترقی کی اور رعایا اس کو بہت پسند کرتی تھی، اس بات کی شہادت نہ صرف اس زمانے کے محکمہ اطلاعات کے کتابچوں اور پریس نوٹوں سے ملتی ہے بلکہ بادشاہ کی خودنوشت سوانح عمری سے بھی۔

شاہ جمجاہ کے زمانے میں ہر طرف آزادی کا دور دورہ تھا، لوگ آزاد تھے اور اخبار آزاد تھے کہ جو چاہیں کہیں، جو چاہیں لکھیں، بشرطیکہ وہ بادشاہ کی تعریف میں ہو، خلاف نہ ہو۔

اس بادشاہ کا زمانہ ترقی اور فتوحات کے لئے مشہور ہے، ہر طرف خوش حالی ہی خوش حالی نظر آتی تھی، کہیں تل دھرنے کو جگہ باقی نہ تھی، جو لوگ لکھ پتی تھے، دیکھتے دیکھتے کروڑ پتی ہو گئے، حسن انتظام ایسا تھا کہ امیر لوگ سونا اچھالتے اچھالتے ملک کے اس سرے سے اس سرے تک، بلکہ بعض اوقات بیرون ملک بھی چلے جاتے تھے، کسی کی مجال نہ تھی کہ پوچھے اتنا سونا کہاں سے آیا اور کہاں لئے جا رہے ہو۔

روحانیت سے شغف تھا، کئی درویش اسے ہوائی اڈے پر اور لینے چھوڑنے جاتے یا اس کی کامرانی کے لئے چلے کاٹتے تھے، طبیعت میں عفو اور درگزر کا مادہ ازحد تھا، اگر کوئی آ کر شکایت کرتا تھا کہ فلاں شخص نے میری فلاں جائیداد ہتھیالی ہے، یا فلاں کارخانے پر قبضہ کر لیا ہے، تو مجرم خواہ بادشاہ کا کتنا ہی قریبی عزیز کیوں نہ ہو، وہ کمال سیر چشمی سے اسے معاف کر دیتے تھے، بلکہ شکایت کرنے والوں پر خفا ہوتے تھے کہ عیب جوئی بری بات ہے۔

جب بادشاہ کا دل حکومت سے بھر گیا تو وہ اپنی چیک بکس لے کر تارک دنیا ہو گیا اور پہاڑوں کی طرف نکل گیا، کچھ لوگ کہتے ہیں اب بھی زندہ ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆

گوشت اور ہڈی

ایک کتا اور ایک گدھا اکٹھے چلے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک لفافہ پڑا ملا گدھے نے اسے اٹھایا اور کھول کر پڑھنا شروع کیا، لکھا تھا، حامل رقعہ ہذا کو حسب ذیل چیزیں مفت دی جائیں گی۔

بھوسہ...... نرچارہ، چنے......

کتے نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا، برادرم ذرا دیکھنا اس فہرست میں نیچے جا کر گوشت اور ہڈی کا ذکر بھی ہو گا، گدھا سارا پروانہ پڑھ گیا، اس میں کوئی ایسی چیز مذکور نہ تھی۔

کتے نے کہا، تب یہ بیکار چیز ہے، پھینک دو اسے۔

پارٹی منشوروں میں فقط گدھوں ہی کی بات نہیں ہونی چاہئے، کتوں کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔

ہم کیوں بھاگیں

ایک خرکار جنگل میں گدھوں پر مال لادے چلا جا رہا تھا کہ ڈاکوؤں کا کھٹکا ہوا، وہ گدھوں کو پکارا۔

''خطرہ! خطرہ! بھاگو، بھاگو! ڈاکو آ رہے ہیں!'' گدھوں نے کہا، تم بھاگو، ہم کیوں بھاگیں، ہمیں تو بوجھا ڈھونا ہے، تیرا ہو یا کسی اور کا ہو۔

اگر مال کے منافع میں کچھ حصہ گدھوں کا بھی ہوتا، تو وہ ہرگز ایسی بات نہ کہتے۔

متحدہ محاذ

ایک شیر اور گدھا شکار کرنے گئے انہوں نے کئی جانور مارے آخر شکار تقسیم کرنے بیٹھے، شیر نے تین ڈھیریاں بنائیں اور کہا کہ یہ ڈھیری تو جنگل کا بادشاہ ہونے کی حیثیت سے میری ہے، اور یہ دوسری اس لئے میری ہے کہ شکار میں برابر کا حصہ دار ہوں، اب رہی یہ تیسری ڈھیری، کسی میں ہمت ہے تو اٹھا لے، ہے ہمت؟

ہر متحدہ محاذ میں عموماً ایک شیر اور باقی گدھے ہوتے ہیں تقسیم شکار کی ہو یا ٹکٹوں کی، اس میں شیر کا حصہ خاص ہوتا ہے، اس پر کوئی اعتراض کرتا ہے تو گدھا ہے۔

مینڈکوں کا بادشاہ

ایک بار مینڈکوں نے خدا سے دعا کی کہ یا پروردگار ہمارے لئے کوئی بادشاہ بھیج، باقی سب مخلوقات کے بادشاہ ہیں، ہمارا کوئی بھی نہیں ہے۔

خداوند نے ان کی سادہ لوحی پر نظر کرتے ہوئے لکڑی کا ایک کندہ جوہڑ میں پھینکا، بڑے زوردوں کے چھینٹے اڑے، پہلے تو سب ڈر گئے، تھوڑی دیر بعد یہ دیکھ کر کہ وہ لمبا لمبا پڑا ہے ڈرتے ڈرتے قریب آئے پھر اس پر چڑھ گئے اور ناچنے لگے۔

چند دن بعد دوبارہ خداوند کو عرضی دی کہ یہ بادشاہ ہمیں پسند نہیں آیا، کوئی اور بھیج جو ہمارے شایان شان ہو۔

خداوند نے ناراض ہو کر ایک سمندری سانپ بھیج دیا، وہ آتے ہی بہتوں کو چٹ کر گیا، باقی کونوں کھدروں میں جا چھپے۔

اس حکایت کا نتیجہ قارئین کرام آپ خود ہی نکالیے، آخر آپ خود بھی سمجھ دار ہیں۔

☆☆☆

دل گزیدہ

اُم مریم

تینتالیسویں قسط کا خلاصہ

حمدان روحی اور قدر کے معاملے میں شدید اذیت کا شکار ہے، قدر حمدان کی توجہ کی منتظر ہے مگر حمدان غلط فہمی کے جال میں الجھتا جا رہا ہے۔

عمر حجاب کو زندگی کی طرف لانے کی کوشش کرتا ہے اور یہ کوشش کچھ کامیاب ہوتی دکھائی دیتی ہے۔

قدر بالآخر شیر کے بچھائے جال میں جا پھنستی ہے، مگر حمدان قدر کو علی شیر کی سازش کا شکار نہیں ہونے دیتا، اس ٹکراؤ اور تصادم میں علی شیر حمدان کے ہاتھوں مارا جاتا ہے، قدر اس شاک سے با مشکل نکلتی ہے۔

قدر حمدان کے رویے کی تاب نہ لاتے ہوئے مایوسی کا شکار ہے اور باپ سے اپنی ماں سے ملانے کی گزارش کرتی ہے جو سلیمان قبول کر لیتے ہیں۔

ماں کا سامنا قدر کو مزید دکھ ذہنی انتشار میں مبتلا کر ڈالتا ہے۔

چونتالیسویں قسط

اب آپ آگے بڑھیے





"آپ کی محبت، کرو، مرا، مجھے بہت پسند آئی پیا، تھینک یو سو مچ۔" وہ ایک بار پھر ان سے لپٹ گئی تو سلیمان خان بوجھل دل سمیت مسکرا دیے، گہرا سانس بھرتے نرمی و رسان سمیت اسے خود سے الگ کر دیا۔

"ہمیشہ خوش رہو، اب جاؤ بچے، فی امان اللہ۔" ان کی آواز پست ہو رہی تھی، قدرے چونک گئی، نم آنکھیں پونچھتیں مضمحل انداز میں جھک کر ایک الوداعی محبت آمیز نگاہ ان پہ ڈالی اور پلٹ کر قدم بڑھاتی ان سے دور ہونے لگی مگر اس کے قدموں کی گلگشتی نظروں کا بار بار داخلی راستے کی طرف پلٹ پلٹ کر کسی آس میں دیکھنا اور نامراد لوٹ آنا سلیمان خان کی یاسیت میں اضافہ کا باعث بنتا رہا تھا۔

☆☆☆

خوشبو کی طرح میری ہر سانس میں
پیار اپنا بسانے کا وعدہ کرو
رنگ جتنے تمہاری محبت کے ہیں
میرے دل میں سجانے کا وعدہ کرو
ہے تمہاری وفاؤں پہ مجھ کو یقین
پھر بھی دل چاہتا ہے میرے ہم نشیں
یوں ہی میری تسلی کی خاطر ذرا
مجھ کو اپنا بنانے کا وعدہ کرو
صرف لفظوں سے اقرار ہوتا نہیں
اک جانب سے ہی پیار ہوتا نہیں
میں تمہیں یاد رکھنے کی کھاؤں قسم
تم مجھے نہ بھلانے کا وعدہ کرو

موسم بدلا تو دن بھی چھوٹے ہوتے گئے، اب شام جلدی ڈھلنے لگی تھی، دھوپ سرکتی دیواروں پہ چڑھتی اور پھر منڈیروں پہ لمحہ بھر کو ٹھہرتی سمٹ کر غروب ہوتے سورج کے نارنجی رنگ میں پناہ لے لیتی، حجاب بچے کے کپڑے دھونے کے بعد پھیلا رہی تھی، جب اندر کمرے میں پڑا فون چیخ اٹھا، نمبر انجان تھا اس نے کچھ پس و پیش کے بعد کال ریسیو کی تو چھوٹتے ہی اس نظم کے الفاظ اس کی سماعتوں میں زہر گھول گئے۔

"خبیث کمینہ گھٹیا۔" طیش میں مبتلا ہوتے اس نے اویس کو بے دریغ گالیوں سے نوازا اور فون آف کر کے بستر پہ پٹخ دیا، کچھ لوگ جان کا وبال ہوا کرتے ہیں، ایسا وبال جو کبھی ختم بھی نہیں ہوتا، اس نے دانت بھینچ کر سوچا تھا۔

"آج خنکی ہو گئی ہے، بچے کو نہ ہی نہلاتی تو اچھا تھا، بہرحال بیٹی آتش دان جلا آئی ہوں ... کے لیے، خود بھی کھا لینا، بچے کو بھی ضرور کھلا ڈالنا، آتی جاتی سردیوں سے ہمیشہ بچا کے رکھنا چاہیے چھوٹے بچوں کو، باقی اصل حفاظت تو اللہ کی ہے۔" بی جان شڑپ شڑپ

ٹھسکتی ساتھ بولتی ہی جا رہی تھیں۔

"صبح جاتے ہوئے عمر بکری کے پائے لا کر دے گیا تھا کہ صاف کر کے پکا روں، دوپہر ساری اس کام میں گزری، اب ہانڈی چڑھائی ہے، عمر میاں کے آنے تک سالن تیار سمجھو، بیٹی تم پھلکے ذرا نرم ڈالنا آج، اس کے شوربے کے ساتھ نرم پھلکے ہی اچھے لگتے ہیں۔"

بی جان اب اس سے مخاطب تھیں، مگر حجاب کا ذہن ہنوز اویس میں اٹکا تھا اور فکر مند تھا، نس نس میں نفرت کے ساتھ بے بسی بھی دوڑتی تھی۔

"مجھے تو بھئی قلچے پسند ہیں اس شوربے کے ساتھ، اب تم سوچو گی قلچے کیا بلا ہوئی۔" بی جان خود ہی بات کرتی تھیں خود ہی قیافے بھی لگا لیتیں، اپنی بات کے دوران وقفہ لے کر مسکرائیں، اسے دیکھا جو ہنوز بے خیال تھی، اسی بے خیالی میں محض ان پہ یہ ظاہر کرنے کو پھیکی مسکان لبوں پہ سجا لائی کہ وہ انہیں سن ہی نہیں رہی بلکہ متوجہ بھی ہے، بی جان کے لیے یہ بھی کافی تھا، اتنی توجہ اتنا دھیان بھی کہ ازلوں سے خاموش رہی تھیں، عمر کا تو وہ حال کہ پیسے لے کر بھی نہ بولتا تھا، الفاظ برتنے میں ایسا کنجوس انسان بی جان نے پہلے نہیں دیکھا تھا اتنی زندگی ہوئی، اب تو اور چپ شاہ ہوا، دلہن جو لایا وہ اور ایسی کہ گونگی کا گمان گزرے، بی جان کی باتوں کی خواہش اپنی موت آپ مری گویا، مگر ہمت ہارنے کو بہرحال تیار نہ ہوئیں، کوشش جاری رکھی۔

"ارے بھئی نان کو کہہ رہی ہوں، ہے تو قلچہ ہی، ہمارے وقتوں میں قلچہ ہی کہا جاتا تھا، اللہ بخشے نئھے کے ابا کو، بڑے شوق سے قلچہ چائے میں بھگو کے کھاتے۔" انہوں نے آہ بھر کے بتایا، دروازے پہ زور سے دستک ہوئی، اتنی زور سے کہ اور کچھ اتنی اچانک کہ حجاب کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا، رنگ اڑ گیا، بی جان البتہ خالی خولی چونکیں اور بڑبڑاتیں دروازے کی جانب بڑھ گئیں۔

"ارے بھیا آہستہ...... بہرے نہیں بستے یہاں، چھری تلے دم لیا کرو۔" جھلا کر کہتے دروازہ کھولا، باہر سرے سے کوئی نہیں، یہاں تک کہ گلی بھر میں کسی کا نام و نشان نہیں، ان کی جھلاہٹ بڑھ گئی، کوفت کا عالم کوئی نہ پوچھے۔

"کیا کوئی جن تھا......؟ حد ہو گئی۔" انہوں نے غصے میں دروازہ زور سے بند کیا، حجاب کی بڑھی ہوئی دھڑکن اعتدال پہ نہ آئی، پہلا خیال اسی شیطان کا آیا تھا، کہیں وہ پھر یہاں نہ آ پہنچا ہو، حجاب کو لگا وہ اپنے پیروں پہ کھڑی نہ رہ سکے گی، خوف کا عالم یہ کہ دل چاہا زمین کی آخری تہہ میں جا چھپے۔

"اے بیٹی تجھے بڑیاں بنانی آتی ہیں؟ میرا مطلب ہے کہ کھا لیتی ہو شوق سے یا......؟" ان کی بات ادھوری رہ گئی، دستک ایک بار پھر ہوئی اور ویسی ہی دل دہلا دینے والی مگر ساتھ والوں کے دروازے پہ، بی جان جو ابھی آ کے برآمدے کی کرسی پہ بیٹھی ہی تھیں کہ اچھل سی گئیں۔

"یہ کلموہے بالسو کے بچے ہیں، ایک نمبر کے شیطان ہیں، دروازہ کھٹکھٹا کر بھاگ جاتے ہیں ہمیشہ، اک بار ہاتھ لگیں میرے تو ٹانگیں توڑ ڈالوں۔" غصے میں وہیں بیٹھے بیٹھے بولتی رہیں، اتنی ہمت کہاں تھی بوڑھی ہڈیوں میں کہ کیسے یہ عمل کرنے کو واقعی جا کر ایک نمبر کے شیطان بچوں کی ہڈی پسلی بھی ایک کرتیں، وہ کرتی نہ کرتی، البتہ حجاب کے حلق میں اٹکی سانسیں ضرور بحال ہو گئیں، خوف

سے بند ہوتا دل پھر اعتدال پہ آنے لگا، گہرا سانس بھرتی وہ کچن کی سمت ہولی، انداز اطمینان بھرا تھا، اگر عمر کو پائے کے ساتھ پھلکے پسند تھے تو وہ بھی دل و جان سے بنانے کا ارادہ رکھتی تھی۔

لوڑے ویلے ماہیے آنا
من پکا واں کنک دا
اندر جاواں بار جاواں
لال چوڑا چھنک دا

بی جان آج ترنگ میں تھیں اپنے دور کی کوئی گیت گنگنانے میں مصروف ہوئیں اور یہاں کتنے دنوں بعد حجاب کے لبوں کو بھی دلکش مسکان نے چھوا تھا۔

☆☆☆

ستاروں سے بھرے اس آسماں کی وسعتوں میں
مجھے اپنا ستارہ ڈھونڈنا ہے
فلک پر کہکشاں ہے اور کہکشاں اک بے کرانی ہے
نہ اس کا کام ہے معلوم
نہ کوئی نشانی ہے
بس اتنا یاد ہے مجھ کو
ازل کی صبح
جب سارے ستارے
الوداعی گفتگو کرتے ہوئے
رستوں پہ نکلے تھے
تو اس کی آنکھ میں
اک اور تارہ جھلملایا تھا
اس تارے کی صورت کا
میری بھیگی ہوئی آنکھوں میں بھی
اک خواب بستا ہے
میں اپنے آنسوؤں میں
اپنے خوابوں کو سجاتا ہوں
اور اس کی راہ دیکھتا ہوں
سنا ہے گمشدہ چیزیں
جہاں پہ کھوئی جاتی ہیں
وہیں سے مل بھی جاتی ہیں
مجھے اپنا ستارہ ڈھونڈنا ہے

اس کی آنکھ سے ایک ستارہ ٹوٹا اور مژگان سے ہوتا گریبان میں گم ہوا، وہ قبروں کی

کرتے تھکنے لگی تھی، وحشت سے بھرنے لگی تھی، اس نے کھویا تو پھر پانے والی نہ ہوئی، کھوتی چلی گئی، پہلے اپنا یار...... اپنا محبوب اور پھر اپنی بیٹی اپنی قدر بھی مگر محبوب کے غم پہ غم حاوی نہ ہو سکا، یا اس نے ہونے نہ دیا، مگر ایزد...... اس کا بیٹا...... جو اس کی ضد تھا، جو اس کے بچن کی نشانی تھا، جو اس کے بچن کی امانت تھا، اس سے چھنا، وہ خواب غفلت سے جاگ اٹھی، چونک گئی، ہڑبڑا گئی، سب جو بھولے تھی، اپنے بیٹے تک کو بھی...... اسے یاد آ گیا، از سرے نو یاد آ گیا، پہلے بھی محبوب بچھڑا تب وہ حواسوں میں آئی اور پھر حواس مختل کر دیئے، اب بھی وہ بیٹے کے بچھڑنے پہ ہل گئی، جھنجھوڑ دی گئی، تڑپ گئی، وہ جو اسے زندگی کی طرف لاتا تھکتا نہ تھا، آخر ہمت ہار گیا، خود کشی کر بیٹھا، وہ جو...... جسے رونے سے فرصت نہ تھی، رونا بھول گئی، تھرا گئی۔

مضمحل کیسے ہوئے......؟
کس نے کیا اتنا اداس
چلتے چلتے جو کسی روئی ہوئی یاد سے ٹھوکر کھائی
ہولے ہولے سے سسکتی ہوئی تنہائی میں
لڑکھڑایا جو کسی بیتے ہوئے دن کا خیال
تمہیں معلوم ہے
اداسیاں درد بڑھا دیتی ہیں
نہ کوئی بولے گا تجھ سے
نہ منائے گا کوئی
درد بھرے شکوے کی چنگاری سے
رات بھر تجھ کو ستائے کوئی
رات بھر تجھ کو رلائے گا کوئی
رات بھر تجھ کو جگائے گا کوئی

اداسیاں واقعی بڑھ گئی تھیں، درد لامتناہی ہو گیا تھا، ایزد چلا گیا، وہ جو تب اس سے بولتی نہ تھی جب وہ بلاتا تھا، اب اس کی آواز سننے کو ترس گئی، وہ مناتی تھی تو وہ مانتا نہ تھا، کیسا شکوہ کرتی تھی اس کی آنکھیں کہ وہ واقعی رات بھر جاگتی، سنتی اور روتی، مگر ازالہ نہ کر پاتی، وہ کیسی حرماں نصیب تھی، ہمیشہ اپنے نقصان کی وجہ خود بنی، ہمیشہ اپنے پیروں پہ خود کلہاڑی ماری، ہمیشہ اس وقت پچھتائی جب چڑیوں نے کھیت چگ لیا تھا، وقت نکل گیا تھا، وہ محبوب پوچھتا تو اسے کیا جواب دیتی، اس کی امانت میں خیانت کیوں کر گئی؟

اس کی نشانی کیونکر نہ سنبھال سکی، وہ کیسے بتائے گی، وہ کیسے سامنا کرے گی، یہ خیال اسے ہر احساس سے ماورا کر کے حواس کی دنیا سے دور لے جاتا۔

☆☆☆

تم سے کیا کہیں جاناں
اس قدر جھمیلے میں

زندگی کے میلے میں
خواہشوں کے ریلے میں
وقت کی روانی ہے
محبت کی گرانی ہے
سخت بے زمینی ہے
سخت لامکانی ہے
ہجر کے سمندر میں
تخت اور تختے کی ایک ہی کہانی ہے
تم کو جو سنانی ہے
بات گو ذرا سی ہے
بات عمر بھر کی ہے
عمر بھر کی باتیں کب
دو گھڑی میں ہوتی ہیں
درد کے سمندر میں
ان گنت جزیرے ہیں
بے شمار موتی ہیں
آنکھ کے دریچے میں
تم نے جو سجایا تھا
بات اس دیے کی ہے
بات اس گلے کی ہے
جو لہو کی خلوت میں
چور بن کے آتا ہے
لفظوں کی فصیلوں پر
ٹوٹ ٹوٹ جاتا ہے
زندگی سے لمبی ہے
بات رتجگے کی ہے
راستے میں کیسے ہو
بات تخلیے کی ہے
تخلیے کی باتوں میں
گفتگو اضافی ہے
پیار کرنے والوں کو
اک نگاہ کافی ہے

ہو سکے تو مل جاؤ
ایک دن اکیلے میں
تم سے کیا کہیں جاناں
اس قدر جھمیلے میں

وہ بے خیال بیٹھا تھا، بالکل خالی الذہن، سیل فون پہ میسج ٹون بجنے پہ اسی خالی الذہنی کی کیفیت میں میسج کھولا اور پڑھتا چلا گیا، اسی بے خیالی میں انجان نمبر سے آئے میسج کا ریپلائی بھی کر ڈالا۔

''کون......؟''

''بوجھو تو جانیں، بلکہ مانیں۔''

اگلے ہی لمحے دھڑ سے جواب آ گیا، حمدان کی بے خیالی ہوا ہوئی، اس کی جگہ جھلاہٹ نے لے لی، پہلا خیال ہی قدر کی طرف گیا، جس کے رنگ دھنک ہوا سب کچھ ہی بدلا ہوا تھا، مگر اب وہ اعتبار کرنے والوں میں دھوکہ کھانے والوں میں شمار نہیں ہو سکتا تھا۔

''بتاؤ......''

''اتنی تاخیر نہیں چلے گی۔''

''ارے بھئی ذہین و فطین ایس پی صاحب آپ کی حاضر دماغی کیا ہوئی۔'' ٹن ٹنا ٹن ایک کے بعد دوسرا میسج آتا گیا، وہ جو نظر اندازی کی پالیسی اپنانے کا تہیہ کر چکا تھا اتنا جھلایا کہ غصے میں ٹائپ کیا۔

''تیری تو میں......'' اور سینڈ کر دیا، ادھر سے دھڑ سے جواب پھر آ گیا۔

''بری بات...... بڑوں کو ایسے نہیں بولتے۔'' مدبرانہ انداز سراسر شرارت بھرا تھا، حمدان کا طیش مزید بڑھا۔

''تم ماسی نہیں ہو میری جو نصیحتیں کرو۔'' وہ بڑھکا تھا۔

''صرف میں ہی تو یہ دعوا کر سکتی ہوں، چھوٹے صاحب......اور کوئی اگر کرے تو سیدھا جہنم جائے بددعا ہے میری۔'' اسی چابک دستی سے جواب آیا اور حمدان کے اعصاب پہ یکدم ڈھیروں برف آ گری، وہ حرکت نہیں کر سکا۔

''کیوں چپ ہو گئے، میں روشنی، تمہارے باپ کا پہلا پڑاؤ پہلا عشق، پھر وہ لاکھ معتبر بن بیٹھے مگر......'' حمدان نے اگلا میسج پڑھا ضرور مگر جواب پھر بھی نہ دیا، وہ اس شاک سے باہر نہیں نکل رہا تھا جس انکشاف کی زد پہ اسے رکھا گیا تھا، ہلا دیا گیا تھا، وہ اس کی ماں تھی، تو یہ طے ہوا وہی اس کی ماں تھی، کیسی قسمت تھی اس کی بھی، اسے بیوی اچھی ملی نہ ماں...... کردار کے لحاظ سے دونوں دو دو کوڑی کی، اس کی آنکھیں سرخ ہوئیں اور دہکنے لگیں۔

''حمدان...... پلیز...... پلیز...... مجھ سے ملو...... فار گاڈ سیک۔'' ایک بار پھر میسج آ گیا، انوکھی تڑپ اور پکار لئے، وہ بے حس بنا بیٹھا رہا۔

''تم مجھے غلط سمجھتے تھے، اس کی وجہ یہی تھی، کہ تمہیں تمہارے باپ نے جو کچھ بتایا وہ غلط تھا، وہ جھوٹا ہے جھوٹ بولتا رہا میرے متعلق میں......'' حمدان نے اب کے پورا میسج بھی نہ پڑھا،

اشتعال آمیز انداز میں ہاتھ میں موجود فون
فرش پہ بکھرا شاید ہمیشہ کو خاموش ہو گیا۔
"میرا باپ نہیں ...... تم جھوٹی ہو ......

وہ ..... اس کا بھائی تھا۔
اکلوتا ماں جایا ..... جواب اس دنیا میں نہیں رہا تھا۔
بہت سارے نقصانوں میں اک اور نقصان کا اضافہ ہوا۔
بہت سارے دکھوں میں اک اور دکھ شامل ہوا۔
اس کی آنکھ کی مزید بھیگ گئیں۔
اس کے دل نے ہچکی سی بھری اور سسکتا چلا گیا۔
کیسی حرماں نصیبی تھی، اس کے پاس کل متاع تھی مگر وہ تہی دست کھڑی تھی، وہ بیٹی تھی، وہ بہن بھی تھی، وہ بیوی بھی تھی، وہ ماں بھی تھی، مگر اس نے سب رشتے جانے انجانے میں گنوا دیئے۔

کیا ضروری تھا ..... کیا بہت ضروری تھا کہ اگر وہ دل گزیدوں کی پیداوار تھی تو اس کا دل بھی گزیدہ ضرور ہوتا .....؟

اس پل پہلی بار اسے رب سے شکوہ محسوس ہوا۔
کیا ضروری تھا ..... کہ اس کے والدین میں علیحدگی اس کی پیدائش سے پہلے ہو جاتی۔
کیا یہ ضروری تھا کہ ..... علی شیر کی ہی منگنی اس سے ہوتی اور وہ اس سے بچھڑ بھی جاتا .....؟
بہت کچھ ضروری نہ تھا، مگر ہوتا گیا، ضروری تو یہ بھی نہ تھا کہ اس کی شادی حمدان منصف جیسے بندے سے ہوتی مگر ہوگئی، پتا نہیں کیوں مگر ہوگئی تو اس سے اولاد اس وقت تک نہ ہوتی جب تک وہ اس کی خواہش مند نہ ہوتی ..... مگر یہ بھی ہوگیا، پھر یہ بھی ہوگیا کہ اس کی ان چاہت کی وجہ اس بچے پہ نحوست بن کر برسی اور وہ اس کی نذر ہوگیا، وہ دنیا میں نہ آسکا، حمدان کی شدید خواہش تھا، محبت کی پہلی نشانی تھا، وہ کیسے پاگل ہوا تھا بچے کے کھونے کی خبر پا کر، ایسے میں وہ بھلا یقین کرتا قدر کی پشیمانی کا ..... اس کے ملال کا ..... اس کی بے گناہی کا ..... وہ نہیں کر سکتا تھا، آج اگر وہ بچہ ہوتا تو شاید حمدان اسے اتنی آسانی کے ساتھ نظر انداز نہ کر سکتا۔
زندگی سہل پھر بھی رہ جاتی اگر جو علی شیر اس کا پیچھا چھوڑ دیتا، مگر علی شیر اپنی جان ہارنے کے ساتھ اس کے کردار پہ بھی ایسا داغ لگا گیا جو شاید اب دھلنے والا نہیں تھا، وہ کیا کرتی .....؟ وہ اب [illegible] بھی ہوتا ..... سے محبت نہ ہوئی ہوتی، مگر وہ [illegible] بیٹی تھی تو محبت کے وار سے کیسے بچ سکتی تھی، وہ نہیں بچ سکی، ملال سا ملال تھا۔
"میں تمہیں اس کا گھر دکھاتی ہوں ..... وہ یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے، یہاں کھڑکی میں کھڑے ہو تو نظر آتا ہے۔"
وہ عورت جسے رونے سے فرصت نہ تھی، کسی خیال کے تحت اسے مخاطب ہوئی، اس کا ہاتھ تھاما اور بڑے بڑے شیشوں والی کھڑکیوں کے پاس آگئی، قدر کو ان کا ہاتھ غیر معمولی سرد محسوس ہوا۔
کھڑکی کھل گئی، باہر سرد ہواؤں اور دھند کا بسیرا تھا، چند گز دور تک کچھ نظر نہیں آتا تھا، مگر خولہ اک سمت اشارہ کرتی سسکیاں بھرتی تھی۔
"وہ ..... وہاں رہتا ہے ..... مجھے وہاں سے زبردستی اٹھا کر لے آنے والے، خود وہاں چلے گئے۔"
قدر کو اس کے مبہم فقروں کی سمجھ نہیں آئی تھی، مگر وہ خاموش تھی۔

"پپا کو پتا ہے ..... کہ بھائی ..... اب"
قدر کو سوال میں بہت دقت کا سامنا ہوا، جواباً خولہ کا سر ندامت کے شدید احساس سمیت جھک گیا۔
"میں صاحب کو بتا نہیں سکی، میں صاحب کو بتا نہیں سکتی۔" اب کی بار قدر کو اس عورت پہ رحم کی بجائے تاؤ آیا تھا، تلملاہٹ محسوس ہوئی تھی۔
"آپ کو اندازہ ہے آپ پپا کے ساتھ کتنی بڑی زیادتی کر چکی ہیں؟" اس کا لہجہ اس کا انداز از خود چبھنے لگا، خولہ نے گردن موڑ کر اسے نہیں دیکھا، یونہی خاموش آنسو بہاتی رہی، اس سے زندگی میں پہلی بار ملنے والی اس کی بیٹی اسے اس حالت میں دیکھ لینے کے باوجود اگر "محبوب" کے مقابلے میں اس سے اکھڑ کر بات کر رہی تھی تو حیرت کی بات حیرت کا مقام نہیں تھا، "محبوب" یہ ہی مقام یہ ہی مرتبہ اس حیثیت رکھتا تھا کہ جو اسے دیکھ لیتا تھا، وہ پھر کچھ اور دیکھنے کے قابل نہیں رہتا تھا، وہ نہیں رہی تھی وہ کسی اور کو کیا کہتی، کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

ہم برے لوگ ہیں
تم ہی اچھے تھے کسی سے بھی تکرار نہ کی
تم کسی تکرار کے خوگر بھی نہ تھے
تم ہی اچھے تھے
جو نبلہ ارباب نظر رکھتے تھے
اتنے سادہ تھے کہ زخموں کو منا کہتے تھے
شہر پر حوصلہ میں
شیوہ اہل ہنر پر بھی تنقید نہ کی
اتنے بے بس تھے کہ جب وقت پڑا
اپنی بھی تائید نہ کی
ہم برے لوگ ہیں سچ کہتے ہیں
ہم برے لوگ ہیں خوشنودی ارباب اثر کے باغی

کبھی قطرے کو سمندر نہ لکھا
کبھی ذرے کو صحرا نہ کہا
قرض آئینہ چکانے کے لئے
عکس سے محروم ہوئے
ہم برے لوگ ہیں

دونوں کے درمیان تکلیف دہ خاموشی آن کے ٹھہر گئی، جم گئی، دونوں چپ تھیں مگر دونوں کے دل رو رہے تھے، اپنے اپنے دکھ پہ بھی، سانجھے دکھوں پہ بھی۔
☆☆☆

تمہاری قبر پر میں فاتحہ پڑھنے نہیں آیا
مجھے معلوم تھا
تم مر نہیں سکتے
تمہاری موت کی سچی خبر
جس نے اڑائی تھی
وہ جھوٹا تھا
وہ تم کب تھے
کوئی سوکھا ہوا پتہ
ہوا سے گر کے ٹوٹا تھا
میری بیداریوں میں تم
میری لاچاریوں میں تم
تمہاری قبر پر جس نے
تمہارا نام لکھا ہے
وہ جھوٹا ہے
تمہاری قبر میں میں ہوں دفن
تم مجھ میں زندہ ہو
کبھی فرصت ملے تو
فاتحہ پڑھنے چلے آنا

قبرستان میں ہو کا عالم طاری تھا، ہوا ساکت تھی، درخت ساکن تھے، وہ خود بھی پتھر کی سل کی مانند سرد اور جامد تھے، پتھرائے ہوئے نظر آتے تھے۔

''برسوں قبل جو شدت پسندانہ فیصلہ کیا آپ نے پپا، اس میں نقصان صرف اس رونے والی عورت کے حصے میں ہی تو نہیں آئے ہیں، آپ بھی برابر کے شریک ٹھہر گئے صد افسوس۔'' فون پ ان سے قدر نے رابطہ کیا تو اس کا لہجہ کیسا تھا، وہ جان نہیں سکے، کوئی قیاس نہیں کر سکے، پہلی با انہیں بیٹی کی رمز سمجھ نہیں آئی، اس کی ٹون سمجھ نہیں آئی، وہ خاموش رہ گئے، کتنی دیر کچھ بول نہ سکے۔

''آئی گیس تم جب بھی اس قسم کی صورت حال کا سامنا کرتی مجھے مورد الزام ضرور ٹھہراتی۔''

پہلے ان کی سرد سی سانس کی آواز ابھری پھر وہ خود بولے تھے، لہجہ ملامت آمیز نہیں تھا، شاید و خود بھی خود سے بھاگتے بھاگتے تھک رہے تھے، تھک گئے تھے۔

''آپ گیس ہی تو نہیں کر سکے ہیں پپا، مقام افسوس بھی تو یہی ہے اور اللہ کی قسم یہ نقصان ا ہے کہ آنسوؤں کے بحر بھی بہا دیئے جائیں تو پورا ہونے والا نہیں۔''

اب کی مرتبہ وہ بولی تو روتے ہوئے بولی تھی، سلیمان خان پھر بھی نہیں چونکے پھر بھی نہیں ٹھٹکے، انہیں معلوم تھا، معمولی باتوں پہ حشر اٹھا دینے والی ان کی نازک مزاج بیٹی کے لئے ی انکشاف روح فرسا ہی ہوتے تھے، لیکن نہیں جانتے تھے جو خبر وہ سنائے گی وہ ان کی روح سلب کر

ڈالے گی۔

''آپ نے آخری بار ایزد کو کب دیکھا تھا؟ میرا کوئی بھائی بھی تھا، آپ نے کبھی ذکر نہ کر کے کتنی زیادتی کر ڈالی پپا۔''

لفظ ''تھا'' چونکانے کا باعث ٹھہرنا چاہتے تھا، مگر نہیں ٹھہرا، وہ پھر بھی نہیں چونکے۔

''ٹھیک سے یاد نہیں، وہ مجھ سے ناراض رہتا ہے، ملنا بھی اسے پسند نہیں۔'' سلیمان کے لہجے میں خفت لہرائی، قدر نے سرد آہ بھر لی تھی۔

''وہ ناراض ہی چلا گیا پپا...... آپ اسے منا ہی لیتے کاش۔'' اب کی مرتبہ سلیمان جیسے گہری نیند سے جاگے۔

''کہاں چلا گیا؟'' ان کا سوالیہ استعجابی انداز قدر کے ہونٹوں پہ حزن مسکان بکھیر گیا۔

''اس دنیا سے چلا گیا پپا۔'' قدر نے ہچکی بھری اور روتی چلی گئی اور سلیمان، سلیمان کو لگا تھا کسی نے اچانک پنجہ مار کر بہت بے دردی سے ان کا کلیجہ نوچ لیا ہو، صرف نوچا نہ ہو اسے بری طرح مسل بھی ڈالا ہو۔

''قدر......!'' ان کے لبوں سے کراہ نکلی اور درد کی صورت پورے وجود میں پھیل گئی تھی، وہ کھڑے نہیں رہ سکے تھے، بالکل ایسے ہی گھٹنوں کے بل گر گئے تھے، جیسے اب اس وقت ایزد کی قبر کے سرہانے گرنے کے انداز میں بیٹھ گئے تھے۔

''اتنی دبیز ناراضگی کہ ازالے کی بھی راہ نہیں چھوڑی بیٹے۔'' وہ سسک پڑے، اس کی قبر کی مٹی ہاتھ میں بھینچ کر سسک پڑے۔

وہ ان سے بھی بات نہیں کرتا تھا، بس شاکی نظروں سے انہیں دیکھتا اور ان کے سامنے سے ہٹ جایا کرتا، پھر اس نے ان کے سامنے آنا بھی چھوڑ دیا تھا، آخری بار جب وہ ان سے ملا اس نے کتنی تلخ بات کی تھی، مگر بہت بے بسی سے کی تھی۔

''آپ کا انتخاب بیٹی ہی کیوں ٹھہری؟ میں تو آپ کا کچھ لگتا ہی نہ تھا جیسے...... مجھے آپ نے کیا دیا؟ اپنے ہجر کی بھڑکتی آگ میں ہر پل جلتی ہوئی یہ عورت...... جو اس ایک لمحے کے فسوں سے باہر نہیں آئی جو کبھی آپ کو دیکھ کر مبہوت ہو گئی تھی، مجھے اس لئے بھی آپ سے نفرت ہے کہ آپ سفاک ہی نہیں اتنے خود پسند بھی ہیں کہ کسی کو بھی لمحوں میں اپنے فیصلے کی بھینٹ چڑھا ڈالتے ہیں اور پلٹ کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے اس پہ آخر کیا بیتی ہے، پچھتاوا ہمیشہ اس وقت ہی کیوں دل میں آ کر بستا ہے جب مداوے کا ازالے کا کوئی راستہ نہیں بچا رہتا پپا؟''

انہیں قدر کی بات یاد آئی جو اس نے ایئر پورٹ پہ ان سے رخصت ہوتے وقت حزیں لہجے میں پوچھی تھی، انہیں اس کا مایوسانہ لہجہ پسند نہیں آ سکا تھا۔

''راستے کبھی ختم نہیں ہوتے قدر، نہ ہی کبھی بند ہوتے ہیں، یاد رکھو چلنے والا تھک سکتا ہے مگر راستہ قائم رہتا ہے۔''

لیکن اب انہیں لگا تھا، ایزد نے واقعی یہ راستہ بند کر دیا تھا، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا تھا۔

☆☆☆

وہی موسم ہے
بارش کی نمی
پیڑوں میں چھن چھن کر کے گونجتی ہے
ہری شاخیں
پھولوں کے زیور پہن کر
تصور میں کسی کے مسکراتی ہیں
ہوا کی اوڑھنی کا رنگ
پھر ہلکا گلابی ہے
شناسا باغ کو جاتا ہوا خوشبو بھرا رستہ
طلوع ماہ کی ساعت تمہاری منتظر ہے

اس نے گہرا سانس بھرا اور اندر کا سارا دکھ باہر نکالنے کی سعی کی، مگر یہ ممکن نہیں تھا، یہ ممکن ہی نہیں سکتا تھا، انگلینڈ کے شہر برہنگم میں طلوع ہونے والا سورج اس دن صبح ہی سے ایسا دل گرفتہ جیسے کسی قبر میں غروب ہونے کا حکم ملا ہو، ہر طرف اندھیرا تھا۔

ہر طرف اداسی تھی
ہر طرف مایوسی تھی
ہر سو دل گرفتگی تھی

اس نے ہوا سے اڑتے بکھرتے پتے دیکھے اور دل میں گھر کرتی ویرانی کا نغمہ سننے لگی، روشنی کہاں تھی، روشنی اگر کہیں تھی تو اندھیرے کے اس پار کھڑی تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی، اپنے پیچھے آہٹ محسوس کر کے بھی اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا، یہاں تک کہ خولہ اس کے برابر آن کھڑی ہوئی۔

"آپ نے پپا سے شادی کیوں کی تھی اگر یہی کچھ کرنا تھا، مطلب سپریشن؟" قدر کو خواہ مخواہ غصہ آنے لگا، اس نے پلٹ کر خولہ کی طرف ملامتی انداز میں دیکھا تو اپنی نظروں کا سارا طیش الٹ دیا، خولہ نے جواب نہیں دیا، وہ بس روتی تھی اور چپ نہیں ہوتی تھی، قدر کو حیرانی ہوئی، پتا نہیں اتنا کیسے رو لیتی تھی، اس سے تو چند دن نہ رویا گیا، اس کے اعصاب جواب دینے لگے اس کے آنسو از خود ہی ختم ہو گئے تھے۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا کہ...... آپ نے مجھ سے ملنے کی خواہش بھی ظاہر کی ہو گی، آپ کسی انداز سے مجھے ایسا محسوس نہیں ہو سکا، یا پھر آپ کی خواہش ایزد کی طرح مجھے بھی یہاں دفن کر دینے کی ہے۔" اس کے اندر قہر و غضب ابھر رہا تھا، اس کا بس نہیں چل رہا تھا ڈالے۔

"تمہارا شوہر تمہیں اس سے محبت نہیں ہے؟" وہ بولی بھی تھی تو کیا، قدر کو چند لمحوں کے کچھ نہیں سوجھ سکا، ایسے سوال کی تو وہ اس سے توقع ہی نہ رکھتی تھی، جواب کیا دیتی بھلا۔

قرآن شریف کی آیات کا احترام کیجیے

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

"وہ جتنا بھی ناراض ہے تم سے...... مگر اسے بھی خود کو ٹوٹنے نہیں دینا۔" وہ بولی تو اس کی آواز بھیگی ہوئی تھی، سسکی کی مانند تھی، قدر کے دل سے جیسے اس بھی کام کرتا چھوڑ گئے، وہ یہ سوچ کر مضطرب ہوئی تھی کہ اتنے اندر کی باتیں اس تک کیونکر پہنچ گئیں۔

"اسے بھی خود سے دور نہ ہونے دینا، بچھڑنے نہ دینا۔" خولہ کی سرگوشی میں بات کر رہی تھی، قدر البتہ اس تحیر سے نکل آئی۔

"آپ کو کس نے کہا وہ مجھ سے ناراض ہے؟" قدر کو اس کے انداز سے وحشت ہونے لگی۔

"اگر وہ تم سے ناراض نہ ہوتا تو تم اکیلی یہاں نہ آتیں، میں نے کہا نا، تم خود کو ٹوٹنے نہ دینا، مرد کے پیچھے کوئی بھی فیصلہ کرنا بڑا آسان ہو جاتا ہے ہمیشہ...... مگر عورت ٹوٹ جاتی ہے۔" وہ ایسے دو ٹوک قطعی انداز میں بات کر رہی تھی اور بالکل درست کہتی تھی، سو اسے درست، قدر کا رنگ متغیر ہو گیا، چہرے پہ غضب چھا گیا، وہ خولہ کو چونکتی رہ گئی، جیسے بات دینے کی بات تھی۔

"اگر وہ ناراض نہ ہوتا تو تم یہاں اکیلی بھی نہ آتیں۔"

"یہ ٹھیک تھی یہ بھی نہ ہوتا، اگر یہ نہ ہوتا، یعنی وہ ناراض نہ ہوتا۔"

"تم سمجھتی ہو کہ تمہاری ناراضی میں سارا قصور میرا ہے؟ بلاشبہ یہی ہے، لیکن یہ تمہاری سیمابی ضد اور وہ محبت کی ضرورت تھی، تم جاننا چاہو تو وہ محبت کر رہی تھی۔" وہ خوب سمجھ رہی تھی، قدر کا سر خود بخود اثبات میں ہل گیا، وہ مختصر غم اس سے کہہ رہی تھی، جس بات سے ذرہ برابر بھی لگاؤ محسوس نہ ہوتا تھا، جس کے چہرے پر موجود تاریک سایوں کی اندرونی کیفیت کا غماز تھا، جسے کچھ بھی ذہن سے گئے وحشت و حشت کے باعث عورت نہ تھی، سوچنے کی مشقت میں نہیں پڑتا تھا، وہ تو جتنی ہی خوش میں تھی، ان لمحوں میں سے کہیں تھی جو سے محبوب کی خوشبو سے مہکا چکے تھے، دور کسی سے بھگو چکے تھے۔

(جاری ہے)

چھٹی قسط

تم میرے پاس رہو

درثمن بلال

عارفہ بیگم کو کینسر Diagnose ہوا تھا Chemotherapy کے استعمال سے انہیں اپنے وجود میں شدید نقاہت محسوس ہو رہی تھی، تھیراپی سے اگلے دن ماہین ان کے پاس موجود تھیں۔

''تمہیں اپنی بیماری کے بارے میں پری کو بتا دینا چاہیے۔'' ماہین نے عارفہ کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

''بتا دوں گی اسے۔'' عارفہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

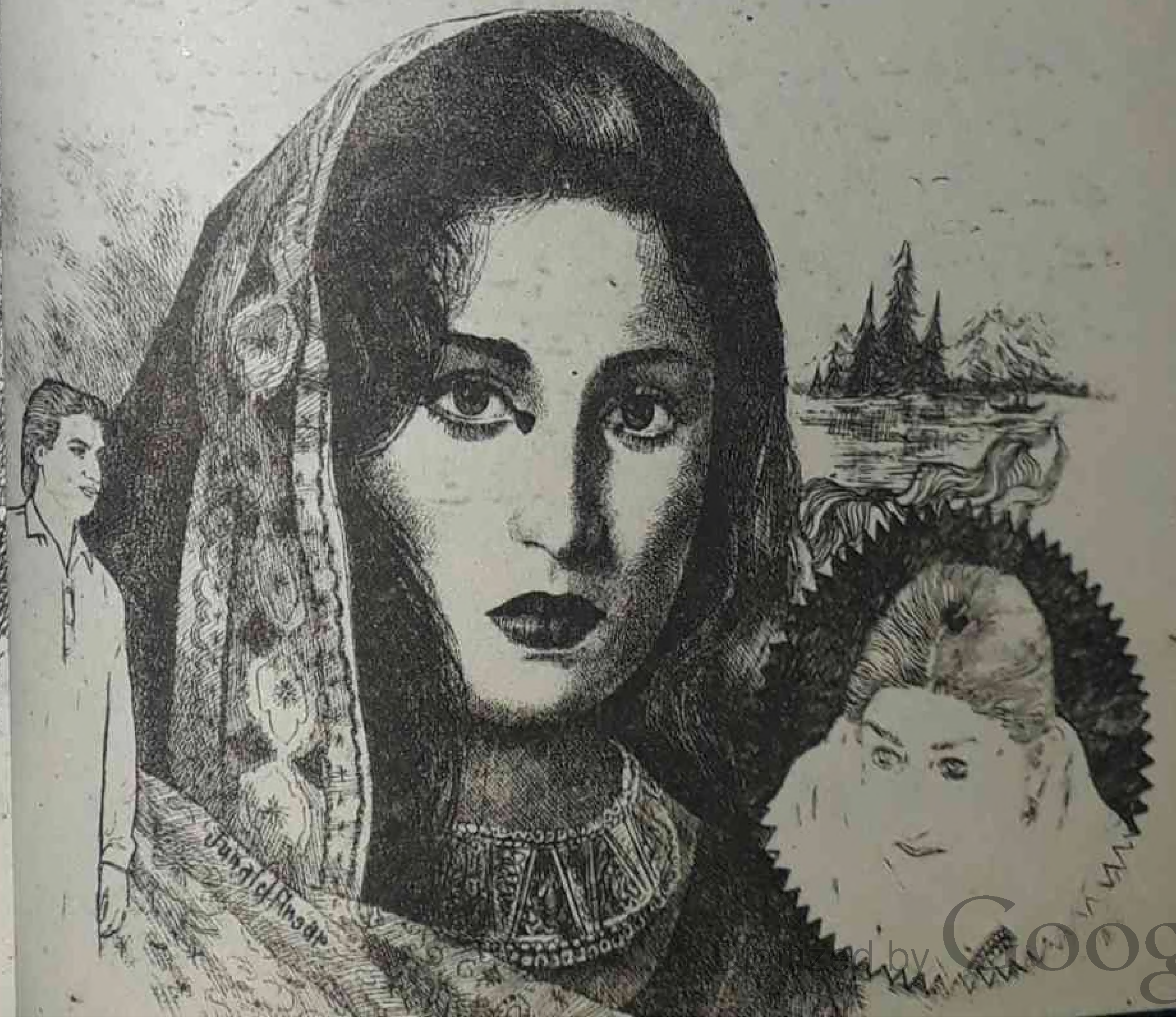
''میں بہت خوش ہوں اللہ نے تمہیں بی جان اور عرفان بھائی سے ملوا دیا، ہاں عارفہ بیس سال کے بعد اپنے پیارے رشتوں سے تعلق بحال ہو جانے پہ اپنے اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کروں وہ کم ہے، ورنہ ذوریز جیسے بے وفا شخص کی محبت ''ماتم'' بن کر ایک عزا دار کی طرح میرے سینے پہ سالوں سے برستی اور بین کر ... ہے، گزشتہ بیس سالوں میں ایک دن بھ... سکون محسوس نہیں ہوا، ذوریز کی بے وفا... ایک بھی دن کسی خوشی کا ہاتھ نہیں تھا... مجھے۔''

''گزرتے دنوں کی افسردگیوں اور... نے مسکراہٹ تک چھین لی میری۔'' ماہ... آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں، اس کے ... سب کچھ چھن جانے کا دکھ بول رہا تھا، ... اسے دیکھ کر مزید بے چین اور مضطرب... تھیں۔

''ذوریز بے وفا نہیں تھا ماہی؟'' ... کے بعد عارفہ بیگم گویا ہوئیں، ماہین نے ... آنکھوں سے عارفہ کو دیکھا، اس کی آنکھ... حیرت تھی۔

''یہ تم کہہ رہی ہو عارفہ؟'' ماہین کے...

مکمل ناول



اور آنکھوں میں حیرت کے ساتھ ساتھ بے یقینی عود آئی۔

''ہاں ماہی، یہ میں کہہ رہی ہوں۔'' نہایت شرمندگی سے عارفہ نے کہا تھا۔

''مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟'' ماہین الجھی۔

''لیکن مجھے یہ سمجھ آ گئی ہے کہ دوسروں کی خوشیوں، راحتوں اور سکون پہ قابض ہونے والے کبھی سکون نہیں پاتے وہ کبھی خوشیاں حاصل نہیں کر پاتے، زندگی انہیں ایسا ذلیل و خوار کرتی ہے کہ پھر ہم خود سے بھی نظریں نہیں ملا پاتے۔'' بولتے بولتے عارفہ بیگم رونے لگی تھیں۔

''عارفہ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ کیا کہہ رہی ہو تم۔'' ماہین نے بے چینی سے عارفہ کے ہاتھ تھامے۔

''میں تمہاری سب سے بڑی مجرم ہوں، مجھے معاف کر دو ماہی۔'' اب وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھیں۔

''عارفہ یہ کیا کر رہی ہو، تمہاری صحت کے لئے اچھا نہیں ہے یہ سب۔'' ماہین کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

''ذوریز بے وفا نہیں تھا، میں نے اس پہ جھوٹا الزام لگایا تھا، وہ تم سے سچی محبت کرتا تھا دل و جان سے تمہیں چاہتا تھا، عشق کرتا تھا تم سے، وہ بے وفا نہیں تھا ماہی، میں نے اسے تمہاری نظروں میں گرانے کے لئے، تم دونوں کی زندگی میں زہر گھولنے کے لئے اس پہ جھوٹا الزام لگایا، کہ اس نے مجھ سے زیادتی کی کوشش کی، حالانکہ ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔'' عارفہ روتے روتے ماہین کو بتا رہی تھی اور ماہین پھٹی پھٹی نگاہوں سے عارفہ کی سفاکی کی داستان سن رہی تھی اسے ایسا لگ رہا تھا کسی نے ساتویں آسمان سے اسے دھکا دیا ہو، عارفہ کا ایک ایک لفظ بیس سال ک... پھر سے اس کے لہو کا ایک ایک قطرہ نچوڑ رہا...

☆☆☆

''تمہیں اس منحوس پری سے شادی کر... نہیں چاہیے تھی۔'' سارہ بیگم اب بیٹے کو... رہی تھیں۔

''مام کتنی بار آپ کو بتاؤں کہ میں نے... سے شادی کی ہی اسے ''طلاق'' دینے ک... تھی۔'' سمیر سفاکی سے بولا۔

''مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آتا تم کیا کر... ہو؟'' سارہ بیگم جھنجھلائی تھیں۔

''میری پیاری اور بھولی مام، آپ... سمجھیں گی میں پری سے کتنا بھیانک اور... ناک انتقام لے رہا ہوں، اسے محبت ک... میں پھنسا کر ایسی مار ماروں گا کہ کہیں... دیکھانے کے قابل نہیں چھوڑوں گا اسے، اسے ایک بار طلاق ہوئی ہے، کل میں... انزک سے طلاق دلواؤں گا، پھر اس سے... کروں گا اور اسی رات اسے آپ کے ق... میں گرا کر پھر طلاق دوں گا اور دھکے مار کر... عارفہ کے گھر بھیجواؤں گا، پھر دیکھئے گا مام... نامی ناگن کو اس کی اکلوتی بیٹی کے ہاتھوں... خوار کرواؤں گا، ان ماں بیٹی کو ایسا روگ لگ... کہ زندگی بھر یاد رکھیں گی۔'' سمیر کی تنفر اور... میں ڈوبی باتیں سن کر دیوار کا سہارا لئے... پری کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا... ہر چیز گھومتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

''شاباش میرے بیٹے! اس کی ماں... گھر برباد کیا تھا تم اس کی بیٹی کا گھر بار... کر دو گے، آج مجھے ایسا لگ رہا ہے میر... ہوئے دل میں ٹھنڈ ڈال دی ہو تم نے... بے سکون دل کو قرار آ گیا ہو۔'' سارہ... سے نہال ہوئیں۔

''بس میری جان تم نے جو کرنا ہے اب ...جلدی کرو، میں جلد از جلد فلک کے ساتھ تمہارا ...گھر بسانا چاہتی ہوں، اپنے پوتے پوتیوں کی اس ...گھر میں چہکار سننا چاہتی ہوں۔'' سارہ بیگم نے ...اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

''مام آپ بے فکر ہو جایئے، سب کچھ بہت ...جلد ہو جائے گا، میں خود فلک کو پانے کے لئے ...بہت بے چین ہوں۔'' جواباً سمیر نے بے تابی ...سے کہا تھا۔

اس سے زیادہ وہاں کھڑا رہنے کی پری میں ...سکت تھی نہ ہمت، وہ اپنے کرچی بدن کو گھسیٹتی ...ہوئی گیٹ سے بمشکل باہر نکلی، جہاں انزک ...بائیک لئے پہلے سے اس کا منتظر کھڑا تھا، اس کے ...چہرے کی اڑی رنگت دیکھ کر وہ بے ساختہ اس ...کے قریب آیا۔

''کیا ہوا پری، آپ ٹھیک تو ہیں؟'' وہ اس ...کی پیلی پڑتی رنگت دیکھ کر پریشان ہوا۔

''جتنی جلدی ہو سکے مجھے یہاں سے لے ...جاؤ۔'' وہ رندھی ہوئی آواز میں بمشکل بولی۔

''پری کچھ بتائیں تو سہی؟ سب خیر تو ہے؟ ...کیا ہوا ہے آپ کو؟'' وہ پری کی حالت دیکھ کر ...سخت پریشان ہو رہا تھا۔

''کچھ مت پوچھو انزک بس مجھے یہاں ...سے لے جاؤ ورنہ میں یہیں گر کر مر جاؤں گی۔'' ...وہ روتے ہوئے بولی تو انزک خاموشی سے ...بائیک اسٹارٹ کرنے لگا وہ پھر بائیک پہ کیسے بیٹھی ...تھی؟ اسے کچھ خبر نہ تھی اس کا وجود سوکھے پتے کی ...طرح لرز رہا تھا اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے ...جسم سے کسی نے جان نکال لی ہو، پری نے اپنے ...بکھراتے ہوئے سر کو اس کے کندھے پہ ٹکا لیا تھا ...اس کی آنکھوں سے مسلسل گرم سیال بہہ رہا تھا، جو انزک آفاق کی شرٹ بھگو رہا تھا، اس کے آنسو، بائیک چلاتے انزک کے دل پہ گر رہے تھے۔

☆☆☆

اک مدت کی خاموشی عارفہ بیگم کے لبوں پر لرز رہی تھی، سو آج انہوں نے وہ خاموشی توڑ ڈالی تھی، لیکن ان کی ٹوٹی خاموشی نے ماہین کو پاتال میں لا پھینکا تھا۔

''کیوں کیا تم نے میرے ساتھ ایسا؟ کیا بگاڑا تھا میں نے تمہارا؟ اندر کی کراہ ایک جان لیوا شکوہ بن کر ماہین کے لبوں سے آزاد ہوئی تھی، یونیورسٹی میں اسے پہلی بار دیکھ کر دل اس کی ''تمنا'' کر بیٹھا تھا، لیکن اسے تمہاری طرف مائل دیکھ کر میں نے اپنی تمنا کو ایک نہ پورے ہونے والے خواب میں دفن کر دیا تھا ویسے بھی وہ ایک غریب شخص تھا، سوائے محبت کے اور اس کے پاس دینے کو کچھ نہ تھا، وہ میری منزل نہیں تھا مجھے محبت کے ساتھ دنیا کی ہر آسائش چاہیے تھی سو تمہارے راستے سے ہٹ جانا مشکل نہ لگا اور وہ میرے دل کے کسی پوشیدہ خانے میں ایک راز بن کر دفن ہو گیا اور پھر دوران تعلیم ہی میری ملاقات سہیل سے ہوئی اور آناً فاناً میں نے اس سے شادی کا فیصلہ کر لیا یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ پہلے سے شادی شدہ تھا اور تین بچوں کا باپ تھا، اس کے پاس اتنی دولت تھی کہ اس نے دنیا کی ہر آسائش مجھے دے ڈالی لیکن کبھی مجھے مکمل ''محبت'' نہ دے سکا، وہ ایک مٹا ہوا شخص تھا جس کے پیر اپنی خاندانی بیوی اور تین بچوں کی محبت سے بندھے ہوئے تھے سو میرے اندر بنجر پن کا دکھ کبھی مجھے خوشیاں نہ دے سکا، یوں پری کی ذات بھی میرے اور سہیل کے بیچ اس خلا کو کم نہ کر سکی، اس دوران تم بھی اپنے گھر والوں کی شدید مخالفت کے باوجود ذوریز سے نکاح کر چکی تھی، تمہارے

گھر والوں نے تم سے ہر طرح کا تعلق واسطہ توڑ لیا تھا اور میں حیران تھی کہ تم دنیا کی ہر آسائش اور نعمتوں کے بغیر کیسے ایک غریب شخص کے ساتھ رہتی تھی؟ بہرحال پانچ سال کے بعد سہیل اور میں اپنے تھکے اور اکتائے ہوئے رشتے سے آزاد ہو گئے، طلاق لینے کے باوجود مجھے سہیل کی طرف سے اچھی خاصی دولت حاصل ہوئی، ان دنوں مجھ پہ عجب قنوطیت طاری تھی کہیں سکون نہ مل رہا تھا، ایک دن میری ملاقات دو سال کے بعد تم سے ہوئی اور میں تمہیں دیکھ کر حیران رہ گئی۔'' بولتے بولتے عارفہ بیگم کی آنکھوں کے پردوں پہ اس ملاقات کے عکس دیکھائی دینے لگے، ان کی نظریں اب کسی غیر مرائی نقطے پہ مرکوز تھیں۔

وقت ان کی انگلی تھامے انہیں اٹھارہ سال پیچھے لے گیا تھا، ان کے سامنے بیٹھی گم صم سی ماہین کی آنکھوں میں بھی اس ملاقات کا عکس جاگنے لگا تھا۔

☆☆☆

ماہین اور ذوریز ایک سوپر اسٹور میں گھر کی کچھ اشیاء خرید رہے تھے جب عارفہ نے اسے دیکھا تھا، عام سا لان کا سوٹ پہنے سر پہ دوپٹہ لئے بالکل سادہ اور عام سے حلیے میں۔

''ماہین یہ تم ہو؟'' وہ آنکھوں میں حیرت سموئے ماہین کے گلے آ لگی۔

''کیسی ہو عارفہ؟ کچھ دنوں سے تم مجھے بہت یاد آ رہی تھی۔''

ماہین بھی اپنی عزیز دوست عارفہ کو دیکھ کر کھل اٹھی تھی۔

''بس پھر دیکھ لو، دل سے دل کو راہ ہوتی ہے اور اللہ نے آج ملا دیا۔'' عارفہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''ہاں یہ تو ہے۔'' ماہین بھی مسکرائی۔

''ہائے داوے کہاں ہیں تمہارے شوہر نامدار؟'' عارفہ نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی، تھوڑے ہی فاصلے پہ ذوریز ایک پیاری سی بچی کو گود میں اٹھائے اسے کچھ کھلونے دیکھا رہا تھا۔

''وہ رہے ذوریز اور انوش۔'' ماہین کی نظروں میں ذوریز اور انوش کے لئے دنیا جہان کی محبت کے عکس جاگ اٹھے۔

''ارے واہ نیا آڈیشن؟ بتایا ہی نہیں تم نے؟'' عارفہ پرجوش انداز میں بولی تو ماہین مسکرا دی۔

''تم سے رابطہ ہوتا تو تمہیں بتاتی ناں، میں نے سنا تھا تم دوبئی چلی گئی ہو؟'' ماہین کے استفسار پہ عارفہ نے ایک طویل سانس لیا۔

''ہاں کچھ عرصہ رہی ہوں دوبئی میں، سہیل اور میرے بیچ جب طلاق ہوئی تو میں واپس آ گئی۔'' نارمل سے انداز میں عارفہ نے بتایا تھا۔

''اونو...... کب ہوا یہ؟'' وہ پریشانی سے پوچھنے لگی۔

''لمبی کہانی ہے بتاؤں گی لیکن پھر کبھی۔'' عارفہ نے مسکراتے ہوئے ٹالا۔

''لو بھئی پکڑو اب انوش کو، میں ذرہ بل۔ کر دوں۔'' ذوریز انوش کو لئے ان دونوں کے قریب آیا۔

''ارے کیا سرپرائز ہے کہاں ہوتی ہیں محترمہ؟'' ذوریز نہایت خوشگوار حیرت سے عارفہ کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''اور سہیل کہاں ہے؟ وہ تمہارے ساتھ نہیں آ رہا؟'' ذوریز نے پوچھا۔

''سب کچھ بتاؤں گی، لیکن اس کے لئے تمہیں اپنے گھر میں مجھے انوائٹ کرنا ہوگا۔'' عارفہ ہمیشہ کی طرح کھلکھلاتے ہوئے بولی۔

''ارے انوائیٹ تو غیروں کو کیا جاتا ہے

تمہارا اپنا گھر ہے جب دل چاہے آ جاؤ۔'' ذوریز نے کھلے دل سے عارفہ کو دعوت دی۔

''بلکہ تم کل ہی کیوں نہیں آ جاتیں؟ ویک اینڈ ہے خوب انجوائے کریں گے؟ کیا خیال ہے ماہین؟'' ذوریز نے باری باری عارفہ اور ماہین کو دیکھا اور پھر ماہین سے پوچھا۔

''خیال بہت اچھا ہے بشرطیہ کہ محترمہ ہمارے غریب خانے کو رونق بخشنے کے لئے تیار ہوں۔'' ماہین مسکرائی۔

''ارے کیوں شرمندہ کرتی ہو ماہین، میں کل آ جاؤں گی ڈونٹ وری۔'' عارفہ نے مسکراتے ہوئے ہامی بھری۔

☆☆☆

دوسرے دن عارفہ ایک چھوٹے سے دو کمروں پہ مشتمل فلیٹ میں موجود تھی جہاں ذوریز اور ماہین کی محبت ایک خوشبو کی طرح ہر سو پھیلی ہوئی تھی، کھانے پہ ماہین نے اچھا خاصا اہتمام کر رکھا تھا۔

''ماہی تم تو بہت اچھا کھانا بنانے لگی ہو، شادی سے پہلے تو چائے کا کپ تک نہیں بنانا آتا تھا تمہیں؟'' عارفہ نے دوسری بار اپنی پلیٹ میں بریانی ڈالتے ہوئے کہا۔

''یہ سب ذوریز کی محبت کا کمال ہے اس کی محبت نے مجھے سگھڑ بنا دیا ہے۔'' ماہین نے محبت پاش نظروں سے اپنے ساتھ بیٹھے ذوریز کو دیکھا اور مسکرا دی۔

''محبت میں سگھڑ ہونا پہلی بار دیکھا ہے میں نے۔'' عارفہ نے شامی کباب اپنی پلیٹ میں رکھا۔

''جہاں محبت ہو وہاں ایسے چھوٹے موٹے انقلاب آتے رہتے ہیں۔'' ذوریز نے ماہین کے ہاتھ پہ محبت سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو عارفہ کے دل میں جیسے کوئی کانٹا سا چبھ گیا ہو

محبت کے دعوے تو سہیل نے بھی اس سے بہت کیے تھے لیکن ان میں سے ایک بھی وعدہ سہیل نے وفا نہ کیا تھا۔

اسی اثناء میں کمرے میں سوئی ہوئی انوش کے رونے کی آواز آئی تھی اور اس سے پہلے کہ ماہین اٹھتی ذوریز اس کے اٹھنے سے پہلے ہی چیئر سے اٹھ گیا۔

''ماہی تم عارفہ کو کمپنی دو میں انوش کو دیکھتا ہوں۔'' وہ کہہ کر کمرے میں چلا گیا تھا۔

''ماہی ویسے میں حیران ہوں کہ تم اس ڈربے میں کیسے رہ رہی ہو؟ عیش و عشرت میں پلنے والی لڑکی جس کے ناز نخرے اٹھائے گئے ہوں جو سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوئی ہو اس لڑکی کے لئے یہ دو کمروں کا گھر، بغیر کسی میڈ کے رہنا کھانا بنانا، بچے کو سنبھالنا بہت مشکل ہوتا ہے، یہ سب تمہارا Calibre نہیں ہے، تم یہ سب Deserve نہیں کرتی ہو، محل میں رہنے والی شہزادی جھونپڑی میں نہیں رہ سکتی ماہی، تم کیسے رہ رہی ہو یہاں؟'' عارفہ کے اندر کا حسد اس کی زبان پہ آ گیا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے عارفہ، تم جسے ڈربہ کہہ رہی ہو یہ گھر میرے لئے کسی جنت سے کم نہیں ہے یہاں میرے ذوریز کی محبت ایک روشنی بن کر میرے گھر میں اجالا کیے رکھتی ہے، اس کی محبت میرے چار سو ایک خوشبو بن کر پھیلی رہتی ہے میرے ایک ایک پل کی راہ میں اس کی محبت اقرار بن کر میرا دامن پکڑے رکھتی ہے، تم نہیں جانتیں عارفہ، سچے جذبوں سے گندھی سچی محبت میں کتنی شدت پوشیدہ ہوتی ہے یہ کیسے ایک جیتے جاگتے انسان کو سحر انگیز خوابوں میں دھکیل دیتی

ہے، تمہیں نہیں معلوم عارفہ پاکیزہ اور سچے جذبوں میں ملنے والی خوشیوں کا تعلق آسائشات سے نہیں ہوتا، ساری دنیا سے لڑ کر عشق کی جنگ جیتنے والا دل گونگا، بہرا اور اندھا ہو جاتا ہے، پھر عیش و عشرت نہیں دیکھتا، گرمی سردی کے کرب نہیں سہتا، میں بھی ذوریز کی محبت میں گونگی، بہری اور اندھی ہو گئی ہوں، مجھے اس کی محبت کے آگے کچھ نظر نہیں آتا عارفہ۔'' ماہین کے لہجے میں ساری دنیا کی خوشیاں برس رہی تھیں، اس کا چہرہ محبت کی روشنی سے منور تھا اور اس کی آنکھوں میں ذوریز کا عکس جھلملا رہا تھا۔

اور اس کے سامنے بیٹھی عارفہ ایک بے جان پتھر کی طرح گویا وقت کی راہوں میں پڑی تھی، ایک جلن تھی ایک گلٹ تھا جو اس کے اندر دھواں بھر رہا تھا، حسد کی آگ اس کے آس پاس جلنے لگی تھی، اسے ماہین کی خوشیاں، ڈسنے لگے تھیں، اس کا مسکراتا چہرہ عارفہ کو بھیانک لگنے لگا تھا، اس کی محرومی، اس کے اندر سوگ منا رہی تھی، دل کے کسی کونے میں ایسی ہی بے لوث اور سچی محبت پانے کی ایک کمینی اور خود غرضی خواہش جاگنے لگی تھی، اس کے بعد عارفہ کے پاس کہنے کو کچھ نہ رہا تھا اور پھر کھانا کھانے کے بعد وہ کوئی بہانہ بنا کر جلد ہی وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

ماہین کا خوشیوں سے منور چہرہ عارفہ کو بے چین کر رہا تھا، اس کے اندر کا اضطراب بڑھ گیا تھا۔

☆☆☆

ماہین کچن سمیٹ کر کمرے میں آئی تو ذوریز بیڈ پہ چت لیٹا تھا اس کے ساتھ ہی ننھی انوش سو رہی تھی ماہین کو دیکھ کر ذوریز اٹھ کر بیٹھ گیا تھا، وہ اس کے مقابل اس کے پاس بیٹھ گئی۔

''میں نے تمہارے ساتھ بہت ظلم کیا ہے ماہی، مجھے معاف کر دینا، یہ گھر تمہارا معیار ہرگز نہ تھا، سارا دن کاموں میں جتی رہتی ہو، باخدا میں نہیں چاہتا کہ تم یہ سب کچھ کرو، میں تمہیں شہزادیوں کی طرح رکھنا چاہتا ہوں، میرے بس میں ہو تو میں اپنی جان، اپنی زندگی ماہی کے آگے دنیا کی ہر خوشی راحت اور آسائشوں کے ڈھیر لگا دوں، لیکن کیا کروں؟ ابھی بے بس ہوں مجبور ہوں کسی Mill owner یا land lord کی اولاد ہوتا تو زندگی مجھے یوں چکرا کر نہ رکھتی۔'' وہ اس کے ہاتھ تھامے سر جھکائے شرمندگی سے بول رہا تھا اور وہ اپنی محبت ''ذوریز آفندی'' کو روشن نظروں سے تک رہی تھی۔

''ذوریز عشق جب کسی دیوانے کے دل پہ راج کر رہا ہو تو آسائشات وقت کی دھڑکن پہ پاؤں رکھ کر خواہشات کا گلا بہت خوشی سے گھونٹ دیتی ہیں، جس نے بھی خوشی خوشی سب چھوڑا ہے، تمہاری محبت کے آگے سب کچھ بے معنی ہے اس لئے ایسی باتیں مت کیا کرو۔'' ماہین نے محبت سے اس کے بال سنوارتے ہوئے مسکرا کر کہا تو وہ اپنی شرمندگی کو محبت تلے دفن کیے اسے دیکھنے لگا، جانے وہ اس کی زندگی میں کسی نیکی کا صلہ ثابت ہوئی تھی، ذوریز نے محبت سے اس کے ہاتھ تھام لئے تھے اور پھر ایسا اکثر ہی ہونے لگا تھا، عارفہ تیسرے چوتھے دن کسی نہ کسی کام یا بہانے سے ان کے گھر آنے لگی تھی اور وہ باتوں باتوں میں ماہین کو اس کی بے چارگی کا احساس دلاتی رہتی، لیکن ماہین اس کی ایسی باتوں پہ توجہ نہیں دیتی تھی۔

ان دنوں ذوریز کسی اچھی نوکری کی تلاش میں تھا، گھر کے اخراجات پورے نہ ہو رہے تھے، زندگی اپنے ہی انداز سے دکھ دے رہی تھی، عارفہ اس بار ان کے گھر آئی تو ماہین اور ذوریز

کے چہروں پہ کرب کی تحریریں صاف درج نظر آئیں۔

''ذوریز آج تم جاب پہ نہیں گئے؟'' عارفہ دن میں ان کے گھر آئی تھی اور اسے گھر میں مرجھائے حلیے میں دیکھ کر حیرت سے بولی۔

''نہیں، وہ جاب ختم ہو گئی ہے۔'' سنجیدگی سے جواب دیا گیا تھا۔

''اوہ ویری سیڈ۔'' عارفہ نے افسوس کا اظہار کیا۔

''دعا کرو عارفہ ذوریز کو جلد کوئی اچھی سی جاب مل جائے۔'' ماہین نے متفکر سے انداز میں کہا۔

''جاب کب ختم ہوئی ہے ذوریز کی؟'' عارفہ نے پوچھا۔

''آج پندرہ دن ہو گئے ہیں۔'' ہنوز متفکر انداز میں ماہین نے بتایا۔

''پندرہ دن ہو گئے اور تم دونوں نے مجھے بتایا تک نہیں؟ ویسے حد ہے بے اعتنائی کی، تم دونوں نے تو مجھے پرایا کر دیا ہے۔'' عارفہ خفا ہوئی۔

''نہیں عارفہ ایسی بات نہیں ہے، وہ دراصل ہم اتنے پریشان تھے کہ......'' ماہین شرمندہ ہوئی۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے تم دونوں کو میرے ہوتے ہوئے پریشان ہونے کی، تم دونوں اپنا سامان پیک کرو اور چلو میرے گھر، اتنے بڑے گھر میں سارا دن اکیلی ہوتی ہوں میں، تم دونوں سے میرا بھی دل بہل جائے گا اور میرے گھر میں رونق ہو جائے گی اور رہی بات جاب کی تو اس لئے بھی فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، ذوریز تم میرے ساتھ میری کمپنی کیوں جوائن نہیں کر لیتے؟ میری کمپنی کو تم جیسے پڑھے لکھے ایماندار ورکرز کی اشد ضرورت ہے۔'' عارفہ نے نہایت خوشدلی سے ذوریز کو آفر کی، ذوریز نے شش و پنج میں ماہین کی طرف دیکھا، لیکن عارفہ کی پیشکش سے ماہین کا مرجھایا چہرہ کھل اٹھا تھا، اس کی بجھی آنکھیں روشن ہو گئی تھیں۔

''میرے خیال میں یہ مناسب نہیں ہو گا۔'' ذوریز نے توقف سے بعد کہا۔

''ارے کیوں مناسب نہیں ہو گا؟'' عارفہ نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

''ذوریز میرے خیال میں اس سے بہترین آفر تو کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔'' ماہین نے مداخلت کرتے ہوئے ذوریز سے کہا۔

''مجھے اچھا نہیں لگے گا دوستی کے نام پہ عارفہ سے یہ Advantage لینا۔'' ذوریز اب بھی شش و پنج میں مبتلا تھا۔

''کمال کرتے ہو ذوریز، اس میں Advantage لینے والی بھلا کیا بات ہوئی؟ تم میری کمپنی میں جاب کرو گے، محنت کرو گے، ہم تمہیں اس کا معاوضہ ادا کریں گے دیٹس اٹ۔'' عارفہ کی بات پہ ماہین نے بھی تائیدی انداز میں کہا۔

''ذوریز، عارفہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے، تمہیں یہ آفر فوراً Axcept کر لینی چاہیے۔'' ذوریز ماہین کے اصرار پہ چپ ہو گیا تھا گویا ہتھیار پھینک دیئے ہوں اور پھر ذوریز نے ماہین کے کہنے پہ عارفہ کی کمپنی جوائن کر لی تھی لیکن ماہین اور ذوریز عارفہ کے بے حد اصرار کے باوجود اس کے گھر میں شفٹ نہیں ہوئے تھے، سو عارفہ نے اپنا ایک اپارٹمنٹ انہیں فوری طور پہ رہائش کے لئے دے دیا تھا، جو ذوریز اس شرط پہ لیا تھا کہ وہ ہر مہینے تنخواہ میں سے اس اپارٹمنٹ کا کرایہ ادا کرے گا۔

زندگی کی گاڑی اب بخوبی چلنے لگی تھی آدھے سے زیادہ مسائل اس نوکری نے حل کر دیئے تھے۔

☆☆☆

وہ عموماً رات سات بجے تک گھر آجایا کرتا تھا لیکن اب دس بج رہے تھے انوش کو سلانے کے بعد وہ بے چینی سے ذوریز کا انتظار کرنے لگی، بالآخر ساڑھے دس بجے باہر گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔

ماہین نے بے اختیار کھڑکی کا پردہ ہٹا کر دیکھا، عارفہ گاڑی میں بیٹھی تھی اور یقیناً ذوریز کو ڈراپ کرنے آئی تھی، دفعتاً وہ پردہ چھوڑ کر دروازے کی طرف بڑھی۔

"السلام علیکم!" ذوریز نے اندر آتے ہی خوشدلی سے اسے دیکھ کر سلام کیا۔

"وعلیکم السلام، آج آنے میں اتنی دیر لگا دی؟" وہ فکرمندی سے بولتی دروازہ بند کرکے اس کے پیچھے آئی، تب تک وہ لاؤنج کے صوفے پہ بیٹھ چکا تھا۔

عارفہ نے اچانک ہی میٹنگ رکھ دی تھی، کچھ دن تک ایک فارن ڈیلی گیشن آنے والا ہے، اس حوالے سے وہ اپنے Employer سے مختلف آئیڈیاز Discuss کرتی رہی، میٹنگ ختم ہوئی تو عارفہ بے حد اصرار پہ مجھے ڈنر کے لئے ساتھ لے گئی۔

ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے ذوریز نے اپنا سر صوفے کی پشت سے ٹکا لیا تھا۔

"اور میں جو اب تک تمہارے انتظار میں بھوکی بیٹھی ہوں؟" اس نے خفگی سے ذوریز کو دیکھا۔

"سوری میری جان، میں نے عارفہ کو بہت انکار کیا تھا لیکن اس نے میری ایک نہیں سنی۔" اس نے یونہی ٹیک لگائے ماہین کی طرف دیکھا۔

"آج معاف کر رہی ہوں لیکن آئندہ نہیں کروں گی۔" وہ نروٹھے انداز میں بولی تو ذوریز مسکراتے ہوئے سیدھا ہو کر بیٹھا۔

"میں چینج کرکے ابھی آیا، تم تب تک کھانا لگاؤ آج میں سزا کے طور پہ تمہیں اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلاؤں گا۔" ذوریز مسکراتے ہوئے صوفے سے اٹھا اور اس کے گال تھپکا کر بیڈروم کی طرف بڑھ گیا، وہ بھی لفظ سزا پہ مسکراتی کچن کی طرف چلی گئی تھی۔

صبح آفس کے لئے تیار ہونے کے بعد وہ کچن میں آیا تو ماہین کچن میں اس کے لئے ناشتہ بنا رہی تھی۔

"گڈ مارننگ۔" ذوریز نے اس کے قریب آتے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھے۔

"وری گڈ مارننگ۔" وہ مسکرائی۔

"ناشتے میں کتنی دیر ہے جان ذوریز؟" اس نے محبت بھرے لہجے میں پوچھا تو ماہین مسکرا دی۔

"بس دو منٹ۔" ماہین نے ساس پین سے چائے کپوں میں انڈیلی، اسی دوران انوش کے رونے کی آواز سنائی دی۔

"تم ناشتہ لگاؤ میں انوش کو لے کر ابھی آیا۔" ذوریز کچن سے نکل گیا اور پھر جب تک ماہین نے ٹیبل پہ ناشتہ لگایا، ذوریز بھی انوش کو اٹھائے کچن میں آیا۔

"لاؤ میں اسے سنبھالتی ہوں، تم ناشتہ کرو۔" ماہین نے ذوریز سے انوش کو لیا۔

"میرے ساتھ بیٹھو اور میرے ساتھ ناشتہ کرو۔" ذوریز نے اس کے لئے چیئر نکالی۔

"میں بعد میں کرلوں گی ورنہ انوش تنگ کرے گی۔" وہ اسے کندھے سے لگاتی بولی۔

"کم آن یار یہاں آؤ۔" ذوریز کے اصرار پہ وہ اس کے برابر چیئر پہ بیٹھ گئی۔

"لو کھاؤ یہ۔" ذوریز نے لقمہ بنا کر ماہین کے لبوں کے قریب کیا۔

"تمہیں آفس سے دیر ہو جائے گی۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"ہوتی ہے تو ہو جائے دیر، میں نے اب تمہیں نہ کھلایا تو تم سارا دن بھوکی رہو گی۔" وہ فکر مندی سے بولا، تو اس کی محبت ماہین کی آنکھیں میں پانی بن کر جھلملا گئی۔

"تمہاری محبت نے جو غرور مجھے عطا کیا ہے وہ آج تک دنیا کی کوئی چیز مجھے نہیں عطا کر پائی، کبھی کبھی تو ذوریز مجھے اپنی ہی خوش نصیبی پہ رشک آنے لگتا ہے۔" وہ جذب سے اسے دیکھتے ہوئے بولی، تو وہ مسکرا دیا۔

"محبت کا چہرہ اگر تم جیسا پاکیزہ ہو تو کون کافر اپنا سب کچھ وارنے پہ تیار نہ ہوگا؟" ذوریز نے محبت بھری شرارت سے اسے دیکھا تھا اور ماہین کو بلاشبہ وہ دنیا کا سب سے خوبصورت باوفا اور باکردار مرد لگا جو اللہ نے صرف اس کے لئے چنا تھا خود پہ ناز کیوں نہ کرتی؟ ابھی وہ ناشتے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ ڈور بیل نے انہیں چونکا دیا۔

"میں دیکھتا ہوں۔" ذوریز نے اٹھ کر دروازہ کھولا، تو بنی سنوری عارفہ اندر داخل ہوئی۔

"عارفہ تم یہاں؟ خیریت تو ہے اس وقت؟" ذوریز حیران ہوا۔

"کیوں اس وقت تمہارے گھر میں آنا منع ہے کیا؟" وہ بے تکلفی سے آگے بڑھ آئی۔

"نہیں میرا وہ مطلب نہیں تھا۔" وہ شرمندہ ہوا، اسی دوران ماہین بھی انوش کو گود میں لئے لاؤنج میں آئی۔

"کیسی ہو ماہی؟" عارفہ ماہین کے گلے لگتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"بالکل ٹھیک۔"

"وری گڈ۔"

"خیریت تم اتنی صبح یہاں کیسے؟" ماہی نے پوچھا۔

"تمہارے شوہر نامدار کو پک کرنے آئی ہوں۔" عارفہ نے انوش کو پیار کیا۔

"لیکن کیوں؟" ذوریز حیران ہوا۔

"تم نے اپنے بائیک کی حالت دیکھی ہے؟ کس قدر کھٹارا ہے شرمندگی ہوتی ہے مجھے جب تم اپنے کھٹارا بائیک سے اترتے ہو۔" عارفہ نے برملا اظہار کیا۔

"کچھ عرصے کے بعد میں چینج کرلوں گا بائیک۔" ذوریز نے وضاحت دی۔

"جب چینج کرو گے تو دیکھی جائے گی، فی الحال میں گاڑی میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں، آج کے بعد تم اس بائیک پہ آفس نہیں آؤ گے۔" وہ گویا حکم دے کر جس تیزی سے آئی تھی اسی تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔

"عجیب بے تکی فرمائش ہے۔" ذوریز جھنجھلایا تھا۔

"تمہارے بھلے کے لئے ہی تو کہہ رہی ہے عارفہ۔" ماہین نے عارفہ کی حمایت کی۔

"مجھے نہیں چاہیے ایسا بھلا، میں تو یہ نوکری ہی نہیں کرنا چاہتا تھا صرف اور صرف تمہارے کہنے پہ میں نے ہاں کی۔" ذوریز کو عارفہ پہ غصہ آ رہا تھا۔

"کم آن ذوریز، عارفہ کی نیکی پہ پانی تو نہ پھیرو، اس نے اس وقت ہمارا ساتھ دیا جن دنوں فاقے ہو رہے تھے ہمارے گھر۔" ماہین نے اسے سرزنش کرتے ہوئے کہا تو وہ خاموش ہو

گیا۔
''اوکے میں چلتا ہوں، اپنا اور انوش کا خیال رکھنا۔'' وہ دروازے کی جانب بڑھا۔
''اور ہاں۔'' وہ جاتے جاتے رکا۔
''رات کھانا مت بنانا، ہم ڈنر باہر کریں گے۔'' ذوریز اسے تنبیہ کرنے کے بعد باہر نکل گیا تھا۔

☆☆☆

موسم بدل رہا تھا سرد ہوا کے جھونکے شروع ہوئے تو انوش بھی بدلتے موسم کی زد میں آئی اور بیمار پڑ گئی، بخار کی وجہ سے وہ بہت ویک اور چڑچڑی ہوگئی تھی، ایک تو پہلا بچہ اور پھر گھر میں سارا دن اکیلے پن سے ماہین گھبرا جاتی، ایسے میں پڑوس کی خالہ زبیدہ، ماہین کے لئے کسی نعمت سے کم نہ تھیں، خالہ زبیدہ ساٹھ سالہ نہایت خوش اخلاق سمجھدار اور جہاندیدہ خاتون تھیں، ان کے دو ہی بیٹے تھے جو اپنے بیوی بچوں کے ساتھ امریکہ میں مقیم تھے، خالہ زبیدہ سال میں ایک چکر لگا آتیں لیکن اپنے ملک اور گھر کو مستقل چھوڑنے کو تیار نہ ہوتیں سو تنہائی سے وہ خود بھی گھبرا کر ماہین کے گھر آ جایا کرتی تھیں، بیٹھے بیٹھے ماہین کو سبزی بنا دیتیں، انوش تنگ کرتی تو اسے اٹھا لیتیں، وہ روتی تو مختلف قرآنی آیات پڑھ کر انوش پہ پھونک مار دیتی۔
ماہین کا دل لگ جاتا تھا زبیدہ خالہ کی سنگت میں، آج بھی خالہ زبیدہ کافی دیر اس کے پاس بیٹھی رہی تھیں۔
''اچھا بھئی ماہین میں اب چلتی ہوں، عشاء کی نماز پڑھوں جا کر۔'' خالہ زبیدہ صوفے سے اٹھیں۔
''ارے خالہ کھانا کھا کر جائیے گا، بیٹھیے میں یوں نہیں جانے دوں گی آپ کو۔'' ماہین نے لگاوٹ سے کہا تو وہ مسکرائیں۔
''جیتے رہو میری بچی اللہ دنیا اور آخرت کی ہر خوشی نصیب فرمائے تمہیں، ایک ہی بات ہے کھانا یہاں کھاؤں یا اپنے گھر، فی الحال مجھے بھوک نہیں ہے، ابھی جا کر عشاء کی نماز پڑھوں گی، پھر اسلم کی (بیٹے کی) امریکہ سے کال آ جائے گی، گھنٹہ وہ بات کرے گا۔'' خالہ زبیدہ نے مسکراتے ہوئے تفصیل بتائی۔
''آپ کے آنے سے میرے گھر میں رونق ہو جاتی ہے خالہ آپ روز آیا کریں میری طرف۔'' ماہین نے محبت سے ان کے ہاتھ تھامے۔
''سدا سہاگن رہو میری بچی، تم پریشان مت ہوا کرو، میں اب روز چکر لگایا کروں گی تمہاری طرف۔'' خالہ زبیدہ نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔
''ارے ہاں یاد آیا۔'' وہ جاتے جاتے رک گئیں۔
''ماہین میری بچی، میں صبح اکثر دیکھتی ہوں ذوریز بیٹا ایک لڑکی کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر جاتا ہے، کون ہے وہ لڑکی؟'' خالہ زبیدہ کے تجسس بھرے انداز پہ ماہین مسکرا دی۔
''خالہ وہ دوست ہے میری، اس کی کمپنی میں ذوریز جاب کرتے ہیں، بائیک خراب ہے نا ذوریز کی اس لئے پک اینڈ ڈراپ عارفہ ہی کرتی ہے ذوریز کو۔'' ماہین نے عام سے لہجے میں پوری بات بتائی تو خالہ زبیدہ مطمئن ہونے کی بجائے متفکر ہوگئیں۔
''بیٹا ذوریز سے کہو جلد اپنی سواری ٹھیک کروائے یوں جوان جہان خوبصورت اور بے باک سی لڑکی کے ساتھ آنا جانا مجھے تو قطعی مناسب نہیں لگ رہا۔'' ان کی تشویش پہ ماہین مسکرائی۔

''ارے نہیں خالہ ایسی کوئی بات نہیں عارفہ میری بہت اچھی دوست ہے اور ذوریز پہ تو مجھے خود سے بھی زیادہ اعتماد ہے۔'' ماہین نے اعتماد سے کہا۔
''میری بچی میری باتوں کو غلط مت سمجھنا، ہر محبت کرنے والی بیوی اپنے مجازی خدا کے بارے میں یہی سوچ رکھتی ہے، مرد بھلے قابل اعتبار ہو محبت اور وفا کی مثال میں گندھا ہوا ہو کبھی کبھی وقت حالات اور پھر نامحرم عورت کی قربت میں بہک جاتا ہے، مرد برا نہ بھی ہو تو غیر عورت اسے بہکا دیتی ہے اور مجھے تو تمہاری دوست دیکھنے میں ہی چلتر لگتی ہے پوری، تم میں اور اس میں تو زمین آسمان کا فرق ہے اور رہی بات ذوریز بیٹا کی تو یاد رکھنا میری بچی شریف مرد کو بہکانا چلتر عورت کے لئے بہت آسان ہوتا ہے، عجیب چیز بنائی ہے عورت بھی اللہ نے، مثال بنے تو صدیوں اس کی عظمت کی گواہی دی جاتی ہے، عبرت بنے تو زمانے اسے یاد رکھتے ہیں، زمین پہ پہلا فساد بھی کم بخت اسی عورت کی وجہ سے ہوا تھا اک عمر گزاری ہے یہ سفید بال دھوپ میں تھوڑے کیے ہیں اب تو چہرے پہچان لیتی ہوں اس لئے میری بچی، محتاط رہو اور ایسا موقع ہی نہ پیدا کرو کہ تم میاں بیوی کے بیچ میں کبھی کسی دوسری عورت کا دخل ہو۔'' خالہ زبیدہ اسے سمجھا رہی تھیں اور وہ خاموشی سے ان کی باتیں سنتی رہی اور پھر واقعی ایسا ہوا کہ اس نوکری نے ذوریز کو اتنا مصروف کر دیا تھا کہ ماہین کو لگتا جیسے وہ اس سے دور ہوتا جا رہا ہو۔
عارفہ نے آہستہ آہستہ ذوریز کے عہدے کے ساتھ اس پہ کام کا بوجھ بھی بڑھا دیا تھا، کوئی فارن ڈیلی گیشن آتا تو سب معاملات ذوریز ہینڈل کرتا فارن ٹرپ پہ ذوریز کو بھیجا جانے لگا، عارفہ نے ذوریز کو اپنی کمپنی کا ایم ڈی مقرر کر دیا تھا۔
ماہین کی زندگی پر تعیش انداز میں گزر رہی تھی، لیکن ذوریز کے پاس اب اس کے ساتھ وقت گزارنے کی فرصت نہ رہی تھی، کمپنی کے ہر آفیشل لنچ اور ڈنر پہ ذوریز کی موجودگی لازمی قرار دے دی گئی تھی۔
آج کل بھی ذوریز ایک فارن ٹرپ پہ عارفہ کے ساتھ گیا ہوا تھا، عارفہ کی کمپنی کو ذوریز جیسے مخلص اور محنتی شخص نے کہاں سے کہاں پہنچا دیا تھا، کینیڈا میں ان کی جن انٹرنیشنل کمپنیوں سے میٹنگ ہوئی تھی وہ خاصی کامیاب رہی تھی، کچھ نے مستقبل میں ان کے ساتھ کام کی ہامی بھری تھی اور کچھ نے فوراً ان کے ساتھ کام کرنے کی ہامی بھر لی تھی، سو عارفہ اس کامیابی پہ انتہائی خوش دیکھائی دے رہی تھی اور اسی خوشی کو Celebrate کرنے کے لئے اس نے ذوریز کو Holiday inn chandigarn میں کینیڈا سے واپسی پہ ایک رات پہلے ڈنر دیا تھا۔
بلیک ڈنر سوٹ میں ذوریز ہمیشہ کی طرح بہت ڈیشنگ لگ رہا تھا، جبکہ عارفہ نے ریڈ شارٹ انگلش گاؤن پہن رکھا تھا جو کہ سلیولیس تھا اور اس کی آدھی پنڈلیاں بھی برہنہ تھیں گلے میں اس نے بلیک اور ریڈ چیک کا مفلر ڈال رکھا تھا بلیک لیدر کے کورٹ شوز اور بلیک ہی کلچ پکڑے وہ کوئی فلم سٹار دیکھائی دے رہی تھی، لیکن ذوریز کو اس کی تیاری اور دلکشی میں ایک رتی بھی دلچسپی نہ تھی۔
''سوری میں تھوڑا لیٹ ہوگیا، ماہی کی پاکستان سے کال آگئی تھی۔'' ذوریز نے ٹیبل پہ آتے ہی Excue کیا تھا اور عارفہ کا ماہی نام سن کر موڈ آف ہوگیا تھا۔

"ایک گھنٹے سے انتظار کر رہی ہوں تمہارا۔" [illegible] بو کے ذوریز کو تھماتے ہوئے اس نے شکوہ کیا۔

"سوری عارفہ، اس کی ضرورت نہیں تھی۔" ذوریز نے معذرت کرتے ہوئے پھولوں کا بو کے تھام کر ٹیبل پہ رکھتے ہوئے کہا بلکہ تم نے خوامخواہ یہ ڈنر ارینج کر لیا اس کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ ذوریز اس کے مقابل بیٹھتے ہوئے بولا تو وہ اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"تم ہمیشہ کسر نفسی سے کام لیتے ہو، مجال ہے جو کسی کامیابی کا کریڈٹ تم نے لیا ہو؟" "جو تم میری کمپنی کے لئے کر رہے ہو اس کے بدلے میں یہ کچھ بھی نہیں ہے ذوریز۔" عارفہ نے اسے سراہا۔

"میں اگر محنت کر رہا ہوں تو کسی بھی غرض یا لالچ کے بغیر کر رہا ہوں، باقی صلہ دینے والی ذات اللہ کی ہے، یہ سب اسی کا کرم ہے کہ راستے بنے اور کھلتے جا رہے ہیں۔" مسکراتے ہوئے اس نے جواب دیا تھا۔

"حالانکہ تمہیں مطلب ہونا چاہیے۔" عارفہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تو وہ ہنس دیا۔

"جس مرد کے دل میں ماہی جیسی بیوی بستی ہو جس باپ کی آنکھوں میں انوشی جیسی پیاری بیٹی ٹھنڈک بن کر اترتی ہو اس شوہر اور باپ کو دنیا کی کسی دولت کا لالچ نہیں ہوتا۔" ذوریز کی بات ایک کانٹا بن کر عارفہ کے دل میں پیوست ہو گئی تھی اور وہ پہلو بدل کر رہ گئی تھی۔

"تم سے تو بحث کرنا ہی فضول ہے، اپنی دنیا اب جلدی سے کھانے کا آڈر دو مجھے تو سخت بھوک لگ رہی ہے۔" عارفہ نے اپنی کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔

اور پھر ذوریز نے جو ڈشز آڈر کیں وہ سب ماہی کی فیورٹ ڈیشز تھیں۔

"مجھے لگ رہا ہے میں تمہارے ساتھ نہیں ماہین کے ساتھ بیٹھ کر ڈنر کر رہی ہوں۔" عارفہ نے ٹیبل پہ نگاہ دوڑاتے ہوئے شکوہ کیا تو ذوریز مسکرا دیا۔

"سوری عارفہ تم اپنی مرضی سے کچھ اور منگوا لو، مجھے تو ماہی کی ہر پسندیدہ چیز سے عشق ہے، چاہے وہ کھانا ہی کیوں نہ ہو۔" وہ چائنیز سے انصاف کرتے ہوئے بولا تو ماہین پیچ وتاب کھا کر رہ گئی۔

"ماہین کی قسمت پہ رشک آتا ہے مجھے، تم جیسا پرفیکٹ مرد اس کے نصیب میں لکھا دکھ کر۔" عارفہ کی بات پہ ذوریز نے سر اٹھایا۔

"نہیں ایسا نہیں ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ میں اس دنیا کا خوش نصیب انسان ہوں جس کے نصیبوں میں ماہی جیسی بیوی کو لکھا گیا۔"

"ہاں بھئی تم دونوں ٹھہرے رومیو جولیٹ، ہم تو وہ بدنصیب ہیں جن کو محبت بھی لمحوں میں پیروں تلے روند کر ٹھکرا دے۔" وہ تلخی سے مسکرائی تو ذوریز شرمندہ سا ہو گیا۔

"میرا مطلب تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا عارفہ۔" نیپکن سے منہ صاف کرتے ہوئے وہ بولا، تو عارفہ ہنس دی۔

"چھوڑو ان باتوں کو، یہ بتاؤ ڈنر کے بعد کیا ارادہ ہے؟"

"آج رات تو میں بالکل بھی سونے والا نہیں، ماہی اور انوش کے لئے ڈھیر ساری شاپنگ کروں گا، میں بھی پری اور صوفی کے لئے کچھ خریدنا چاہ رہی تھی مل کر شاپنگ کریں گے، ورنہ میں بور ہوتی رہوں گی۔" عارفہ کی بات پہ ذوریز نے کندھے اچکائے۔

"ایزیو وش۔"

☆☆☆

اور پھر عارفہ بہت سکون سے ذوریز کے ساتھ اس کا سکون غارت کرتے ہوئے صبح تین بجے تک شاپنگ کے نام پہ اسے الجھاتی اور اس کے ساتھ وقت گزارتی رہی، کوفت اب ذوریز کے چہرے سے عیاں ہونے لگی تھی۔

"لگتا ہے آج تم ٹورنٹو کے تمام شاپنگ اسٹور خالی کر کے رہو گی؟" ذوریز نے بے زاریت سے کہا تو عارفہ ہنس دی۔

"ارے تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے ماہین کے ساتھ تم کبھی خوار ہی نہ ہوئے ہو؟"

"ماہین نے واقعی مجھے کبھی یوں خوار نہیں کیا، وہ غیر ضروری چیزیں نہیں خریدتی۔" ذوریز نے رسان سے بتایا۔

"اف کبھی اپنے ماہی نامے سے باہر بھی نکل آیا کرو، زندگی اس محبت نامی فریب سے کہیں زیادہ خوبصورت ہے۔" شاپنگ اسٹور سے باہر نکلتے ہوئے عارفہ نے چڑ کر کہا۔

ہاہاہا وہ ہنسا تھا۔

"محبت فریب کہاں ہے؟ یہ تو زندگی ہے اب میں تمہیں کیسے بتاؤں؟ ماہی کی محبت مجھے خوبصورت اور سنہرے خوابوں کی نگری سے نکلنے دے تو مجھے کچھ دکھائی دے نا؟" ذوریز کے لہجے میں ماہین کے لئے شہد گھلا ہوا تھا۔

"ویسے عجیب مرد ہو تم، ایک ہی محبت کی دہلیز پہ اپنی تمام آرزوؤں کو اپاہج کر آئے ہو؟ مرد تو عورت کو شادی کے کھونٹے سے باندھ کر نئی محبتوں کو تلاشنے کی کھوج میں جا نکلتا ہے اور یہ کھوج اسے کب کہاں اور کن راستوں پر لے جاتی ہے اس کی خبر خود مرد کو بھی نہیں ہوتی۔" عارفہ کا انداز بہت عجیب سا تھا، کچھ جتانے والا، جلا کٹا سا۔

"میں ان مردوں میں سے ہرگز نہیں ہوں جو عورت کے سچے اور پاکیزہ جذبہ محبت کو بے وفائی کے صحرا میں مسل کر ساری زندگی کے لئے محبت کو رسوا کر دیتے ہیں، میں ایک کھلے دروازے کی مانند ہوں عارفہ، جس کی دہلیز پہ صرف ماہین کے قدم لکھے ہیں، جو میری محبت ہے میری شریک حیات ہے، جو میرے لئے مشکل سے مشکل گھڑی میں ایک دلاسے کی مانند ہے جو بھلے مجھ سے میلوں دور کیوں نہ ہو، اس کی یاد اس کی محبت ایک چراغ بن کر میرے دل میں روشنی کیے رکھتی ہے اس کا خلوص اس کی سچی محبت ایک دھند بن کر مجھے اپنی لپیٹ میں لئے رکھتی ہے، یہ آنکھیں سوائے ماہی کو دیکھنے کے علاوہ کسی اور کی جانب اٹھنے کی جسارت کر ہی نہیں سکتیں کیونکہ ان آنکھوں کی پتلیوں پہ ماہی جیسی پاکیزہ بیوی کا عکس چمکتا اور جھلملاتا ہے یوں سمجھو میں ایک اندھا بھکاری ہوں، جو ہر ٹھوکر کے بدلے میں ماہی کے قدموں میں گرنا اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہے۔"

ذوریز کے روح کو چھو جانے والے اظہار محبت پہ عارفہ کا دل سکڑنا شروع ہو گیا تھا اور وہ کتنے ہی لمحے متحیر سی اسے دیکھتی رہ گئی تھی اور پھر دفعتاً اس کے اندر کی تڑپ ایک آہ بن کر اس کے لبوں سے آزاد ہوئی تھی۔

"کاش...... کاش تم جیسا وفادار مرد خدا میری قسمت میں بھی لکھ دیتا؟ تو آج میری ذات، کسی گہری رات جیسی گم نہ ہوتی میرے جذبے کراہتے اور بلکتے ہوئے زخموں کی طرح خواب آور گولیوں کا سہارا نہ ڈھونڈتے۔" بولتے بولتے عارفہ نے لاشعوری طور پہ ذوریز کا ہاتھ تھام لیا تھا اور اگلے ہی لمحے اس نے دھیرے سے

اپنا ہاتھ عارفہ کی گرفت سے چھڑا لیا تھا، وہ اسے کہنا چاہتا تھا۔

کہ محبت کی بنیاد بے حسی خود غرضی اور لالچ کی اینٹوں سے رکھی جائے تو عمارت ریت کی دیوار کی طرح منہ زور ہوا کے ذرہ سے جھونکے سے پل بھر میں زمین بوس ہو جاتی ہے عارفہ نے بھی کسی کے ساتھ ایک ایسی ہی عمارت کی بنیاد رکھی تھی، جو زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکی تھی، کیونکہ خود عارفہ کے اپنے اندر وفا نہیں تھی۔

اور پھر وہ ذوریز کے ساتھ جتنے دن بھی کینیڈا میں رہی وہ ماہی کی قسمت پہ رشک اور اپنی قسمت پہ اشک ہی بہاتی رہی، دل کے نہہ خانوں میں حسد کی آگ بھڑکتی رہی اور اسے جلاتی رہی، ذوریز کے منہ سے ماہی کے لئے اظہار محبت سن کر اس کے تن بدن میں آگ سی لگ جاتی تھی اور اس کا دل چاہتا وہ ساری دنیا کو آگ لگا دے ہر مسکراتی ہوئی عورت کے لبوں سے ہنسی چھین لے ہر وفادار مرد کو بے وفا بنا دے، اس سے ہزاروں محبت کے دعوے کرنے والا اس پہ مرمٹنے والا مرد سہیل کس قدر آسانی سے اس کی زندگی سے نکل گیا ہے؟ اور واپس اپنی دنیا میں مگن ہو گیا تھا اس احساس نے اسے سائیکو بنا دیا تھا۔

☆☆☆

ذوریز کینیڈا سے انوش اور ماہین کے لئے ڈھیر ساری شاپنگ کر کے لایا تھا۔

"کیا ضرورت تھی اتنا کچھ لانے کی؟" وہ بیڈ پہ پھیلے گفٹس دیکھتے ہوئے بولی۔

"میرے بس میں ہو تو ساری دنیا کی چیزیں تمہارے قدموں میں ڈھیر کر دوں۔" بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھتے ہوئے ذوریز نے اسے محبت پاش نظروں سے دیکھا تو وہ مسکراتی ہوئی اس کے پاس آ بیٹھی۔

"تمہاری محبت کے آگے یہ چیزیں بے معنی لگتی ہیں مجھے۔" اس کے ہاتھوں پہ ہاتھ رکھتے ہوئے ماہی نے جذب سے کہا۔

"خالی محبت سے کام نہیں چلتا محترمہ، محبت کا اظہار ہمیشہ تحفے کا محتاج ہوتا ہے سو جلدی سے یہ ڈریس پہن کر مجھے دکھاؤ، تاکہ میری خوشی دوبالا ہو جائے۔" ذوریز نے مسکراتے ہوئے اس کے گال تھپکائے اور ایک خوبصورت انٹرنیشنل ڈیزائنر کے ڈریس کی جانب اشارہ کیا تو ماہین زیر لب مسکراتی وہ ڈریس لئے واش روم کی طرف بڑھ گئی۔

قریب ہی کاٹ میں انوش سو رہی تھی، تھوڑی دیر کے بعد ماہین وہ ڈریس لئے پریشان سی واش روم سے نکلی۔

"کیا ہوا؟" ذوریز فکر مند ہوا۔

"ڈریس پورا نہیں آیا، یہ بہت ٹائٹ ہے۔" وہ روہانسی سی ڈریس ہاتھ میں لئے اس کے قریب آئی تو ذوریز مسکراتے ہوئے بیڈ سے اٹھا۔

"تو خود کو فٹ رکھو ناں میری جان، یہ کمر اب کمرہ بنتی جا رہی ہے۔"

"عارفہ کو دیکھا ہے، کس قدر سلم اور فٹ رکھا ہوا ہے اس نے خود کو؟ لگتا ہی نہیں وہ ایک بچی کی ماں ہے۔" ذوریز نے اس کی کمر کے گرد بازو حائل کرتے ہوئے شریر سے انداز میں کہا تو ماہی کو اس کا عارفہ کے ساتھ کمپیئر کرنا اور جتانا اچھا نہیں لگا تھا، لیکن وہ جواباً خاموش سے اس کی گرفت سے نکل گئی تھی۔

"میں ذرا انوش کا فیڈر تیار کر لوں، اٹھنے والی ہے۔"

"کم آن یار، آج صرف تمہارے ساتھ ٹائم گزارنے کے لئے چھٹی کی ہے میں نے اور

تمہارے پاس میرے لئے فرصت ہی نہیں، صبح سے کچن میں گھسی ہوئی ہو۔" ذوریز نے محبت بھرا شکوہ کیا تھا۔

"تو کھانا بھی تو تمہارے لئے ہی بنا رہی تھی۔" وہ چند لمحوں کے لئے رکی تھی۔

"تو یار ہم کسی فوڈ چین سے منگوا لیتے؟ اینی وے بس اب تم جلدی سے واپس آؤ اور پھر ہم کوئی اچھی سی مووی دیکھتے ہیں۔" ذوریز کی فرمائش پہ وہ دھیرے سے مسکراتی کمرے سے نکل گئی لیکن ذوریز کا اس کے ساتھ عارفہ کو کمپیئر کرنا ماہین کو نا جانے کیوں دکھی کر گیا تھا۔

اگلے دو چار دنوں میں وہ یقیناً یہ بات بھول جاتی لیکن دوسری بار ذوریز نے اسے احساس دلایا تھا کہ عارفہ اب آہستہ آہستہ ان دونوں کے بیچ آ رہی تھی، وہ رات انوش کو سلانے کے بعد ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی اپنے نیلز سے کیوٹیکس اتار رہی تھی، جب ذوریز واش روم سے نکلا تھا اور بیڈ پہ جانے کی بجائے آئینے میں اس کے عقب جھکا تھا۔

"اس بار سنڈے کو کسی اچھے سے پارلر سے اپائنمنٹ لے لینا، ہر وقت گھر اور گھرداری میں مصروف رہ کر تم میری ماہی کو اگنور کرتی جا رہی ہو، دیکھو یہ خوبصورت چہرہ، اس کی چمک کیسے ماند پڑ گئی ہے، ان رف ہوتے بالوں کو دیکھو کیا یہ وہی سلکی بال ہیں جو ہوا کرتے تھے؟ اور یہ ہاتھ؟ کیسا بے رحم سلوک کر رہی ہو ان سے؟ عارفہ دو سال تم سے بڑی ہونے کے باوجود پانچ سال چھوٹی لگتی ہے وہ تم سے۔" ذوریز نے اس کے چہرے بالوں اور ہاتھوں کو چھوتے ہوئے کہا تو اس کا دل دکھ سے بھر گیا۔

"سارا دن عارفہ کے ساتھ رہ رہ کر اب تم ہر بات میں مجھے اس کے ساتھ کمپیئر کیا کرو گے؟" نا چاہتے ہوئے بھی خفگی ماہی کے لہجے میں گھل گئی تھی، اس کے انداز پہ ذوریز کے لبوں پہ مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی تھی۔

"کم آن ماہی، میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔" وہ بے چینی سے اس کے عقب سے ہٹ کر اس کے سامنے ڈریسنگ ٹیبل پہ ٹیک لگا کر اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے بولا تھا۔

"تو پھر تم نے عارفہ کا ہی نام کیوں لیا؟" انداز نروٹھا تھا۔

"کیونکہ وہ تمہاری بہترین دوست ہے، وہ اپنا بہت خیال رکھتی ہے خود کو Maintain رکھتی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم بھی اپنا اسی طرح خیال رکھو، اپنے لئے نہیں میرے لئے۔"

آخری جملہ اس نے ماہی کے دونوں کندھوں پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اس قدر محبت سے کہا کہ ماہی اس کی محبت بھری فرمائش پہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"میں چاہتا ہوں وقت تمہیں کبھی چھو کر بھی نہ گزرے، میرے دل کے شہر میں تم ہمیشہ ایک آرزو ایک روشنی ایک جستجو بن کر رہو۔"

اس کی محبت ماہی کے کانوں میں رس گھول رہی تھی اور وہ پھر سے خود کو ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔

☆☆☆

ذوریز کی برتھ ڈے تھی اور وہ دونوں ڈنر کے لئے گھر سے نکل رہے تھے جب عارفہ بن بلائے مہمان کی طرح کیک گفٹس اور پھولوں کی باسکٹ لئے ان کے گھر آن موجود ہوئی۔

"تم لوگ کہیں جا رہے تھے کیا؟" وہ ٹی وی لاؤنج کے صوفے پہ براجمان ہوتے ان دونوں کو تیار دیکھ کر انجان بنی۔

"ہاں وہ ہم باہر ہی جا رہے تھے۔" ذوریز

نے بتایا۔
''اس کا مطلب ہے میں بہت غلط وقت پہ آ گئی۔'' عارفہ صوفے سے اٹھی۔
''ارے نہیں تمہارے آنے سے بہت خوشی ہوئی مجھے۔'' ماہین نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''اب تم مروت میں کہو تو وہ اور بات ہے لیکن مجھے بہت عجیب لگ رہا ہے تم دونوں باہر جا رہے تھے اور میں......'' عارفہ بولتے بولتے رکی۔
''کم آن عارفہ...... آج نہیں تو کل ہم چلے جائیں گے، آج ہم تینوں مل کر ذوریز کی برتھ ڈے سیلی بریٹ کریں گے۔'' ماہین نے اپنی ازلی سادگی اور خوشدلی سے کہا تو ذوریز اسے گھور کر رہ گیا۔
''ہاں یہ بھی ٹھیک ہے، ذوریز یہ دیکھو تمہارے لئے کتنی خوبصورت شرٹس لائی ہوں میں۔'' عارفہ نے مختلف شاپنگ بیگز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
''اس کی بالکل بھی ضرورت نہیں تھی عارفہ!'' ذوریز نے آہستگی سے کہا تھا۔
''کیوں ضرورت نہیں تھی؟ اتنے ڈل سے کپڑے پہنتے ہو تم اور کلر سکیم تو اس قدر عجیب ہوتی ہے، تمہاری ساری پرسنالٹی دب کر رہ جاتی ہے۔'' عارفہ نے بے تکلفی سے برملا اظہار کیا تو ذوریز پہلو بدل کر رہ گیا، ماہین بھی نظریں چرا گئی تھی کیونکہ ذوریز کی تمام شاپنگ ماہین ہی کیا کرتی تھی اور پھر رات بارہ بجے تک عارفہ ان کے بیچ کباب میں ہڈی بنی رہی۔
''بھئی تم دونوں گپ شپ لگاؤ میں سونے جا رہا ہوں، صبح آفس کے لئے بھی اٹھنا ہے مجھے۔'' ذوریز تنگ آ کر کمرے میں جانے کے لئے اٹھا۔
''ارے ایسے کیسے تم سو سکتے ہو؟ اب رات کے اس وقت میں کیا اکیلی گاڑی ڈرائیو کر کے جاؤں گی گھر؟'' عارفہ نے بے تکلفی سے ذوریز کو مخاطب کیا۔
''عارفہ تمہیں اس وقت گھر جانے کی بالکل بھی ضرورت نہیں تم آج یہیں میرے پاس رک جاؤ، صبح ذوریز کے ساتھ ہی آفس چلی جانا۔'' ماہین نے تجویز پیش کی تو ذوریز نے غصے میں ماہی کو دیکھا لیکن وہ اسے دیکھ ہی کب رہی تھی؟ اس کا دھیان تو عارفہ کی طرف تھا۔
''نہیں ماہی، میں گھر ہی جاؤں گی، ذوریز تم مجھے ڈراپ کر کے گاڑی لے آنا اور صبح اسی پہ آفس آ جانا۔'' عارفہ نے آسانی سے حل بتایا تو وہ خاموش ہو گیا۔
''لگتا ہے پری سے اداس ہو گئی ہو؟'' ماہی نے یاد دلایا تو عارفہ نے کندھے اچکائے۔
''پری کو نہ میری عادت ہے نہ مجھے اس کی اپنی آیا کی وہ اس قدر عادی ہے کہ میری گود میں آتے ہی رونے لگتی ہے اور ویسے بھی سچ پوچھو تو مجھے بچوں کی جھنجھٹ سے سخت وحشت ہوتی ہے چھوٹی چھوٹی باتوں پہ رو رو کر آسمان سر پہ اٹھا لیتے ہیں۔'' عارفہ کے اظہار پہ ماہین تاسف سے اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

عارفہ کی مداخلت روز بہ روز ان کی زندگی میں بڑھتی جا رہی تھی جس سے ذوریز خاصا تنگ تھا اور اب تو ذوریز اس سے کترانے لگا تھا۔
ابھی بھی وہ کسی میٹنگ کے سلسلے میں کچھ اہم پوائنٹس ڈسکس کرنے آیا تھا جب عارفہ نے اس کے اور اپنے لئے کافی منگوالی تھی۔
''عارفہ ابھی میری ٹیبل پہ فائلز کا ڈھیر لگا ہوا ہے میں آج بہت مصروف ہوں، کافی کی ضرورت نہیں تھی۔'' ذوریز کے آگے ملازم نے

کافی کا مگ رکھا تھا۔
کافی سرو کرنے کے بعد ملازم آفس سے نکل گیا تو عارفہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔
''جانتی ہوں، ماہین کے علاوہ تمہیں کسی کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔'' اور پھر وہ اپنی ریوالونگ چیئر سے اٹھی اور چند قدم آگے بڑھ کر اس کے سامنے اس کے مقابل ٹیبل پہ کمر ٹکائے اسے بغور دیکھتے ہوئے بولی۔
''لیکن آج میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ ماہین میں ایسا کیا ہے جو مجھ میں نہیں، مجھ سے زیادہ خوبصورت تو نہیں ہے وہ۔'' اس کے اور ذوریز کے بیچ چند فٹ کا فاصلہ تھا اور بولتے بولتے عارفہ نے وہ بھی کم کر دیا تھا، اس کا انداز بہت بے باک تھا۔
اس کی گرم سانسیں اب ذوریز کو اپنے چہرے پہ محسوس ہو رہی تھیں، ذوریز نے اچنبھے سے اسے دیکھا تھا اور یک دم اپنی نشست سے اٹھا۔
''تمہارا اور اس کا مقابلہ تو ممکن ہی نہیں ہے، ماہی میرے لئے دنیا کی سب سے خوبصورت عورت ہے جسے آسمان سے صرف اور صرف میرے لئے اتارا گیا ہے، وہ میرے لئے صرف دنیا کی آرزو نہیں ہے، میں جنت میں بھی ستر حوروں پہ ماہی جیسی بیوی کو ترجیح دوں گا۔'' اس کا انداز دوٹوک تھا۔
عارفہ نے تڑپ کر ذوریز کے دونوں بازو تھامے تھے اس کے لہجے میں بے پناہ تڑپ تھی۔
''تم جیسے مرد کی تو میں نے آرزو کی تھی، پھر ماہی کیوں؟ اس کے مقدر میں تم کیوں لکھ دیئے گئے؟'' اس کی آواز میں حسد ہی حسد تھا ماہین کے لئے۔
''خالص محبت پانے کے لئے خالص ہونا بہت ضروری ہوتا ہے، اپنا آپ مارنا پڑتا ہے مگر یہ بات تم جیسی خود پسند اور عیش پسند عورت کیسے سمجھ سکتی ہے؟ محبت، محبت کرنے والوں کے علاوہ کسی کی سمجھ میں آتی بھی نہیں عارفہ بیگم۔'' وہ تنفر سے بولتا اس کے ہاتھ جھٹک کر دروازے کی جانب بڑھا تھا، عارفہ عجلت میں اس کے راستے میں آئی۔
''ماہی تمہیں کچھ نہیں دے سکتی، لیکن میرا ساتھ تمہیں دنیا کی ہر آسائش دے سکتا ہے بہترین گھر، یہ سارا بزنس اور Luxury lifestyle سب تمہیں دے گا، لوگ تمہاری قسمت پہ رشک کریں گے، بدلے میں مجھے صرف تمہارا محبت بھرا ساتھ چاہیے، تمہاری رفاقت چاہیے تم چاہیے صرف تم۔'' وہ امید و آس بھرے لہجے میں اسے والہانہ دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی اس کی آفر پہ ذوریز پیچ و تاب کھا رہا تھا۔
''تم مجھے دولت کا لالچ دے رہی ہو؟ میں لعنت بھیجتا ہوں تم پہ، تمہارے اس بزنس پہ، تمہاری اس نوکری پہ اور تمہارے اس Luxury lifestyle پہ، ماہین جیسی بیوی کے آگے اس دنیا کا ہر سکھ ہر آسائش بے معنی ہے میرے لئے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا تمہاری ذہنیت اس قدر گھٹیا ہو سکتی ہے؟'' وہ نفرت آمیز لہجے میں بولتا دروازے کی جانب بڑھا۔
''ذوریز تم بہت پچھتاؤ گے، مجھے اور میری آفر کو ٹھکرا کر تم خود اپنے ساتھ برا کرو گے۔'' عارفہ ہذیانی انداز میں اس کے پیچھے لپکی تھی۔
''ماہین کی دوست ہو کر تم اسی کے شوہر کو چھیننے کی کوشش کرو گی؟ دوستی کے نام پہ دھبہ ہو تم مجھے آج تک کبھی کسی سے نفرت نہیں ہوئی لیکن آج تمہارا مکروہ چہرہ دیکھ کر تم سے نفرت ہو گئی ہے

اور میں چاہوں گا کہ زندگی بھر تمہاری یہ مکار شکل نہ دیکھوں۔'' ذوریز کے لہجے میں اس کی آنکھوں میں عارفہ کے لئے ساری دنیا کی نفرت اور حقارت تھی۔

اس کے بعد ذوریز ایک لمحہ بھی وہاں نہیں رکا تھا اور آندھی طوفان کی طرح اس کے آفس کا دروازہ پٹخ کر نکل گیا تھا۔

اس کا یوں غصے میں آفس سے نکلنا پورے دفتر کے اسٹاف نے حیرت سے دیکھا تھا لیکن اسے کسی کی پرواہ نہیں تھی۔

وہ عارفہ کو ماہی کی عزیز دوست سمجھ کر عزت اور احترام دیا کرتا تھا، لیکن عارفہ نے آج اس عزت واحترام کا جنازہ نکال دیا تھا، وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ عارفہ اس قدر گر سکتی تھی، وہ خود ایک شاک کی کیفیت میں تھا اور ٹیکسی لے کر گھر پہنچا تھا۔

ماہی دوپہر کا لنچ بنانے میں مصروف تھی، جب وہ اچانک لاک کھول کر اپارٹمنٹ میں داخل ہوا تھا، ماہین اسے یوں اچانک دیکھ کر نہایت حیرت سے اس کی جانب بڑھی تھی۔

''ذوریز تم اور اس وقت؟ خیریت تو ہے؟''

''ہاں وہ میری طبیعت بہت خراب ہو رہی تھی۔'' پریشانی ذوریز کے چہرے سے عیاں تھی۔

''اسی لئے گھر جلدی آ گیا۔''

''یا اللہ خیر، کیا ہوا ذوریز؟'' وہ فکرمندی سے پوچھنے لگی۔

''سر میں شدید درد ہے اور بخار فیل ہو رہا ہے میں آفس سے دو چار چھٹیاں لے آیا ہوں، آرام کروں گا۔'' وہ بولتے ہوئے اپنے بیڈروم کی جانب بڑھا۔

عارفہ کے متعلق ذوریز نے ماہین کو کچھ نہ بتایا، وہ ماہی کو اس کی اصلیت بتا کر اسے پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا سو آسانی سے جھوٹ بول گیا تھا۔

''اچھا کیا، تم یہ کام کا برڈن بھی تو بہت زیادہ ڈال رکھا ہے عارفہ نے، اینی وے تم جا کر آرام کرو، میں تمہارے لئے چائے اور ٹیبلٹ لے کر آتی ہوں۔'' ماہین محبت سے کہہ کر کچن کی طرف بڑھ گئی اور وہ تھکے قدموں سے بیڈروم کی جانب بڑھ گیا تھا۔

☆☆☆

ذوریز کو آج پانچواں دن تھا آفس سے چھٹی کرتے ہوئے، عارفہ نے بھی اس سے کوئی رابطہ نہ کیا تھا، ذوریز نے ماہین کو عارفہ کی بدنیتی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ ماہین کا دوستی جیسے رشتے سے ہمیشہ کے لئے اعتبار اٹھ جائے، اس نے ذوریز کے ساتھ کے لئے بہت بڑی قربانی دی تھی، اپنے جان سے پیارے رشتوں کو کھویا تھا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ ماہی پہ عارفہ کی اصلیت عذاب بن کر ٹوٹے اور وہ مزید دکھ اٹھائے، سو وہ صبح ناشتہ کرتا اور جاب کی تلاش میں نکل جاتا۔ اور شام کو گھر آتا ماہین یہی سمجھتی کہ وہ آفس ہی گیا تھا اور اب لوٹا ہے۔

وہ اکیس دسمبر کا تلخ، ٹھٹھرتا اور دکھ میں ڈوبا ہوا دن تھا، جس کی صبح سورج تو نکلا تھا لیکن ذوریز اور ماہین کی زندگی کو تاریکی میں مبتلا کر گیا تھا، جیسے دن دیہاڑے سورج گرہن لگ گیا ہو، ان کی ہنستی مسکراتی زندگی فٹ پاتھ پہ سونے والے فقیر کی طرح بے گھر ہو گئی تھی، اس صبح ماہین نے روٹین کی طرح ذوریز کو آفس جانے کے لئے اٹھایا تھا۔

''ذوریز اب اٹھ جاؤ دس بج رہے ہیں آدھے گھنٹے سے تمہیں جگانے کی کوشش کر رہی ہوں۔'' ماہین اس کے پاس بیٹھی اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے اسے جگا رہی تھی۔

''یار پلیز سونے دو، میں تھوڑی دیر میں خود ہی اٹھ جاؤں گا۔'' ذوریز نے کروٹ بدلتے ہوئے نیند میں کہا۔

''کمال ہے پچھلے کچھ دنوں سے دیکھ رہی ہوں، آفس کے لئے مجبوراً تیار ہو کر نکلتے ہو، آفس میں کوئی بات ہوئی ہے کیا؟ عارفہ نے بھی کافی دن سے چکر نہیں لگایا؟'' ماہین نے فکرمندی سے قیاس ظاہر کیا۔

''تمہیں تو بلاوجہ پریشان ہونے کی بیماری ہے خواہ مخواہ فکریں پال لیتی ہو، ایسا کچھ نہیں ہے پلیز تھوڑی دیر سونے دو مجھے۔'' عارفہ کے ذکر پہ ذوریز کے لہجے میں تلخی اتر آئی تھی۔

''ٹھیک ہے اب نہیں جگاؤں گی تمہیں، جب دل چاہے خود ہی اٹھ جانا میں ذرہ انوش کو لے کر پڑوس کی خال زبیدہ کے ہاں جا رہی ہوں، رات ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، انہیں دیکھ کر آ جاؤں گی۔'' ماہین نے انوش کو کاٹ سے نکالتے ہوئے اطلاع دی تھی۔

''اوکے یار۔'' ذوریز نے منہ پہ کمبل ڈالتے ہوئے نیند میں کہا تو ماہی انوش کو اٹھائے کمرے سے نکل گئی۔

☆☆☆

ماہین نے گرما گرم چائے کا مگ اور انڈے ابال کر ٹرے میں رکھے اور زبیدہ خالہ کے سامنے ٹرے رکھی، ویسے حد ہے خالہ آپ اتنی بیمار تھیں آپ نے مجھے بتایا ہی نہیں، بالکل غیروں والا سلوک ہے یہ، ماہین نے شکوہ کیا اور ان کے مقابل آ بیٹھی۔

زبیدہ خالہ بیڈ سے ٹیک لگائے گردن تک کمبل لپیٹے نیم دراز تھیں، قریب ہی نیچے کارپٹ پہ انوش بیٹھی کھیل رہی تھی، اس کے شکوے پہ زبیدہ خالہ مسکرائیں۔

''غیر ایسے خدمت کرتے ہیں کیا پگلی؟ تم تو میرا اتنا خیال رکھتی ہو کہ میری سگی بہو بھی اتنا خیال نہ رکھ پاتی۔''

''تو پھر آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟''

''میری بچی، سارا دن تم اکیلی ننھی سی بچی کے ساتھ گھر داری میں ہلکان ہوئی رہتی ہو، میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔''

زبیدہ خالہ نے آگے بڑھ کر شفقت سے ماہین کے سر پہ ہاتھ پھیرا تو اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

''آپ کا وجود میرے لئے کسی نعمت سے کم نہیں خالہ، اپنے رشتوں کو تو شاید میں نے ہمیشہ کے لئے کھو دیا ہے، یہ دکھ یہ کسک تو شاید عمر بھر میرا دل جلاتی رہے گی۔'' ماہین نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

''ارے نہیں میری جان ایسے مایوس نہیں ہوتے، بھلا ناخن سے ماس جدا ہو سکتا ہے کیا؟ تمہاری والدہ اور بھائی کی ناراضگی بھی وقتی ناراضگی ہے انشاء اللہ، وقت گزرنے کے ساتھ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔''

''بس تم خوش رہا کرو، اپنی بچی اور شوہر پہ توجہ دیا کرو اور ہاں زرا بن ٹھن کر رہا کرو، یوں شوہر کی توجہ بیوی پہ مرکوز رہتی ہے، تمہارا شوہر جس عورت کے ساتھ دفتر میں کام کرتا ہے، وہ بہت آزاد خیال معلوم ہوتی ہے اور پھر کم بخت ہر وقت سولہ سنگھار کیے نظر آتی ہے، کہیں سے بھی ایک بچی کی ماں نہیں لگتی اور مرد کو تو ویسے بھی اپنی نظروں پہ کوئی اختیار نہیں ہوتا، نا جانے کب آنکھوں کے راستے کوئی دل میں سما جائے؟''

زبیدہ خالہ نے چائے کا مگ ٹرے سے اٹھاتے

بھروسہ توڑتے ہیں، ذوریز مر کر بھی ایسا نہیں کر سکتا۔'' ماہین کے انداز میں ذوریز کے لئے فخر تھا، مان تھا اعتماد تھا۔

''ماہین میری بچی، میری دعا ہے اللہ تمہارا یہ مان یہ بھروسہ ہمیشہ قائم رکھے، تمہیں زمانے کی ہر سرد ہوا اور غم سے بچا کر رکھے، لیکن میں نے ان آنکھوں سے بڑے بڑے محبتوں کے دعوے کرنے والے مردوں کو بے وفا ہوتے دیکھا ہے، میں خدانخواستہ یہ نہیں کہہ رہی کہ تم ذوریز پہ اندھا عتماد مت کرو، میں تو تمہیں صرف یہ سمجھانا چاہتی ہوں کہ شادی کے بعد عارفہ جیسی بے باک آزاد خیال دوستوں سے دور رہنا چاہیے، انہیں خاوند اور گھر کے معاملات سے دور رکھنا چاہیے، معاملات بگڑ جاتے ہیں میاں بیوی میں دوریاں آ جاتی ہیں۔'' زبیدہ خالہ نے رسان سے اسے وضاحت کی اور سمجھایا تو وہ اثبات میں سر ہلا گئی۔

''کہتی تو آپ بھی ٹھیک ہی ہیں خالہ، ذوریز باتوں باتوں میں کئی بار مجھے عارفہ کے ساتھ کمپیئر کر چکے ہیں، کہتے ہیں کہ میں عارفہ کی طرح خود کا خیال کیوں نہیں رکھتی؟'' ماہین کی نظریں انوش پہ مرکوز تھیں لیکن اس کے لہجے میں کہیں شکوہ پوشیدہ تھا۔

''اسی بات کا ڈر تھا مجھے، خوبصورت اور مکمل چیزوں کو دیکھ دیکھ کر آنکھیں ویسی ہی چیزوں کی طلب کرنے لگتی ہیں، جنہیں مرد دیکھنے کا عادی ہو چکا ہوتا ہے، میری مانو تو جلد از جلد ذوریز کی یہاں سے نوکری چھڑواؤ۔'' زبیدہ خالہ نے چائے پیتے ہوئے ماہین کو مشورہ دیا۔

ناشتہ بنا کر دینا ہے، آپ اپنا خیال رکھ[...] ہاں دوپہر کا کھانا میں بنا کر لے آؤں [...] میں جانے کا رخ مت کیجئے گا۔'' ماہین [...] کو گود میں اٹھاتے ہوئے انہیں تنبیہ کی [...] خالہ مسکرا دیں۔

''جیتی رہو میری بچی، اللہ تمہ[...] سہاگن رکھے۔''

''آمین زبیدہ خالہ، مجھے آپ کی د[...] بہت ضرورت ہے۔''

''میری دعائیں ہر لمحہ تمہارے سا[...] ماہین۔'' زبیدہ خالہ نے محبت پاش نظر[...] ماہین کو دیکھا۔

''چلتی ہوں اب۔'' ماہین مسکرائی۔

''اللہ حافظ میری جان!'' زبیدہ خ[...] اس کے سر پہ شفقت سے ہاتھ پھیرا اور پ[...] ان کے کمرے سے نکل گئی۔

☆☆☆

ذوریز واش روم سے نہا کر نکلا تو [...] میں ٹاول رگڑتا وہ آئینے کے سامنے آ کھ[...] جب عارفہ بنا دستک دیئے کمرے میں [...] ہوئی۔

''تم یہاں؟'' بال بناتے اچانک ذو[...] نظر اس پہ پڑی اور ناگواری کی لکیریں ا[...] ماتھے پہ عیاں ہوئیں۔

''ماہین کہاں ہے؟'' وہ مطمئن اندا[...] ادھر اُدھر دیکھتے پوچھنے لگی۔

''وہ پڑوس میں کہیں گئی ہے، اگر [...] ماہین سے ملنا ہے تو باہر جا کر اس کے آ[...]

انتظار کرو۔'' ذوریز کے لہجے میں درشتگی تھی۔

''تم ابھی تک خفا ہو مجھ سے؟'' وہ ذوریز کو بغور دیکھتے ہوئے اس کے قریب آئی۔

''تم میری لگتی ہی کیا ہو؟ کہ تم سے خفگی کا رشتہ استوار کیا جائے؟'' ذوریز کی آنکھوں میں اس کے لہجے میں عارفہ کے لئے سخت ناپسندیدگی تھی۔

''اب تم زیادتی کر رہے ہو میرے ساتھ۔'' وہ اک ادا سے مسکراتی اس کے اور بھی قریب آئی۔

''میرے قریب مت آو اور دفعہ ہو جاؤ میرے کمرے سے۔'' ذوریز نے سختی سے اسے تنبیہ کی تو وہ ڈھٹائی سے ہنسی۔

''اور اگر نہ جاؤں تو؟'' عارفہ اس کے مقابل آ کر اس کی شرٹ کے بٹنوں سے کھیلتی ڈھٹائی سے بولی تو ذوریز نے اس کے ہاتھ جھٹکے۔

''تم جیسی واہیات عورت تو توقع بھی یہی کی جا سکتی ہے۔'' ذوریز نے اسے قہر آلود نگاہوں سے دیکھا اور دروازے کی جانب بڑھا، عارفہ عجلت میں اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''مجھے بے عزت کر کے تم اتنی آسانی سے اس کمرے سے باہر نہیں جاؤ گے ذوریز آفندی۔'' عارفہ کا انداز جارحانہ تھا، ذوریز نے اسے نفرت آمیز نگاہوں سے دیکھا۔

''میں تمہیں کیا بے عزت کروں گا تم جیسی دو ٹکے کی عورت کے پاس، یہ دولت ہوتی تو تمہیں بتاتا، عزت ہوتی کیا ہے؟'' ذوریز کی بات سن کر تو گویا عارفہ کو پتنگے لگ گئے تھے۔

''تم نے مجھے دو ٹکے کی عورت کہا؟'' عارفہ نے ہذیانی انداز میں آگے بڑھ کر اس کا گریبان پکڑا۔

''جو عورت اپنی عزت و ناموس کو پیروں تلے روند کر رشتوں کا تقدس پامال کرنا اپنا مشغلہ بنا لے وہ عورت مرد کی نظر میں دو کوڑی کی ہو کر رہ جاتی ہے۔'' ذوریز نے اپنا گریبان چھڑانا چاہا تھا، لیکن عارفہ کی گرفت نہایت مضبوط تھی۔

''اب تمہیں یہ دو کوڑی کی عورت بتائے گی کہ رشتوں کا تقدس پامال کرنا کسے کہتے ہیں؟'' عارفہ کی آنکھوں میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔

''ارے جاؤ، یہ دھمکیاں کسی اور کو دینا۔'' ذوریز نے اسے ایک جھٹکے سے دور کرنا چاہا تھا لیکن اس کوشش میں اس کی شرٹ کے دو تین بٹن ٹوٹ گئے تھے کیونکہ اس کے گریبان پہ عارفہ کی گرفت بہت مضبوط تھی۔

اسی اثناء میں باہر دروازے پہ کھٹکا ہوا تھا اور عارفہ نے دوڑ کر کمرے کا دروازہ لاک کر لیا تھا اور وہ بلند آواز میں چیخنے اور چلانے لگی تھی، ساتھ ہی ساتھ وہ اپنا حلیہ بھی بگاڑ رہی تھی۔

''ذوریز...... پلیز...... خدا کے لئے ذوریز...... دور ہو جاؤ، مجھ سے ذوریز...... تمہیں خدا کا واسطہ...... میری عزت پامال...... مت کرو۔'' وہ روتی بلکتی چیختی بلند آواز میں التجائیں کر رہی تھی، ذوریز اس کی ڈرامے بازی پہ ورطہ حیرت میں مبتلا اپنی جگہ ساکت و جامد کھڑا تھا، اس کے دماغ کے ہزارویں حصے میں بھی یہ گمان نہیں تھا کہ عارفہ اس حد تک گر سکتی تھی؟

دروازے کے پار کھڑی ماہین کے پیروں تلے سے گویا زمین نکل گئی تھی، وہ حواس باختگی میں اب بیڈروم کا دروازہ پیٹنے لگی تھی، عارفہ ہنوز روتی چیختی اب کمرے کا حلیہ بگاڑ رہی تھی۔

''ذوریز...... دروازہ کھولو......'' باہر کھڑی دروازہ پیٹتی ماہین کی آواز میں بے یقینی...... دکھ

اور التجاء کی آمیزش تھی۔

اس کی آواز سن کر ذوریز کے بے جان قدم برق رفتاری سے دروازے کی جانب اٹھے تھے اور اگلے ہی لمحے ذوریز نے دروازہ کھول دیا تھا، لیکن ذوریز کا گھبرایا انداز، اس کی شرٹ کے ٹوٹے بٹن، کھلا گریبان دیکھ کر اس کی نظریں اندر کمرے کی جانب اٹھی تھیں۔

کمرے کی ہر چیز...... بے ترتیب تھی...... اور ذوریز کے پیچھے کھڑی عارفہ کا نیم برہنہ حلیہ، اس کے کھلے اور بے ترتیب بال، یہ منظر دیکھ کر ماہین کے جسم سے کسی نے ایک ایک بوند لہو نچوڑ لیا تھا، اس کے پاؤں دروازے کی دہلیز پہ ساکت ہو گئے تھے، وہ حیرت سے پھٹی پھٹی نگاہوں سے یہ منظر دیکھ رہی تھی، حلق میں گویا کانٹے اگ آئے تھے، زبان گنگ ہو گئی تھی۔

عارفہ اسے دیکھ کر ہنوز نیم برہنہ حلیے میں بلکتی ماہین کے گلے آ لگی تھی اور نہایت مکاری سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

''ماہین...... ذوریز نے سب کچھ ختم کر ڈالا، ہمارے رشتے کو ہماری محبت کو، ہمارے تعلق کو اپنی نفسی خواہشات کے آگے پامال کر ڈالا اور میری عزت کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں، مجھے برباد کر دیا، کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا مجھے تمہارے ذوریز نے......'' وہ ماہین کے گلے لگی مسلسل نوٹنکی کر رہی تھی۔

''یہ...... یہ جھوٹ بول رہی ہے، بکواس کر رہی ہے، میں ایسا کیسے کر سکتا ہوں ماہین؟'' وہ اپنی صفائی پیش کرتے کہنے لگا۔

''ماہین میں سچ کہہ رہی ہوں، کینیڈا میں بھی ذوریز نے بارہا میرے قریب آنے کی کوشش کی، مجھے اپنی محبت کے جال میں پھنسانے کی کوشش کی، مجھے شادی کی پیشکش کی، لیکن میرے مسلسل انکار کرنے پہ آج اس نے مجھے برباد کر دیا، مجھے میری ہی نظروں میں بے وقعت کر دیا، میں تو تم سے ملنے آئی تھی ماہین مجھے کیا معلوم تھا کہ آج میں اپنی ہی سہیلی کے گھر بے توقیر ہو جاؤں گی؟ تمہارے ہی شوہر کے ہاتھوں اپنی عزت گنوا بیٹھوں گی؟ میں نے تو تم دونوں پہ نیکی کی تھی، مجھے کیا معلوم تھا کہ میری یہ نیکی اس طرح میری عزت پہ داغ بن جائے گی؟'' وہ روتی چیختی جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کی دل و جان سے ایکٹنگ کر رہی تھی۔

''ماہین یہ چڑیل مسلسل جھوٹ بول رہی ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ عارفہ خود مجھے ورغلانے کی کوشش کرتی رہی ہے، جب میں نے اس کی بات نہیں مانی تو یہ اوچھے ہتھکنڈوں پہ اتر آئی۔'' ذوریز بے بسی سے بولا۔

''میں جھوٹ بول رہی ہوں؟ تو یہ سب کیا ہے جو ماہین نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، میرا یہ حلیہ؟ تمہاری شرٹ کے یہ ٹوٹے بٹن یہ سب کیا ہے جھوٹے انسان؟'' عارفہ بلند آواز میں چلائی۔

''بکواس بند کرو گھٹیا عورت، ورنہ میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔'' ذوریز طیش میں آ کر آگے بڑھا تھا اور اس نے عارفہ کا گلا دبوچ لیا تھا۔

''ذوریز...... چھوڑو اسے...... ایک تو چوری اور اوپر سے سینہ زوری؟'' ماہین نے ذوریز کو دھکا دے کر پیچھے ہٹایا تھا، لیکن ماہین کے جملے نے اسے اپنی جگہ ساکت کر دیا تھا۔

''ماہین یہ...... یہ کیا کہا تم نے؟'' اسے اپنی سماعت پہ شبہ ہوا۔

''وہی جو تم نے سنا، ایک لمحے کے لئے بھی تم نے اپنے اور میرے رشتے کا نہ سوچا؟ میں

سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم اس قدر گر جاؤ گے؟ کیا بگاڑا تھا عارفہ نے تمہارا؟''

وہ عارفہ کی اس غلیظ حرکت پہ اتنا نہیں ٹوٹا تھا، جتنا وہ ماہین کی بے اعتباری پہ بکھرا تھا، اس کے قدم لڑکھڑائے تھے، آنکھوں میں بے یقینی ہرائی تھی اور وہ کئی لمحے بول نہیں پایا تھا۔

''ماہی...... تم...... تم بھی یہی سمجھ رہی ہو کہ؟'' وہ اس کی بے یقینی کے آگے مسمار ہو رہا تھا۔

''اگر اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیتی تو یقیناً جھوٹ ہی سمجھتی، لیکن ذوریز تم نے اپنی غلاظت سے مجھے میری محبت کے سامنے رسوا کر کے رکھ دیا، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی، جس شخص پہ میں نے اندھا اعتبار کیا وہی شخص میرے اعتبار کے بخیئے ادھیڑ کر رکھ دے گا؟'' بولتے بولتے اب ماہین بھی رونے لگی تھی۔

''نہیں ماہی...... میری جان میں ایسا مر کر بھی نہیں کر سکتا یہ جھوٹ بول رہی ہے، ایسا کچھ نہیں کیا میں نے کہ تمہارا مان ٹوٹ جائے، تمہارا اعتبار مجھ پر سے ختم ہو جائے۔'' وہ دیوانہ وار اس کے شانوں پہ ہاتھ رکھے کہہ دیا تھا۔

''ہاتھ ہٹاؤ اپنے اور دور ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے، گھن آ رہی ہے مجھے تم سے۔'' ماہین نے روتے ہوئے اسے دھکا دیا تھا۔

''ماہی پلیز...... ایسا مت بولو، تمہاری بے اعتباری مجھے مار ڈالے گی۔'' ذوریز کی آواز بھرا گئی تھی۔

''مار تو تم نے مجھے دیا ہے ذوریز۔'' ماہین کی آنکھیں برس رہی تھیں اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

عارفہ ایک مکروہ مسکراہٹ ذوریز کی جانب اچھال کر چلی گئی تھی، ماہین ٹی وی لاؤنج کے صوفے پہ حیرت کا بت بنی بیٹھی تھی وہ نہیں جانتی تھی کہ انوش اس وقت کہاں تھی گھر کے کس کونے میں بیٹھی کھیل رہی تھی؟ اس کی زندگی نے گویا وقت کی سوئیوں کو روک لیا تھا، نہ وہ زندہ تھی نہ مردہ، اس وقت وہ خود سے بھی بیگانہ تھی، اس کے آس پاس بہت سارے جملے گونج رہے تھے۔

''زبیدہ خالہ، مرد بھلے ہی قابل اعتبار ہو محبت اور وفا کی مثال میں کندھا ہوا ہو، کبھی کبھی وقت، حالات اور پھر نامحرم عورت کے قربت میں بہک جاتا ہے۔''

''ذوریز...... عارفہ کو دیکھا تھا؟ کس قدر سلم اور فٹ رکھا ہوا ہے اس نے خود کو؟ لگتا ہی نہیں وہ ایک بچی کی ماں ہے۔''

''زبیدہ خالہ...... شادی کے بعد عارفہ جیسی بے باک، آزاد خیال دستوں سے دور رہنا چاہیے انہیں خاوند اور گھر کے معاملات سے دور رکھنا چاہیے ذوریز...... عارفہ دو سال تم سے بڑی ہونے کے باوجود پانچ سال چھوٹی لگتی ہے وہ تم سے۔''

''زبیدہ خالہ...... میں نے ان آنکھوں میں بڑے بڑے محبتوں کے دعوے کرنے والے مردوں کو بے وفا ہوتے دیکھا ہے خوبصورت اور مکمل چیزوں کو دیکھ دیکھ کر میری آنکھیں ویسی ہی چیزوں کی طلب کرنے لگتی ہیں۔''

''ماہی تم خاموش کیوں ہو؟ کچھ بولتی کیوں نہیں ہو؟'' ذوریز اس کے مقابل بیٹھا تھا، کچھ نہ کر کے بھی گویا مجرم بنا ہوا تھا، اسے ماہین کی بے اعتنائی اس کی خاموشی، اس کی اجنبی نگاہیں چھلنی کر رہی تھیں۔

''بولنے کو کچھ رہا ہی نہیں، تم نے کچھ چھوڑا

ہی نہیں بولنے کو۔'' خود ماہین کو اپنی آواز کسی پاتال سے آتی سنائی دی۔

''میں نے کچھ نہیں کیا...... آئی سوئیر جھوٹ بول رہی ہے عارفہ۔'' ذوریز نے تڑپ کر کہا تھا اور ماہین کے ہاتھ تھام لئے تھے اب ماہین کی نگاہوں کے سامنے کچھ دیر پہلے کا منظر جاگ اٹھا تھا۔

عارفہ کی چیخیں، ذوریز کی شرٹ کے ٹوٹے بٹن، عارفہ کا نیم برہنہ حلیہ، ذوریز کا نظریں چرانا، اس کا گھبرانا، عارفہ کا زاروقطار رونا، اس کی بے بسی، سب اس کی نگاہوں کے سامنے تھے۔

''اتنی بڑی بات عارفہ یونہی نہیں کہہ سکتی، میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ تم......'' وہ تنفر سے بولتی بولتی رک گئی، اس کی آنکھوں میں اس کے لہجے کی بے اعتنائی دیکھ کر ذوریز کا دل کٹ کے رہ گیا تھا۔

''اس کا مطلب ہے تمہیں میری محبت، میری شرافت اور وفا پہ رتی بھر بھروسہ نہیں ہے؟'' ذوریز نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولتے اسے دیکھا۔

''بھروسہ تھا سب سے زیادہ بھروسہ تھا لیکن وہ بھروسہ، وہ مان سب توڑ دیا تم نے، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی ذوریز، تم ایسا بھی کر سکتے ہو، عام اور معمولی مردوں کی طرح نفس کے سامنے مجبور ہو کر یہ سنگین گناہ اور جرم کر سکتے ہو؟'' ماہین اب بولتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

''ماہین میری جان پلیز، میری بات کا یقین کرو، یہ سب عارفہ کی پلاننگ تھی، اس نے مجھ سے بدلہ لیا ہے۔'' ذوریز اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے بولا، تو ماہین نے اسے پیچھے ہٹایا۔

''کیسی پلاننگ، کیسا بدلہ؟ اس نے تو تمہیں سہارا دیا تھا اپنے آفس میں تمہیں بہترین پوسٹ پہ جاب دی، ہر طرح سے تمہارا اور میرا خیال رکھا، وہ تم سے بدلہ کیوں لے گی؟'' اب کے ماہین چلائی تھی۔

''وہ مجھے تم سے چھیننا چاہتی تھی، مجھ سے غلط تعلق استوار کرنا چاہتی تھی، اس نوکری کے بدلے میں مجھ سے، میری ماہین کو دور کرنا چاہتی تھی۔'' ذوریز بے بسی کی انتہا پہ تھا اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ماہین کے دل سے اس غلط فہمی کو کیسے دور کرے؟

''اسٹاپ اٹ ذوریز، تم اپنا گناہ چھپانے کے لئے عارفہ پہ اب یہ گھٹیا الزام لگاؤ گے؟ تم اتنے گر جاؤ گے میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔'' ماہین کی آنکھوں میں ذوریز کے لئے نفرت تھی۔

''تمہیں میری ہر بات غلط اور جھوٹی لگ رہی ہے، عارفہ کی مکاری تمہیں کیوں نظر نہیں آ رہی؟ یہ ہے تمہاری محبت؟ جس میں اعتبار نام کی کوئی گنجائش ہی نہیں؟ ساری دنیا سے لڑ کر جو رشتہ ہم نے جوڑا یہ رشتہ ہے وہ؟'' وہ دکھ اور بے یقینی سے اس کے بے حس وجود کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''خود سے بھی زیادہ اعتبار تھا مجھے تم پہ، لیکن وہ اعتبار تم نے میری نظروں کے سامنے توڑا ہے، ان آنکھوں سے دیکھا ہے میں نے سب، میں اعتبار کیسے نہ کروں عارفہ کی دہائی کا؟'' ماہین چیخی تھی۔

''ٹھیک ہے مت کرو اعتبار میرا، اب میں کوئی وضاحت نہیں کروں گا، جس رشتے میں اعتبار نہ ہو جہاں آپ کو اپنی شرافت اور وفا کی قسمیں دینی پڑیں، وہاں محبت زندہ نہیں رہتی، آج سے تم اور میں صرف میاں بیوی ہیں، وہ محبت دم توڑ گئی جو ہم دونوں کے بیچ تھی وہ محبت جس نے ہماری زندگی کو گلزار بنا رکھا تھا، آج کے

بعد اس ٹاپک پہ ہم کبھی بات نہیں کریں گے۔'' ذوریز شکست خوردہ سا دوٹوک انداز میں بولتا نہایت مایوسی سے اٹھ کر کمرے میں چلا گیا تھا۔

اور پھر ماہین اور ذوریز کے تعلق کو بے اعتباری کی گرہ لگ گئی تھی ان کی محبت سے سجے گلشن کو عارفہ کا حسد اس کا انتقام اجاڑ گیا تھا کھا گیا تھا ان کی زندگی میں چھائی بہار اب خزاں کا روپ دھار چکی تھی، دونوں کے تعلق میں سرد مہری نے اپنی جگہ بنا لی تھی، گویا وہ ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہوں ان کے بیچ کئی کئی دن بات چیت نہ ہوتی۔

عارفہ کا دیا فلیٹ انہوں نے چھوڑ دیا تھا، ذوریز کو کسی اور جگہ جاب مل گئی تھی کہ وہ صبح جاتا اور رات گئے لوٹتا۔

ڈیڑھ دو مہینے بعد ماہین نے اپنی چپ کا تالا توڑا تھا جب عارفہ نے ماہین کو اپنی Pregnancy کی رپورٹ بھجوائی تھی اور اس سے پوچھا تھا کہ وہ ذوریز کے اس ظالمانہ سلوک کے نتیجے میں ہونے والی Pregnancy کا کیا کرے؟

اس کی رپورٹ اور سوال نے ماہین کے تن بدن میں آگ لگا دی تھی، اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ساری دنیا کو بھسم کر دے، اسے ذوریز سے شدید نفرت محسوس ہو رہی تھی، جس کا عملی مظاہرہ اس نے رات ذوریز کے آنے پہ ظاہر کیا تھا، وہ لاؤنج میں بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔

ذوریز اسے دیکھ کر حیران ہوا تھا کیونکہ وہ جب رات آتا تو ماہین سو چکی ہوتی، یا سونے کی ایکٹنگ کرتے بستر میں گھسی رہتی، ذوریز بھی اسے اٹھانے کی زحمت کیے بغیر کچن میں جا کر خود اپنے لئے کھانا نکالتا گرم کرتا اور اکیلے ہی بیٹھ کر کھا لیا کرتا تھا، بہرحال وہ اسے نظرانداز کرتا لاؤنج میں تھکا ہارا صوفے پہ بیٹھا تھا اور اپنی ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرنے کے بعد وہ جوتے اتارنے لگا تھا، جب نہایت غصے سے ماہین نے ایک فائل اس کے سامنے لا پھینکی تھی۔

''اس مصیبت کا حل بتاؤ۔'' وہ ٹوک انداز میں کہا گیا تھا۔

ذوریز نے وہ فائل اٹھا کر کھولی تھی پڑھی تھی اور جواباً اس کا ری ایکشن بھی ویسا ہی تھا، جیسا کہ ہونا چاہیے تھا، ذوریز نے طیش میں وہ فائل پھاڑ دی تھی اور ٹکڑے کر کے پھینک دی تھی۔

''فائل پھاڑ دینے سے تمہارے کرتوت نہیں چھپ سکتے۔'' ماہین کی تلخی، ذوریز کے دل میں پیوست ہوئی تھی اور وہ اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''میں تم سے کسی قسم کی کوئی بحث نہیں کرنا چاہتا۔'' وہ کمرے میں جانے کے لئے بڑھا، اس وقت وہ شدید غصے میں تھا۔

''لیکن مجھے اس مسئلے کا حل چاہیے۔'' وہ اس کے سامنے آئی۔

''میرے پاس اس دھوکے کا نہ کوئی جواب ہے نہ حل۔'' وہ نظرانداز کرتا مڑا۔

''لیکن میرے پاس اس کا حل ہے۔'' وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ آنکھوں میں نفرت لئے بولی، ذوریز نے چند ثانیے اس بے حس ماہین کو دیکھا۔

''کیسا حل؟''

''میری زندگی سے نکل جاؤ۔'' ماہین کی بات پہ وہ کئی لمحے بول نہیں پایا تھا۔

''تم جانتی ہو تم اس وقت کیا کہہ رہی ہو؟'' ذوریز کے لہجے میں بے یقینی ہی بے یقینی تھی۔

''ہاں جانتی ہوں، میں ایک دھوکے باز شخص کے ساتھ اب ایک لمحہ نہیں رہ سکتی۔''

"عارفہ کی خاطر، اس بد ذات بد کردار عورت کی خاطر تم مجھ سے جدا ہونا چاہتی ہو؟ مجھے یقین نہیں آ رہا۔" ذوریز پہ گویا اس وقت غم کے ساتھ ساتھ حیرت کا پہاڑ بھی ٹوٹ پڑا تھا، وہ اس کی خاموشی سے اب تک یہی اخذ کر پایا تھا کہ کچھ وقت گزرنے کے بعد وہ ٹھیک ہو جائے گی، لیکن یہ صرف ذوریز کی خام خیالی ثابت ہوئی تھی، عارفہ کی نوٹنکی نے ماہین کے دل میں نفرت اور بے اعتباری کا کیل بہت مضبوطی سے ٹھونک دیا تھا۔

"تب مجھے بھی یقین نہیں آیا تھا ذوریز آفندی کہ تم مجھے دھوکا دے سکتے ہو، مجھ پہ میری یہ دوست کو فوقیت دے سکتے ہو؟ اپنے نفس کے آگے اس قدر گر سکتے ہو؟ ایک لمحہ لگایا تم نے اور سب برباد کر دیا، میرا یقین مان اعتبار محبت سب کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں تم نے؟ عارفہ کے حسن سے متاثر ہوئے تھے یا اس کی دولت سے، ایسا کیا تھا اس میں، جس کی مجھ میں کمی تھی، جانتے ہو تمہاری اس حرکت نے میرے منہ پہ تمانچہ مارا ہے مجھے یہ باور کروایا ہے کہ مجھ میں کہیں کوئی کمی تھی، میں اس قابل نہیں تھی، میری محبت اور وفا میں وہ طاقت نہیں تھی وہ کشش نہیں تھی جو تمہیں میرا اسیر رہنے دیتی، جو تمہیں میرا بنائے رکھتی، جو تمہیں کسی دوسری عورت کی طرف نگاہ نہ اٹھانے دیتی۔"

"میں نے تمہاری خاطر زندگی کی ہر آسائش کو ٹھوکر ماری، اپنی ماں کو چھوڑا، اپنے شفیق بھائی اور بھاوج کو چھوڑ دیا، اپنی ذات کو پس پشت ڈال دیا اور صرف تمہاری محبت کو دیکھا، اسی کو سب سے اہم سمجھا، لیکن تم ہی نے مجھے غم کی اس سولی پہ لٹکایا ہے جس پہ میں تا عمر لٹکی رہوں گی۔" بولتے بولتے ماہین کی آواز بھرا گئی تھی، ذوریز تڑپ کر اس کے قریب آیا تھا۔

"یا خدا میں نے تمہارا کوئی مان نہیں توڑا، میں نے تم سے عشق کیا ہے ماہی اور عشق میں شرک کی گنجائش نہیں ہوتی، میرے دل میں سوائے تمہارے کوئی نہیں سما سکتا، یہ دل صرف تمہارے لئے دھڑکتا ہے اور مرتے دم تک صرف تمہارے لئے ہی دھڑکتا رہے گا، یہ آنکھیں صرف تمہیں دیکھ کر روشن ہوتی ہیں، تم میری آنکھوں کی روشنی ہو ماہی میرے دل کا چین ہو، زندگی ہو میری، تمہارے بغیر میری زندگی بے معنی ہے، مجھے میری زندگی سے دور مت کرو ماہی، مجھے اس گناہ کی سزا مت دو جو میں نے کیا ہی نہیں ہے۔" وہ اس کے شانوں پہ ہاتھ رکھے جذب سے کہہ رہا تھا۔

"خدا کے لئے خاموش ہو جاؤ ذوریز، اب ان چکنی چڑی باتوں سے تم مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتے، چلے جاؤ پلیز، میری زندگی سے چلے جاؤ، تمہیں اس محبت کا واسطہ جو کبھی تمہیں مجھ سے تھی، پلیز میری زندگی سے چلے جاؤ، تمہیں دیکھتی ہوں تو جینا دشوار لگتا ہے مجھے، احساس ندامت دوچند ہو جاتا ہے کہ تم جیسے شخص کی خاطر میں نے اپنے قیمتی رشتوں کو کیوں چھوڑا؟ میرے اندر کی عورت تو کہتی ہے مجھ پہ، کہ میں نے تمہارا انتخاب کیوں کیا، میری زندگی میں تمہاری موجودگی، تکلیف دینے لگی ہے مجھے، پلیز چلے جاؤ، کہیں بہت دور، اگر تم میری تکلیف دور کرنا چاہتے ہو تو اگر مجھے سکون میں دیکھنا چاہتے ہو تو، اگر مجھے جیتا دیکھنا چاہتے ہو تو، پلیز...... چلے جاؤ، میں خود کو سزا دینا چاہتی ہوں، خود سے انتقام لینا چاہتی ہوں خود کو یہ باور کروانا چاہتی ہوں کہ بے لوث، رشتوں کو ٹھکرا کر جس ایک رشتے کو گلے لگایا جاتا ہے وہ کبھی خوشی نہیں دیتا، کبھی سکون نہیں دیتا، کبھی

راحت نہیں بنتا، بی جان سچ کہتی تھیں، خونی رشتوں کو ٹھکرانے والی عورت، کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا، وہ کبھی خوش نہیں رہ پاتی، میں بھی نہیں رہ پائی۔" ماہین رو رہی تھی اس سے التجا کر رہی تھی اور وہ یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا، اسے بے بس دیکھنا یوں روتے تڑپتے دیکھنا، اس کا یوں واسطے دینا، ذوریز کی جان نکال رہا تھا۔

"ٹھیک ہے، جب محبت پچھتاوا بن جائے تو اسے ریزہ ریزہ ہو کر بکھرنے سے کوئی نہیں روک سکتا اور اب شاید میں بھی اس ریزہ ریزہ ہوتی محبت کو بکھرنے سے نہ روک پاؤں کیونکہ ہمارے بیچ بے اعتباری کے اس فاصلے نے مجھے پلٹ جانے پہ مجبور کر دیا ہے۔" ذوریز اپنی بات مکمل کرنے کے بعد کمرے میں آیا تھا اور الماری سے اس نے اپنے چند کپڑے نکال کر بیگ میں رکھے تھے، واپس آ کر اس نے کارپٹ پہ بیٹھی کھلونوں سے کھیلتی انوش کو اٹھایا تھا اسے والہانہ پیار کیا تھا، اسے سینے سے لگاتے ہوئے وہ چھ فٹ کا مرد ایک بچے کی مانند رو پڑا تھا، ماہین پتھرائی آنکھوں اور بے حس وجود سے اسے دیکھ رہی تھی اور پھر...... انوش کو واپس اس کے کھلونوں کے پاس بٹھانے کے بعد ذوریز نے الوداعی نگاہوں سے اپنی ماہی کو دیکھا تھا، اس کی آنکھوں میں ماہین کے لئے شکوے ہی شکوے پوشیدہ تھے اور پھر وہ آنکھیں پونچھتا باہر نکل گیا تھا۔

اس کے گھر سے جاتے ہی وقت کی سوئیاں رک گئی تھیں ماہین کے اردگرد سکوت چھا گیا تھا، آنکھوں سے کوئی روشنی اور دل سے کوئی دھڑکن لے گیا تھا۔

☆☆☆

موسم بہت سرد تھا، رات کے گیارہ بجے وہ بیگ ہاتھ میں لئے چلتا جا رہا تھا، اس کی آنکھوں میں دھند اتر رہی تھی، معصوم انوش کا ننھا سا چہرہ اس کا دل چیر رہا تھا، ماہین کی بے حسی اور بے اعتنائی نے اسے اندر سے توڑ کر رکھ دیا تھا، وہ اپنی زندگی سے نفرت کا بوجھ لئے چل رہا تھا، اس کے ایک ایک قدم تلے اس کی محبت روندتی چلی جا رہی تھی، دسمبر کی یخ بستہ سرد ہوائیں اس کے آر پار ہو رہی تھیں، مگر وہ اردگرد سے بیگانہ چلتا جا رہا تھا، دفعتاً ایک ٹیکسی اس کے قریب آ کر رکی تھی اور وہ اس میں بیٹھ گیا تھا، ٹیکسی ڈرائیور کو اپنے دیرینہ دوست کے گھر کا ایڈریس بتانے کے بعد اس نے گاڑی کی سیٹ سے سر ٹکا لیا تھا، گاڑی تیزی سے فاصلے کو ناپ رہی تھی، ایک کے بعد ایک منظر اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو رہا تھا، اس کی نظریں شیشے کے پار رواں دواں ٹریفک پہ مرکوز تھیں وقت اسے آگے لے کر جا رہا تھا، لیکن اس کی زندگی پیچھے کہیں بہت پیچھے رہ گئی تھی۔

زندگی اے زندگی نہ دے اے زندگی
نہ جلا ہاتھوں کو یوں
چھونے دے کوئی خوشی
قسمت نے یوں چھوڑا ہمیں
شیشہ بنا کر توڑا ہمیں
زخموں سے ہیں سانسیں بھری
زخموں کو تھوڑا سینے دے ناں
جینے دے ناں جینے دے ناں
زندگی تو جینے دے ناں
پل پل ہے ہر پل سہما ہے کیوں؟
ہر لمحہ کیوں ہے ڈرا؟
چاند آسمان پہ لگتا ہے یوں
خنجر پہ دل ہے دھرا
قاتل سی کیوں ہر رات ہے؟
زخموں سے ہے سانسیں بھری
زخموں کو تھوڑا سینے دے ناں

جینے دے ناں جینے دے ناں
زندگی تو جینے دے ناں
شکوہ کریں ہم غیروں سے کیا؟
خود سے ہوئے اجنبی
چلنے کو آگے رستہ نہیں
لائی کہاں زندگی؟؟؟
آنکھ ہے تو سپنا نہیں
اس بھیڑ میں کوئی اپنا نہیں
زخموں سے ہے سانسیں بھری
زخموں کو تھوڑا سینے دے ناں
جینے دے ناں، جینے دے ناں
زندگی تو جینے دے ناں

ذوریز کی آنکھوں میں پانی جھلملا رہا تھا اور دل زندگی سے شکوہ کر رہا تھا، سب کچھ ختم ہو گیا تھا، آج اس نے سب کھو دیا تھا، وہ خالی دل خالی ہاتھ اور خالی قدموں سے زندگی کے اس خالی جہان میں داخل ہو رہا تھا، جہاں تنہائیاں، ویرانیاں، اور جدائیاں اس کی منتظر تھیں۔

☆☆☆

"مجھے معاف کر دو ماہی! میں نے بڑا ظلم کیا تمہارے ساتھ۔" عارفہ کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا اور وہ بے بسی سے رو رہی تھی، اس کے سامنے بیٹھی ماہین کی آنکھوں سے آنسو کی بجائے گویا لہو ٹپک رہا تھا، اس کا دل پھٹنے کو تھا۔

"میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی عارفہ! تم معافی کے لئے تڑپتی رہو گی ترستی ہو گی لیکن میں تمہیں معاف نہیں کروں گی، تم نے میری ہنستی مسکراتی زندگی اجاڑ دی، تمہارے یقین نے میری محبت کو بے یقین بنا دیا، مجھے مجھ سے میری خوشیوں کو دور کر دیا، میرے ذوریز کو مجھ سے چھین لیا، وہ میرے سامنے روتا رہا گڑگڑاتا رہا، مجھے یقین دلانے کے لئے قسمیں کھاتا رہا لیکن میں نے تم پہ اعتبار کر کے اسے بیس سال بے یقینی میں گزارنے پہ مجبور کر دیا، وہ مجھ سے میری بچی سے دور سات سمندر پار تنہائی کے عذاب سہتا رہا، جوانی کے حسین ترین بیس سال اس نے ہم سے دور اپنے ملک سے دور رہ کر گزار دیئے، کتنی ظالم ہو تم عارفہ؟ میرا ہی گھر ملا تھا تمہیں اجاڑنے کے لئے؟ کیا بگاڑا تھا میں نے تمہارا؟ تم جیسی عورت، عورت کے نام پہ دھبہ ہے، کبھی معاف نہیں کروں گی میں تمہیں اور یقیناً میرا اللہ بھی تمہیں معاف نہیں کرے گا۔" ماہین اسے نفرت آمیز نگاہوں سے دیکھتی اس پہ زہر اگلتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"ماہین...... خدا کے لئے ایسے مت جاؤ...... ماہی پلیز...... مجھے معاف کر دو۔" عارفہ روتے ہوئے بلک رہی تھی التجائیں کر رہی تھی لیکن ماہین اس کی التجاؤں کو اپنے پیروں تلے روندتے کمرے سے باہر نکل گئی تھی، اس کے قدم نہایت تیزی سے اپنی گاڑی کی جانب اٹھ رہے تھے۔

اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اڑ کر گھر پہنچ جائے، ایک ایک لمحہ اب اسے صدیوں جیسا لگ رہا تھا، وہ جلد از جلد گھر پہنچنا چاہتی تھی، وہ ایک بھی لمحہ ضائع کیے بغیر ذوریز کے قدموں میں گر جانا چاہتی تھی ہاتھ جوڑ کر اس سے معافی مانگنا چاہتی تھی اور اس کوشش میں وہ کتنی رش ڈرائیونگ کر کے گھر پہنچی تھی خود اسے بھی خبر نہ تھی، پورچ میں گاڑی روکتے ہی وہ تقریباً دوڑتے ہوئے اندر آئی تھی، اور گیسٹ روم کی طرف بڑھی تھی، اس نے عجلت میں بند دروازہ بجایا تھا، چند لمحوں کے بعد، اس نے دوسری بار دروازہ بجایا، پھر تیسری بار...... اور پھر چوتھی بار اس نے دروازہ دھکیل دیا تھا، اگلے ہی لمحے دروازہ کھل گیا تھا۔

لیکن کمرہ خالی تھا، وہ دیوانہ وار اندر آئی تھی اور باتھ روم کی جانب بڑھی تھی، باتھ روم بھی خالی تھا، اسی اثناء میں آیا بی وہاں آئی تھیں، وہ شاید دروازہ پیٹنے کی آواز سن کر آئی تھیں۔

"ذوریز کہاں ہے آیا بی۔" اس نے ڈوبتے دل کے ساتھ نہایت بے قراری سے پوچھا تھا۔

"وہ تو اسی وقت ہی چلے گئے تھے جب تم گھر سے نکلی تھی۔" آیا بی کے بتانے پہ گویا کسی نے اس کے جسم سے جان نکال لی تھی۔

"کہاں گیا ہے؟" اسے اپنی آواز کسی پاتال سے آتی سنائی دی تھی۔

"پتہ نہیں میری بچی، تمہارے جاتے ہی انہوں نے اپنا سامان پیک کیا ٹیکسی منگوائی اور چل دیئے، میں نے ان سے پوچھا تو میرے ہاتھ میں یہ کاغذ تھما گئے کہ تمہیں دے دوں۔" آیا بی نے ہاتھ میں پکڑا وہ کاغذ ماہین کو دیا اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔

ماہین کانپتے ہاتھوں سے خط کھولے گویا بیڈ پہ گر گئی تھی۔

چھوڑ دیا وہ راستہ
جس راستے سے تم تھے گزرے
توڑ دیا وہ آئینہ
جس آئینے میں تیرا عکس دکھے
میں شہر میں تیرے تھا غیروں سا
مجھے اپنا کوئی نہ ملا
تیرے لمحوں سے میرے زخموں سے
اب تو میں دور چلا
رخ نہ کیا ان گلیوں کا
جن گلیوں میں تیری باتیں ہوں
میں تھا مسافر راہ کا تیری
تجھ تک تھا میرا دائرہ
میں کبھی تھا محور تیرا
خانہ بدوش میں اب ٹھہرا
چھوتا نہیں ان پھولوں کو
جن پھولوں میں تیری خوشبو ہو
روٹھ گیا ان خوابوں سے
جن خوابوں میں تیرا خواب بھی ہو
کچھ بھی نہ پایا میں نے سفر میں
ہو کے سفر کا میں رہ گیا
کاغذ کا وہ سادہ گھر تھا
بھیگتے بارش میں بہہ گیا
دیکھوں نہیں اس چاندنی کو
جس میں ہو تیری پرچھائی
دور ہوں میں ان ہواؤں سے
جو ہوا تجھے چھو کر بھی نہ آئی ہو
چھوڑ دیا وہ راستہ
جس راستے سے تم تھے گزرے

"ماہین میں واپس جا رہا ہوں، تمہاری زندگی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔" ماہین نے بھیگی آنکھوں اور کانپتے لبوں سے آخری بے ربط سا جملہ پڑھا تھا اور پھر وہ کاغذ کا ٹکڑا اس کے ہاتھوں سے گر گیا تھا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

"ماہی پلیز...... ایسا مت بولو...... تمہاری بے اعتباری مجھے مار ڈالے گی۔" ذوریز کی التجاء اس کے کانوں میں گونجی۔

"تم ایک دھوکے باز شخص ہو، دوسروں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے والے محبت کے مٹی پلید کرنے والے۔"

اگلے ہی لمحے ماہین کی بے حسی نے اسے اور شدت سے رونے پہ مجبور کر دیا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ)

حق ہمارا مذہب بھی دیتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ لیں، اس میں ایسی کوئی انوکھی بات نہیں ہے، میرے حیدر میں وہ تمام خوبیاں ہیں جو کوئی بھی لڑکی اس کو اپنی زندگی کا ساتھی بنانے میں فخر محسوس کرے۔'' بی بی نے بیٹی کو تسلی کرائی، اب تو نیچے بیٹھے وہ تینوں نفوس بھی پوری طرح ان خواتین کی طرف متوجہ ہو چکے تھے کہ جوش اور پریشانی میں وہ تینوں ہی اپنی آوازیں بلند کر بیٹھی تھیں اور سب سے بڑی بات جو اس گھر کی اہم خوبی تھی یا خامی کہ کسی ایک ضرور کو بھی در پیش مسئلہ پورے خاندان کا مسئلہ سمجھا جاتا اور اپنے اپنے طور پر اسے حل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی، سو کبھی بھی کسی کو اپنی عام یا خاص بات چھپانے کی نوبت ہی نہ آتی تھی۔

''شجاع کہاں ہے؟ اتنی دیر تو اس نے کبھی نہیں لگائی، مغرب ہونے والی ہے۔'' بی بی کا دھیان نیچے بیٹھے لوگوں میں شجاع کی غیر موجودگی کی طرف گیا۔

''پتہ نہیں بی بی! میں تو سخت عاجز ہوں اس لڑکے کی لاپرواہیوں سے اس کے ابا ہیں تو مجھ پر غصہ ہوتے ہیں، اب بتائیں بھلا چھوٹا بچہ ہے جو میں اس کے پیچھے پیچھے پھرتی ہوں، یہ اپنا حیدر بھی تو ہے ناں، ماشاء اللہ شروع سے ہی ایسا سمجھدار اور خیال کرنے والا، ہر جگہ جانے آنے کی ماں سے اجازت لیتا ہے، جہاں پر بھی ہو، فون کر کے رابطے میں رہتا ہے، ایک میری نالائق اولاد ہے، صبح یونیورسٹی کے لئے نکلا تھا، اب تک کوئی خبر نہیں ہے۔'' وہ جیسے بھری بیٹھی تھیں۔

''ارے تائی، فکر کیوں کرتی ہیں، بس عادت ہوتی ہے اپنی اپنی، ہو جائے گا ٹھیک۔''

''وہ تو ٹھیک ہے بیٹا! مگر آج کل ایسے حالات اور ایسی ایسی باتیں سننے کو آتی ہیں کہ دل ہول کر رہ جاتا ہے میرا، جب تک تم اس کے ساتھ تھے یونیورسٹی مجھے فکر نہیں تھی کس بھی قسم کی، اب جب سے تم نے یونیورسٹی جانا چھوڑا ہے بہت پریشانی ہوتی ہے۔''

''میں جانتا ہوں تائی اس کے سب دوستوں کو، اچھے گھرانوں سے ہیں سب کوئی ایسی ویسی سرگرمیاں نہیں ہیں ان کی جس سے آپ پریشان ہوں بس چھ ماہ تو ہیں اس کے امتحان میں، جیسے ہی فارغ ہوتا ہے، فوراً پکڑ لیں گے اسے۔'' اس نے تسلی کرائی۔

''ارے میرا بچہ! وہ پکڑنے دے ناں خود کو جب بھی کوئی کام کی بات کرو ایک ہی بات کہتا ہے انجوائے کرنے دیں، یہ بھلا کیسا انجوائے ہے جو وہ چار سال سے کر رہا ہے اور ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا۔''

''اس کا تو یہی حل ہے تائی، آپ اس کی شادی کر دیں، کسی تگڑی مٹیارن سے، وہی نکیل ڈال سکتی ہے اسے، ورنہ آپ جیسی نرم دل اور شفیق خاتون سے وہ کسی صورت قابو نہیں آنے والا۔''

''ارے بس بھی کرو میرے بچے کے پیچھے ہی پڑ گئے ہو سب، ذرا سا لاابالی ہے وہ اس عمر میں سب ایسے ہی ہوتے ہیں۔'' عائشہ کی تجویز پر بی بی نے سب کو ہی ٹوک دیا تھا۔

''تم بتاؤ حیدر! تم نے کب جانا ہے ملتان اور آنے جانے کا کیا سلسلہ رہے گا، میں تو خوش تھی کہ میرا بچہ ساری زندگی ہوسٹلوں میں رہا ہے، اب خیر سے تعلیم مکمل کر کے گھر آ گیا ہے مگر اس روزگار سے بھی تمہارا شوق جڑا ہے تو بس جہاں رہو خوش ہو اور ساتھ خیر خیریت کے رہو۔''

''اب تو آپ کے پاس ہی ہوں بی بی جان! یہ رہا ملتان، آپ سوچیں گی اور حیدر علی

بھی بے حد پسند آئی تھی اور پرانے اعتراضات اب دم توڑ چکے تھے، پھر بیٹی کی پسند سے بھی واقف تھیں، دوسری طرف نرگس کو بھی اس لحاظ سے پسند کرتی تھیں کہ ان کا بیٹا ایاز ایک بگڑا ہوا عیاش لڑکا تھا جس کی کئی خامیوں سے واقف ہوتے ہوئے ان کے خیال میں اس کو نرگس جیسی صابر لڑکی ہی سنبھال سکتی تھی اور برداشت کر سکتی تھی، قاسم کے تعلیم مکمل کرتے ہی جسے ہی شاہ نواز (چھوٹے بھائی) نے بیوی کی ایما پر بڑے بھائی سے بچوں کی شادی کی بات چھیڑی، قاسم نے انکار کر کے خاندان بھر میں ایک دھماکا کر دیا تھا۔

☆☆☆

''بی بی! میں تو کہتی ہوں ہمیں شادی کی تیاری شروع کر دینی چاہیے، جب تک بھائی آئیں گے ہماری بھی تیاری ہو گئی ہو گی، باقی کپڑے اور زیور تو جیسے ہی مریم آتی ہے، وہ اپنی پسند کے عائشہ اور سارہ کے ساتھ جا کر پسند کر لے گی۔''

''ہم...... پہلے تو میرا بھی یہی ارادہ تھا نرگس! مگر اب پرسوں قاسم کی جو کال آئی ہے، عجیب ہی بات کی ہے اس نے۔'' بی بی نے نیچے بیٹھے بچوں کی طرف دیکھ کر دبے دبے لہجے میں کہا کہ ان کے کانوں تک بات نہ پہنچ سکے، مگر حیدر بالکل ان کے پاس ہی تو بیٹھا تھا نیچے کارپٹ پر، اس کی سماعتوں تک بڑی آسانی سے وہ بات چیت پہنچ رہی تھی، مگر اس نے کچھ بھی تاثر دیئے بغیر سارہ کو غیر کھیل سمجھانا جاری رکھا تھا، عائشہ بھی عینک لگائے کسی کتاب میں مگن تھی جبکہ شجاع آج کی محفل سے غائب تھا، تائی نے بھی سوئی فریم میں اٹکائی اور بی بی کے چہرے پر پھیلے تفکر کو دیکھ کر گویا ہوئیں۔

''کیا ہوا بی بی؟ کیا کہہ رہا تھا قاسم؟'' اسی کا پروگرام تھا کہ اس کے آتے ہی فوراً شادی کر دی جائے گی اور سب کچھ اسی کے مشورے اور صلاح سے ہی ہو رہا تھا، جبکہ سیدھی سادی نرگس تو حواس باختہ ہو کر ماں کو دیکھ رہی تھیں۔

''ہاں وہ پہلے کی بات تھی، اب اس نے کہا کہ نئے دور کے بچے ہیں، ان کی پسند، ناپسند، ترجیحات ہم سے مختلف ہیں، ابھی مریم کے سامنے شادی کی کوئی بات نہ کی جائے، اسے کچھ دن سب کو سمجھنے اور پرکھنے کا موقع دیا جائے خصوصاً دیہات کا ماحول اور حیدر کی شخصیت کو، اگرچہ ان کی تربیت اور مریم کی فطرت بہت اچھی اور سادہ ہے مگر اس کے بعد ہی کوئی اور بات ہو سکے گی۔'' حیدر کے ہاتھوں نے بے ساختہ پنسل پر گرفت سخت کی تھی۔

''مریم بی بی! جب میں نے ایک آزاد ملک میں رہنے والی، آزاد خیال لڑکی پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں کیا کہ ایسی نہ میری تربیت ہے نہ ذہن تو تم کون ہوتی ہو ہمیں پرکھنے کے بعد فیصلہ دینے والی۔'' دل ہی دل میں وہ اس سے مخاطب تھا۔

''مجھے پہلے ہی دھڑکا تھا بی بی اس بات کا، وہ قاسم کی بیٹی ہے مگر ہم کیوں بھول گئے کہ اس نے پرورش تو گل بھابھی کے ہاتھوں پائی ہے، وہ کیسے ان سے مختلف ہو سکتی ہے، یقیناً اس پر بھی اپنی ماں کے خیالات و افکار کی گہری چھاپ ہو گی قاسم نے پہلے یہ سب کیوں نہیں بتایا، اب جب ہم برسوں پہلے دیکھے گئے اس خواب کی تعبیر چاہتے ہیں جو ہم نے اس گھر کی اور رشتوں کی بھلائی کے لئے دیکھا تھا تو اب وہ ایسے کیسے کر سکتا ہے۔'' نرگس روہانسی ہو گئی۔

''تم پریشان مت ہو نرگس، لڑکا لڑکی کو یہ

دل کا فیصلہ

اُم ایمان قاضی

وہ جیسے ہی گھر پہنچا، پوری پلٹن ہی اس کے استقبال کو تیار کھڑی تھی۔

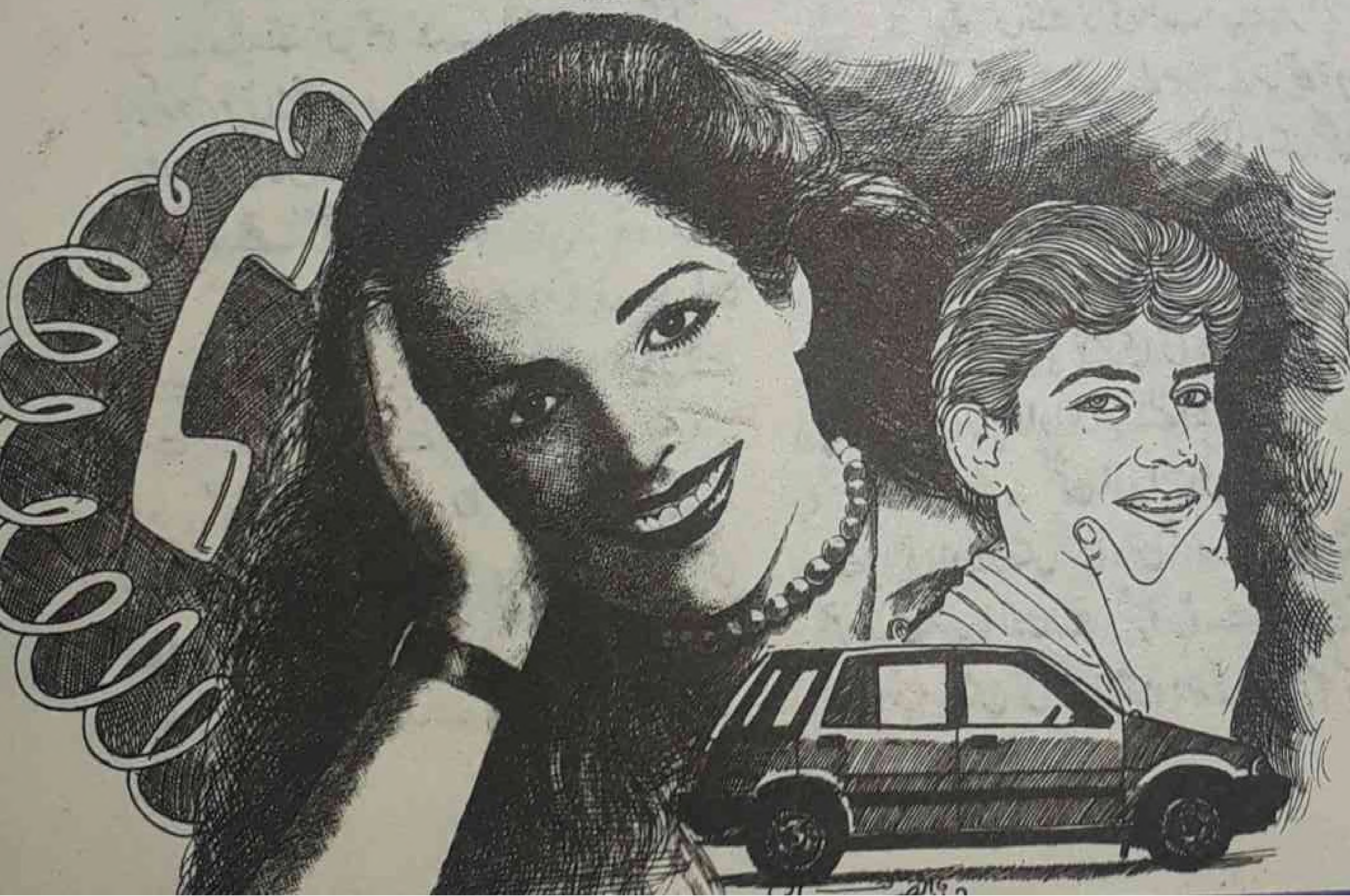
''ارے یہ کیا؟ اتنی بڑی خوشخبری، اٹھارویں گریڈ کے آرڈز لے کے بھی موصوف خالی ہاتھ جھلاتے چلے آئے ہیں، پہلے بہانا تھا کہ ابھی تو صرف پی سی ایس کا امتحان کلیئر کیا ہے، جیسے ہی آرڈز ملیں گے، عیش کرادوں گا، اب محض دو ماہ پہلے کہہ گئے وعدے سے مکر گئے محترم، اب اتنا بھی کنجوس نہیں ہونا چاہیے انسان کو۔'' خفگی سے منہ پھلاتی وہ عائشہ تھی، اس کی بہترین دوست۔

''ہاں یار حیدر! یہ زیادتی ہے بھئی، بجی ٹھیک کہہ رہی ہے، پارٹی تو بعد میں ہوتی رہتی، مگر آج مٹھائی تو بنتی تھی، ایویں ہی سب اپنے کام چھوڑ چھاڑ کر انتظار میں بیٹھے ہیں۔'' شجاع بھی میدان میں آیا۔

''زمانے کے بھوکے ندیدے انسانوں! سانس لینے کا موقع بھی نہیں دے رہے، مجھے تم جو میں بتاؤں کہ میری کیا مجال تھی جو میں خالی ہاتھ آتا، تم لوگوں نے تو میری پرائیویٹ جانبر پر میری جیسی نازل کرلیں تھیں، اب تو خیر سے ایک ریزن بھی ہے، جاؤ شجاع گاڑی میں سے سارا سامان لے کر آؤ اور یہ امی، بی بی، چاچی سب کدھر ہیں؟'' صوفے پر پھیل کر بیٹھتا وہ بولا کہ محنت کا پھل ملنے پر سرشاری کی الگ ہی کیفیت تھی۔

''امی، چاچی تو کچن میں آج کی دعوت کا انتظام کر رہی ہیں، آخری کو لاڈلے سپوت گاؤں کے پہلے گزسیٹڈ آفیسر بن گئے ہیں اور بی بی تو نوافل ادا کر رہی ہیں، یہ خوشی کی خبر گاؤں کراس کرتی ہوئی ملکوں کی سرحد عبور کر گئی اور آپ کی سسرال سے مبارکباد کا فون بھی آچکا ہے۔'' سارہ

مکمل ناول



آنکھیں مٹکاتی ہوئی بولی تھی۔

''اب لگے ہاتھوں بی بی کے نیک ارادے بھی بتا دو شہزادے کو کہ فوراً ہی سر پر سہرا سجانے کو تیار بیٹھی ہیں۔''

شجاع جو گاڑی سے کھانے پینے کے سامان کے تھیلے لا کر ٹیبل پر رکھ رہا تھا، نے بات کو مکمل کیا، حیدر فوراً سنجیدہ ہو کر بیٹھ گیا کہ اپنی چچی کی مرضی اور ارادوں سے بھی واقف تھا اور اڑتی پڑتی اس تک بھی پہنچی تھی کہ چچی تو چچی، صاحبزادی بھی اس رشتے کو ماننے سے انکاری تھی، عائشہ جو اس کے بے حد قریب تھی، کسی حد تک اس کے خیالات اور فطرت سے آگاہ بھی تھی اس نے فوراً ہی شجاع کو ٹوک دیا۔

''دو، دو خوشیوں کو ایک ساتھ ملا کر ایک اور دعوت کا چانس ختم مت کرو بے وقوف انسان، اس لئے اس بات کو چھوڑو فی الحال، تم یہ بتاؤ حیدر کی پوسٹنگ کس جگہ کی ہے تمہاری، چلو اسی بہانے ہم بھی کسی دوسرے شہر کا منہ دیکھ لیں گے، صدیاں ہو گئیں اس گاؤں کی گلیاں، محلے اور کھیت کھلیان دیکھتے، اب تو کھلی، بند ساری آنکھوں سے یہی مناظر ہی آنکھوں کے سامنے پھرتے ہیں۔''

''اتنے بھی جھوٹ کے پہاڑ مت کھڑے کرو تم اپنی مظلومیت ظاہر کرنے کے لئے، ابھی چار ماہ بھی نہیں ہوئے جب سب شمالی علاقہ جات کو گئے تھے۔'' شجاع نے ٹوکا۔

''تم تو میری ہر بات پر اختلاف ہی کرنا سڑے ہوئے انسان؟ ویسے بھی میں حیدر سے بات کر رہی ہوں، تم سے نہیں۔''

''ملتان ہوئی ہے یار! مگر تم لوگ آج کے دن کم از کم یہ لڑائی کا پروگرام بند ہی رکھو۔'' اسی پل بی بی کے آنے سے وہ، ہلکی پھلکی نوک جھونک کا سلسلہ تمام ہوا تھا، حیدر نے اٹھ کر ان کے ہاتھ چومے، انہوں نے اسے گلے سے لگا کر پیار اور دوپٹے سے اپنی آنکھیں پونچھی تھیں۔

''بہت انتظار تھا اس دن کا، آج تمہارا ابا زندہ ہوتا تو اس کی خوشی دیکھنے سے تعلق رکھتی، تھا، بی بی! جس طرح کا حیدر کا دماغ ہے نا، دیکھئے گا یہ ایک دن ریاضی کا پروفیسر بنے گا، وقت چاک لئے دیواریں سفید کرتا نظر آتا، میرے گھر کی دیواریں ریاضی کے سوالات سے بھری پڑی ہیں، اپنی کلاس سے بڑی کلاس کے سوالات منٹوں میں کر لیتا ہے، میں تو اپنی بیماری کی وجہ سے نہیں پڑھ سکا، مگر میرا بیٹا میرا خواب ضرور پورا کرے گا۔'' ان کی بات پر سب افسردہ ہو گئے تھے، کچھ دیر بعد گھر کی باقی خواتین بھی حیدر سے ملیں اور مبارکباد دی تھی۔

''اپنے ابا کی قبر پر چلے جاتے حیدر!'' ان کی امی نے کہا تو حیدر نے بتایا کہ وہ یہاں آنے سے پہلے وہیں گیا تھا کہ ان کا آبائی قبرستان گاؤں کی شروع کی حدود میں ہی تھا۔

''اوجیو میرا شیر! دل خوش کر دیا حیدر نے۔'' تایا کی آمد سے اداسی کا وہ فسوں ٹوٹ گیا تھا۔

''کچھ اس نکمے کو بھی مت دے پتر! پڑھا نہیں کرتا تو زمینیں سنبھالے میرے ساتھ، وہ بھی نہیں پسند صاحبزادے کو اور پڑھائی میں بھی تین سال سے ایک ہی کلاس میں اٹکا ہے، عائشہ نے اپنا ماسٹرز بھی مکمل کر لیا، سارہ کا بی اے ہونے والا ہے اور یہ......'' تایا کو خوشی غمی ہر موقع پر شجاع کی پڑھائی میں لاپرواہ انداز کھلنے لگا تھا۔

وہ خود محنت کش اور انتہائی ذمہ دار انسان تھے، اپنی اولاد میں بھی وہی اوصاف چاہتے تھے جن کے خود مالک تھے، شروع سے انہیں پڑھائی میں دلچسپی نہیں تھی مگر زمین داری کا کام کم عمری

سے ہی اتنے اچھے طریقے سے سنبھالا کہ کچھ ہی عرصہ میں ان کی محنت کا صلہ انہیں شافع کی صورت ملنے لگا تھا، اب تو زمین داری کے ساتھ وہ اپنی فصل اور پھل بھی مارکیٹ میں سپلائی کرنے لگے تھے، مگر چاہتے تھے کہ اکلوتا بیٹا ان کے اس کام میں ان کا بازو بنے، دوسرا بڑا بھائی دیار غیر جا بسا تھا، جس کی صرف ایک ہی بیٹی تھی جبکہ حیدر ان کی بیوہ بہن کا بیٹا تھا جس کی دلچسپی اور رجحان شروع سے ہی تعلیم کی طرف تھا اور آج اس نے اپنی منزل پر پہلا قدم رکھا تھا، باقی سارہ حیدر کی بہن تھی اور عائشہ کا بھی اس گھر میں آنا بہت پہلے طے تھا کہ شجاع کی امی کی بہن اور بہنوئی ایک حادثے میں انتقال کر جانے کے باعث اس بچی کی کفالت کرنے والا نہ کوئی ننھیال میں بچا تھا نہ ددھیال میں ماسوائے شجاع کی امی کے، جو بہن بہنوئی کی آخری رسومات کے بعد بچی کو سینے سے لگائے لوٹی تھیں تو اس گھر میں ہر کسی نے ان کا خیر مقدم کھلے دل سے کیا تھا، عائشہ بھی شجاع کی طرح اپنی خالہ کو امی اور خالو کو ابو کہہ کر پکارتی تھی اور واقعی اسے اس گھر سے بہت پیار ملا تھا۔

☆☆☆

''میری بات غور سے سنو میری! میں پہلے بھی تمہیں بتا چکی ہوں، آج پھر بتا رہی ہوں، تمہارے پاپا تمہیں پاکستان بھجوانے کی تیاریوں میں ہیں، وہ اپنے جاہل خاندان میں تمہیں بیاہنا چاہتے ہیں اور میں اس حق میں نہیں ہوں، جس ماحول اور جن لوگوں سے بڑی مشکل سے میں جان چھڑا کر نکلی تھی، ان سے دوبارہ رشتہ داریاں جوڑنے کی اب میری ہمت ہے نہ ارادہ، میں جمی سے تمہاری شادی کرنا چاہتی ہوں، وہ تمہارے مزاج کا بھی ہے، تمہیں سمجھتا ہے، تمہاری اس سے دوستی ہے پھر وہ تمہارے ماموں کا بیٹا بھی ہے۔''

''او نو مما! جمی شادی کے لئے مجھے نہیں پسند، آپ ٹیپکل مدرز کی طرح یہ مت کہیں کہ میری اس سے دوستی ہے تو میں اس سے شادی بھی کر لوں گی۔'' وہ جو ماں کی بات خاموشی سے سن رہی تھی بیزاری سے بولی۔

''اور پلیز یہ پاپا کی فیملی کے بارے میں میں اتنا آپ کے منہ سے سن چکی ہوں کہ آپ سے زیادہ ہی پتہ ہے مجھے، اس کے باوجود میں وہاں جانا چاہتی ہوں، ملنا چاہتی ہوں، دیکھنا چاہتی ہوں ان کو، ایٹ لیسٹ میرے خونی رشتہ دار ہیں وہ، باقی آپ فکر مت کریں، آپ کا وقت اور تھا جب چپ چاپ ہر زیادتی برداشت کر لی جاتی تھی، میں آج کی لڑکی ہوں، نہ تو اتنی پاگل اور بے وقوف ہوں کہ کوئی پکڑ کر زبردستی میری شادی کرا دے نہ ہی اتنی کمزور کہ آپ کوئی ظلم یا زیادتی برداشت کروں، میں نے پاپا سے بھی یہی کہا ہے کہ میں ان کے طے کردہ کسی سو کالڈ رشتے کو نہیں مانتی جب تک خود دیکھ نہ لوں، پسند نہ کر لوں۔''

''یہی تو سمجھا رہی ہوں تمہیں بے وقوف لڑکی! کہ بہت چالاک لوگ ہیں وہ ایسے گھیرتے ہیں انسان کو کہ اس وقت پتہ ہی نہیں چلتا، تمہارا باپ تو تمہارا نکاح بھی اس وقت کرنے پر راضی تھا، وہ تو میں اڑ گئی تھی اور کہا تھا کہ بچوں کو پسند بڑے ہونے پر بدل سکتی ہے، منگنی ہو گی تو کم از کم کل کو انکار کا حق تو ہو گا ناں، تم نے بس ایک دو دن وہاں رہ کر شہر اپنی آنٹی (خالہ) کے ہاں رکنا ہے، ویسے بھی گاؤں کا پسماندہ ماحول جہاں بنیادی ضروریات تک کی کمی ہے، تم سے کہاں برداشت ہو گا، نہ تم عادی ہو اس ماحول کی، زیادہ ملنے جلنے کی، گھلنے ملنے کی ضرورت نہیں ہے اور

جتنا جلدی ہو سکے باپ کو انکار کر دینا، جی نہ سہی تمہاری آنٹی کا شیراز بھی ہینڈسم لڑکا ہے، مگر ایک بات تو طے ہے کہ میں اس خاندان میں تمہاری شادی کسی صورت نہیں ہونے دے سکتی۔‘‘

’’اوکے مما! ڈونٹ وری، فی الحال مجھے سب کچھ بھول کر صرف انجوائے کرنا ہے، انجوائے اب اگر آپ کی پرمیشن ہو تو میں پاپا کے پاس چلی جاؤں، کافی دیر پہلے بلایا تھا انہوں نے مجھے......‘‘

’’ہاں جاؤ، جانتی ہوں کس لئے بلایا ہوگا، اپنے خاندان کے گن گائیں گے تمہارے سامنے، وہ گاؤں، شہر کیا ملک تک چھڑا ڈالا اس شخص سے، نہ چھڑا سکی تو ان جاہلوں کی یادوں سے پیچھا نہ چھڑوا سکی، ان سے رابطہ نہ ختم کروا سکی، کتنے ظلم کیے ان لوگوں نے مجھ پر مگر تمہارا باپ آج بھی ان کی مالا جپتا ہے اور تو اور اپنی اکلوتی بیٹی کو بھی اسی برزخ میں جلانا چاہتا ہے عمر بھر، جس میں میں جلی تھی۔‘‘ اپنی بیماری کے بعد وہ اور زود رنج ہو گئی تھیں۔

’’او مائی ڈیئر مام! آپ کو مجھ پر یقین ہے ناں، تو پھر یقین رکھیں کہ میں ایسا کچھ نہیں کروں گی جس سے آپ کو کوئی تکلیف پہنچے تو بس آپ ریلیکس رہیں ویسے بھی دو تین ماہ کی تو بات ہے پھر آپ لوگ بھی آ جائیں گے میرے پاس۔‘‘

اس نے ماں کے گال پر چوما، ان کے ہاتھوں کو تھپتھپا کر باہر آئی اور ایک طویل سانس لے کر خود کو باپ کے پاس جانے کے لئے تیار کیا۔

☆☆☆

وہ ان کے چچا کی بیٹی تھی، بے حد خوب صورت اور طرحدار، دادا مرتے وقت اپنے دونوں بچوں کے آپس میں رشتے طے کر گئے تھے، دادا کی بڑی بہو ان کی بھانجی تھی جو ایک سیدھی سادی، معاملہ فہم اور صابر عورت تھی، جبکہ دوسری بہو کران کے بیٹے نے کالج میں پسند کیا تھا اور اپنے بچپن کی منگ ٹھکرا کر ضد میں آ کر اس سے شادی بھی کر لی تھی، دادا بہت عرصہ ان سے ناراض بھی رہے تھے، مگر ماں باپ وہ واحد رشتہ ہیں جو اولاد کی بڑی سے بڑی خطا کو بھی اپنی محبت کی عینک لگا کر دیکھتے ہیں تو وہ چھوٹی نظر آتی ہے، سو کچھ عرصہ بعد ہی سہی دادا نے ان کو معاف کر کے گلے سے لگا لیا تھا، دادا چاہتے تھے کہ ان کے بیٹے ساتھ اور مل کر رہیں مگر ان کی بیوی نے گاؤں جا کر بسنا گوارا نہیں کیا تھا، بڑے بیٹے کا ایک بیٹا قاسم اور بیٹی سائرہ تھی جبکہ چھوٹے کے بھی بیٹا بیٹی ہی تھے، چھوٹی بہو کو پتہ نہیں اپنی امارت کا غرور تھا کہ حسن پر زعم کہ وہ کبھی بھی ان کے خاندان کا حصہ بن نہ سکیں، ہاں عیدوں اور تہواروں پر اپنے شوہر اور بچوں کے ہمراہ آ جاتیں، دادا نے چھوٹی بہو کا رویہ دیکھ کر ایک روز دونوں بیٹوں کو بلایا تھا اور باہمی مشورہ کے بعد دونوں بھائیوں کے رشتے کو بچوں کے آپس میں رشتے طے کر کے اپنی دانست میں زیادہ مضبوط کر دیا تھا، چھوٹی بہو بہت اعتراض کے باوجود شوہر کے سامنے دم نہ مار سکیں، جوانی کی دہلیز پر پہنچتے گل تو بڑے چچا کے بیٹے قاسم پر فریفتہ ہو چکی تھی کہ ان کے کالج کا سب سے ہینڈسم اور ڈیشنگ لڑکا اس کا کزن پھر منگیتر بھی تھا، یہ سوچ کر وہ پھولے نہ سماتی مگر قاسم جس کی تربیت سائرہ بیگم کے ہاتھوں میں ہوئی تھی اس کو اس قسم کی چھچھوری لڑکیاں ہرگز پسند نہیں تھیں، اس کی اپنی بہن نرگس بھی شہر میں ہی تعلیم حاصل کر رہی تھی، مگر اپنی ماں کی طرح سلجھی ہوئی فطرت کی مالک تھی، چھوٹی چچی کی ہی خواہش تھی کہ کس طرح قاسم کو شہر ہی سیٹل کرا لیں ویسے بھی اک کی پرسنیلٹی تو انہیں

آپ کے پاس ہوگا، باقی ٹائم ٹیبل اور روٹین تو وہاں جا کے ہی پتہ چلے گی۔‘‘

’’السلام علیکم یا عزیزان!‘‘ اسی پل ہاتھ میں چابی ہلاتا ہوا شجاع اندر داخل ہوا۔

’’وعلیکم السلام برخودار! دنیا کی یونیورسٹی ایک بجے ختم ہو جاتی ہے، آپ کی واحد یونیورسٹی ہے جو مغرب کے وقت بند ہو رہی ہے۔‘‘ تایا نے پیچھے سے آ کر اس کا کان پکڑا تھا، شجاع نے آنکھوں ہی آنکھوں میں حیدر کو التجا کی تھی۔

’’ارے تایا! عام طور پر تو مجھے نہیں پتہ مگر آج یہ میرے ایک کام سے گیا تھا ایک دوست کے پاس۔‘‘

’’سچ بول رہے ہو حیدر یا اس کو بچانے کی کوشش کر رہے ہو؟‘‘ حیدر کے تیزی سے بول اٹھنے پر انہوں نے اس کا کان تو چھوڑ دیا تھا مگر اب بھی ان کے لہجے میں بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

’’اچھا اچھا ہاشم! چھوڑ بھی دو اب، آئندہ نہیں کرے گا کچھ ایسا، تم یہاں آؤ مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے اور بچیو! تم ذرا اٹھ جاؤ اب، کچن جا کے دیکھ لو، مغرب کی نماز پڑھ کر کھانا لگا لینا۔‘‘ بی بی جان نے شجاع کی جان بخشی کراتے ہوئے تایا جان کو اپنے پاس بلایا، تایا جان ان کی اپنی اولاد نہیں تھے بلکہ ان کے شوہر کی پہلی بیوی سے تھے جو پانچ سال کے ہاشم کو چھوڑ کر ایک موذی بیماری کا شکار ہو کر چل بسی تھیں، مگر انہوں نے انہیں کبھی بھی ماں کی کمی محسوس نہ ہونے دی تھی، نہ ہی کبھی اپنی سگی اولاد اور ان میں کوئی فرق روا رکھا تھا، یہی وجہ تھی کہ سوتیلا پن تو ایک طرف دونوں جانب سے سوتیلا لفظ بھی کبھی ان کے بیچ میں نہ آیا تھا۔

’’دیکھ شجاع! میں روز روز نہ تو تیری طرف داری کر سکتا ہوں نہیں کوئی اور جھوٹ بول سکتا ہوں، زندگی کوئی کھیل تماشا نہیں ہے یار! اسے سنجیدگی سے لے، ہر ماں باپ کو ہی اپنی اولاد سے بے شمار توقعات ہوتی ہیں، تو اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا ہے تو تجھ سے بھی یقیناً ہیں، ہنسی مذاق زندگی کا حصہ ضرور ہونا چاہیے مگر پوری زندگی اپنی فضولیات میں ضائع کرنا بے وقوفی ہے۔‘‘

’’لو بھئی دنیا میں ایک ہی خیر خواہ تھا میرا، آج اس سے بھی گیا۔‘‘ وہ اسی طرح غیر سنجیدہ تھا۔

’’اور تم حیدر! ابا کو بتاؤ نہ بتاؤ، میں تو ضرور بتا رہی ہوں کہ اس نے تمہارے دوست سے تیس ہزار ادھار لے کر دوستوں میں اڑا دیئے، بعد میں وہ رقم تمہیں اپنی جیب سے ادا کرنی پڑی تھی۔‘‘ عائشہ نے ناک سے پھسلتی عینک کو دوبارہ اپنی صحیح جگہ پر جماتے ہوئے سنجیدگی سے کہا، شجاع اچھل کر سیدھا ہوا۔

’’او ابا کی چمچی! خبردار جو ابا کو بتایا تو، تو بھی حیدر کمال کرتا ہے یار، ایک احسان کر ہی دیا تھا تو اس پھاپھا کٹنی کو بتانے کی کیا ضرورت تھی؟ پتہ بھی ہے کہ عورتیں کتنی بے وقوف اور پیٹ کی ہلکی ہوتی ہیں؟‘‘

’’یہ تو ابا بتائیں گے تمہیں کہ عیاشی کیسے کرتے ہیں دوسروں کے پیسے پر اور دوستوں کو کیسے کراتے ہیں۔‘‘ وہ تو سنجیدہ ہو کر باقاعدہ چپل پہن کر باہر جانے لگی۔

’’ارے ارے عائشہ! رکو رکو، اگلی بار میں بہت اچھی کتابیں لانے والا ہوں تمہارے لئے تمہاری برتھ ڈے پر۔‘‘ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے دروازے سے واپس کھینچ لایا جبکہ حیدر شجاع کو بھیگی بنے دیکھ مسکرائے جا رہا تھا۔

’’مجھے نہیں چاہیں ادھار کے پیسوں کے

گنگناتی۔"

"معاف کر دو عائشہ! بہن نہیں ہو شجاع کی۔" حیدر نے جلتی پر تیل ڈالا۔

"خبردار...... بہن ہو گی تمہاری، میری تو اچھی والی، اصلی والی کزن ہے۔"

"وعدہ آئندہ یہ ادھار پروگرام بند۔" اس نے باقاعدہ کان پکڑے۔

"ادھار پروگرام بند کرنے سے پہلے دو ہزار میرے نکالو جو پچھلے ماہ مجھ سے یکم کو واپس کرنے کے دعوے کے ساتھ لئے تھے۔" عائشہ کی بات پر حیدر ہنستا ہوا لوٹ پوٹ ہو گیا۔

"لے بھئی شجاع! آج برا پھنسا تو۔"

"کھی کھی کر کے اس کو اور شہہ دیئے جا، یہ نہیں کہ بھائی کی مدد ہی کر دے۔" حیدر کو کہتا ہوا وہ عائشہ کے پاس آیا۔

"بالکل بالکل...... صرف آج کی رات دے دو مجھے، کل صبح تمہارے روپے نہ دیئے تو جو چور کی سزا وہ میری۔"

"آ جائیں بھئی سب لوگ، کھانا لگ چکا ہے، بی بی بلا رہی ہیں۔"

"ٹھیک ہے مگر صبح کا مطلب صبح ہی ہونا چاہیے، یہ نہ ہو پچھلی یکم کی طرح یہ صبح بھی کبھی آئے ہی نہیں۔"

"اف یہ تھانیدارنی، یہ سارا تیرا کیا دھرا ہے حیدر! تو دوست ہے یا آستین کا سانپ جب تک اپنی چہیتی کو پتا نہیں دیتا سب کچھ چین نہیں آتا تجھے، پتا بھی ہے پھٹا ڈھول ہے پھٹا ڈھول، اب کو ایک کی چار جا کے لگاتی ہے۔"

"اچھا ہے ناں، تیرے لئے کوئی ایسا ہی بندہ چاہیے جو تجھے کس کے رکھے بلکہ تیرے سارے کس بل ہی نکال دے۔" وہ ہنستا ہوا بولا

☆☆☆

ایئرپورٹ پر اسے تایا ہی لینے آئے تھے، پاپا کی شباہت رکھنے والے مگر دیہاتی لب و لہجے اور لباس کے ساتھ وہ اسے خاصی دلچسپ شخصیت کے مالک لگے تھے۔

"دیکھو مریم! عموماً عورتوں کا ظرف اپنے سسرال والوں کے حوالے سے چھوٹا ہوتا ہے، تمہاری ماں کا ظرف کچھ زیادہ ہی کم پڑ گیا تھا میرے خاندان کے لئے اس نے ہمیشہ تعصب کی عینک لگا کر ان رشتوں کو دیکھا، اس لئے ہمیشہ ایک خود ساختہ نفرت میں مبتلا ہی، اب وہ تمہیں بھی وہی سب کچھ دکھانا چاہتی ہے، مگر تم ایک ایجوکیٹڈ اور میچور لڑکی ہو، ہر رشتے اور رویے کو اچھی طرح جانچ اور پرکھ سکتی ہو، اس لئے کچھ بھی جانے تعبیر نتیجہ مت اخذ کر کے جانا اس سے تمہیں بھی سب ویسے نظر آئے گا جیسے تمہاری ماں چاہتی ہے، یقین کرو وہ سب محبتوں سے گندھے بہت خالص اور خوبصورت لوگ ہیں اور حیدر وہ تو ہیروں میں تولے جانے کے قابل ہے، یہ مت سوچنا کہ میں میرا بھتیجا ہے تو میں اس کے لئے تمہیں کنوینس کر رہا ہوں، بلکہ حقیقت میں بھی ایسا ہی ہے۔" مما نے آتے آتے بھی اپنے سسرال کی زیادتیوں کا ہولناک ترین نقشہ کھینچ کر بھیجا تھا تو پاپا نے ایئرپورٹ پر اس سے ملتے وقت یہ الفاظ دہرائے تھے اور واقعی جب وہ تایا سے ملی تو اس کے ذہن میں کچھ بھی نہ تھا، نہ مما کی ہدایات نہ پاپا کی نصیحتیں، بہت حیرت، شوق اور دلچسپی سے وہ یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی، اکیس سالہ زندگی میں یہ اس کا تیسرا چکر تھا پاکستان کا، آٹھ سال قبل وہ پاپا کے ساتھ صرف ایک ہفتے کے لئے آئی تھی جس میں صرف دو دن انہوں نے گاؤں میں گزارے تھے۔

"کتنا خوب صورت ملک دیا ہے اللہ نے ہمیں، پھر بھی اتنی خامیوں کے باوجود اس میں اتنی کشش ہے کہ اس کا سحر لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے، خود سے باندھ لیتا ہے۔"

"ہے ناں انکل؟"

"انکل نہیں پتر...... تایا...... تایا ابا ہوں تیرا۔" اس نے گاڑی رکوا کر دور تک لہلہاتی فصل کی تازگی کو جیسے اپنے اندر اتارا تھا اور اس خوب صورت منظر کو اپنی آنکھوں کے ساتھ ساتھ کیمرے میں بھی قید کرتی گئی تھی، اسی طرح دور نیلے افق پر لمحہ لمحہ غائب ہوتا وہ نارنجی گولہ بھی اس نے اپنے پاس محفوظ کر لیا، سب ہی شدت سے اس کے منتظر تھے، بڑوں کے بعد اپنے کزنز سے ملنے کی باری آئی تھی۔

"میں شجاع! دس سال پہلے جتنا حسین، ڈیشنگ اور سمارٹ تھا، دس سال بعد دس گنا زیادہ ہو چکا ہوں۔" شجاع کی بات پر اس نے دلچسپی سے اسے دیکھا تھا۔

"یہ جو خرانٹ اور سڑی ہوئی لڑکی ہے ناں، اس سے دس سال پہلے تمہاری ملاقات نہیں ہوئی تھی کیونکہ یہ ان دنوں ہاسٹل میں تھی اور اب اس سے مل کر تمہیں خوشی ہو گی کہ اچھا ہوا تم اس سے تب نہیں ملی تھیں۔" اس نے عائشہ کا تعارف کرایا جو آج کل اس سے سخت ناراض تھی اور وہ یقیناً اسے اپنا غصہ نکالنے کا موقع دینا چاہ رہا تھا۔

"نہیں نہیں مریم! شجاع بھائی تو ایسے ہی ہر وقت بولتے رہتے ہیں جو منہ میں آتا ہے ورنہ عائشہ جیسا تو دنیا میں کوئی اور ہے ہی نہیں۔" سارہ نے جلدی سے آگے بڑھ کر کہا۔

"واقعی! اور مجھے تو آپ جیسا بھی سوئیٹ اور انوسنٹ آج تک کوئی ملا ہی نہیں۔" اس نے سارہ کے گال پر چٹکی کاٹی تو وہ شرم سے سرخ پڑ گئی۔

"اور اس گھر کے اکلوتے برسر روزگار چشم و چراغ بسلسلہ جاب کل ہی یہاں سے سدھار چکے ہیں مگر جلد ہی ان سے آپ کی ملاقات کرا دی جائے گی۔"

"بس بھی کرو شجاع یہ مسخرا پن اور بچی کو ٹھیک طرح سے بیٹھنے تو دو، بلکہ مریم بچے، تمہارے لئے کمرہ سیٹ کر دیا ہے، تھوڑی دیر آرام کر لو تو پھر کھانا کھاتے ہیں سب مل کر، عائشہ جاؤ بہن کو کمرے تک چھوڑ کے آؤ اور تم شجاع مجھے اپنے چچا کا نمبر ملا کر دو، میں اسے بتا دوں کہ مریم خیر خیریت سے پہنچ چکی ہے، وہ دو بار فون کر کے پوچھ چکا ہے۔"

بی بی جان نے ایک ساتھ ان تینوں کو مخاطب کیا تھا، عائشہ سر ہلاتی ہوئی مریم کو ساتھ لے گئی تھی جبکہ سارہ اس کا ہینڈ کیری گھسیٹتی ان کے پیچھے ہی گئی تھی۔

"کچھ عقل بھی ہے کہ نہیں شجاع! وقت اور ماحول ہی دیکھ لیتے ہیں مگر نہیں تمہاری زبان جب چل پڑے تو نہیں دیکھتی کہ سامنے کون ہے اور کیا بات مناسب ہے اور کیا غیر مناسب؟" تائی نے موبائل پر نمبر ملاتے شجاع کو آڑے ہاتھوں لیا۔

"اب میں نے کیا کر دیا والدہ حضور! بس اپنی کزن سے اپنا اور باقی کزنز کا تعارف ہی تو کرایا ہے، اب اس میں بھی پابندی لگائیں گے آپ لوگ۔"

"ہیلو جی...... یہ لیں بی بی جان، کال مل گئی ہے بات کریں مگر۔" جب ابھی اس نے بات مکمل نہ کی تھی کہ دوسری طرف قاسم صاحب کی آواز سن کر اس نے موبائل بی بی جان کی طرف بڑھایا۔

"ویسے بی بی! صرف پہناوا ہی مغربی لگ

رہا ہے مریم کا، ورنہ تو بڑی سیدھی سادھی اور منکسار بچی لگ رہی ہے۔'' جب وہ بات مکمل کر چکیں اور موبائل بند کر کے ٹیبل پر رکھا تو نرگس نے ایک امید سے بی بی جان سے کہا تھا۔

''ہاں...... ہاں تم تسلی رکھو، باقی جیسا دیس ویسا بھیس تو جب یہاں رہے گی تو پہناوا بھی بدل جائے گا، حیدر نے کب تک آنا ہے؟''

''کل اس سے بات ہوئی تھی، بتا رہا تھا کہ ہفتے والے دن آ جائے گا انشاء اللہ اور سوموار صبح واپسی ہو گی، آپ سے بات کرنا چاہ رہا تھا مگر آپ کے آرام کا وقت تھا تو میں نے جگایا نہیں۔''

''اچھا...... اچھا خیر سے آئے، تم بچیوں کے ساتھ کچن دیکھ لو اور خود بھی ایک چکر مریم کے کمرے کا لگا کر کسی چیز کی کمی نہ ہو، کا پوچھ لینا، پتہ تو ہے آج کل کے بچے کتنے نازک مزاج ہیں؟ میں ذرا قرآن پاک کی تلاوت کر لوں۔'' انہوں نے کہہ کر ادب سے پاس رکھا رحل شریف اٹھایا اور اپنے سامنے رکھ لیا۔

☆☆☆

اس نے نہ صرف گل سے شادی سے انکار کر دیا تھا بلکہ وہ نرگس کو بھی کسی صورت وہاں بیاہنے کے حق میں نہیں تھا، اپنے لئے تو اسے اپنے دوست کی بہن بہت پسند آئی تھی جو اس کی خواہشات کے مطابق ایک سنجیدہ اور سلجھی ہوئی شخصیت کی مالک تھی جبکہ گل نے یونیورسٹی کے دو سال اپنے چھچھور پن اور ہٹ دھرم فطرت کی بنا پر قاسم کو خود سے برگشتہ کر دیا تھا، جبکہ ایاز کی غیر اخلاقی سرگرمیاں بھی سر عام تھیں یونیورسٹی میں، لڑائی جھگڑے کے کیس میں ایک دو دفعہ جیل کی ہوا بھی کھا چکا تھا، قاسم نے پہلے پہل تو ماں کے سامنے دبے الفاظ میں منع کیا تھا، مگر اب شادی کی بات چھڑنے پر ببانگ دہل انکار کر دیا تھا۔

''سوری ابا! چچی کی فطرت اور تربیت سے واقف ہیں آپ پھر بھی مجھے حیرت ہو رہی ہے کہ آپ اس بے جوڑ رشتے کے لئے مجھ پر دباؤ ڈال رہے ہیں، میں کسی بھی صورت اس لڑکی کو اپنی زندگی میں شامل نہیں کر سکتا جو عادات و فطرت میں بالکل چچی کا پرتو ہے، یونیورسٹی میں میں نے اس کی آزاد خیالی اور خودسری کے مظاہرے دیکھے ہیں اور میں اسے اپنی ناپسندیدگی کے بارے میں بتا بھی چکا ہوں۔''

''یہ رشتہ تمہارے دادا مرحوم کا طے کیا ہوا ہے، بڑی مشکل اور بہت دیر بعد ہم بھائی ان ناراضیوں کے بعد ملے تھے جو شاہ نواز کے اپنی مرضی سے شادی کرنے پر ہمارے بیچ ہو گئی تھیں، اب میں نہیں چاہتا کہ اس انکار پر یہ رشتہ پھر سے لوٹ جائے باقی گل شہر میں پلی بڑھی ہے تو اس لئے اس کی ذات اور شخصیت میں وہی رنگ نمایاں ہے، یہاں آئے گی تو تم اسے اپنے مطابق ڈھال لینا، بہت گنجائش ہوتی ہے لڑکیوں میں خاوند کی مرضی ک مطابق ڈھل جائے گی، ہاں ایاز کے بارے میں مجھے بھی اڑتی پڑتی سننے کو ملی تھی، یہ شادی ہو جائے تو پھر ہم یہ کہہ کر بھی منع کر سکتے ہیں کہ وٹہ سٹہ ہمیں نہیں پسند۔''

''نہیں ابا! گل اتنی ہٹ دھرم ہے کہ اس سے کسی قسم کی امید رکھنا بے وقوفی ہے اور میں محض قیاس پر اپنی زندگی برباد نہیں کر سکتا، میں نے تو کئی بار اس کو اپنی دوستوں کو یہ کہتے سنا کہ اسے گاؤں کا ماحول اور زندگی ہرگز نہیں پسند، وہ شادی کے بعد ہمیں شہر میں سٹیل ہو جائے گی اور لڑکی ہو کر اس کی دیدہ دلیری دیکھیں کہ وہ میرے سامنے بیٹھ کر یہ گل افشانیاں بڑے فخر سے بیان کرتی تھی، میں اماں کو اپنی پسند بتا چکا ہے، آپ نے میری شادی کرنی ہے تو وہیں رشتہ لے کر جائیں ورنہ میں گل سے تو کیا کسی سے بھی شادی نہیں کروں گا۔'' یہ اس کی ابا کے ساتھ تیسری بیٹھک تھی جس میں وہ اس کو گل سے شادی پر منانے میں ناکام رہے تھے۔

جیسے ہی یہ خبر شہر پہنچی تھی اس نے گل کو تو تپتی جھلتی آگ پر لا کھڑا کیا تھا، مزید شاہ نواز نے بھی بیوی کے کہنے پر بھائی سے قطع تعلق کر لیا تھا، یوں محض تین ماہ بعد قاسم اپنی پسند کرا اپنا چکا تھا اور نرگس کی شادی بھی اس کے ماموں کے بیٹے سے کر دی گئی تھی جو حیثیت میں تو اس کے ہم پلہ نہ تھا مگر ایک شریف اور خود دار نوجوان تھا، ماں باپ وفات پا چکے تھے، گاؤں میں ہی چھوٹا سا جنرل سٹور تھا، اس خبر نے چچی پر مزید بجلی گرائی تھی کیونکہ وہ دل سے چاہتی تھیں کہ نرگس جیسی معاملہ فہم لڑکی جس کے ساتھ اچھی خاصی جائیداد کا ترکہ بھی تھا ان کے ہاں بیاہ کر آئے، دوسری طرف گل تو انتقام اور ٹھکرائے جانے کی آگ میں جھلس رہی تھی وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کوئی اس جیسی خوب صورت لڑکی کو بھی ٹھکرا سکتا ہے، نفرت کا پہلا بیج قاسم اور اس کے گھر والوں کے لئے اس کے دل میں اگ چکا تھا جسے آگے جا کر تنا آور درخت بننا تھا۔

☆☆☆

''تم...... یہ کپڑے پہن کر ہمارے ساتھ جاؤ گی؟'' اپنی چادر ٹھیک کرتی ہوئی عائشہ جیسے ہی مریم کے کمرے میں آئی، اس کا لباس دیکھ کر حیران رہ گئی۔

''ہاں کیوں؟ کیا ہوا؟ کیا برائی ہے ان کپڑوں میں؟'' ڈریسنگ ٹیبل پر برش رکھ کر وہ ناگواری سے کہتی اس کی جانب مڑی۔

''نہیں لباس میں تو کوئی برائی نہیں ہے، مگر ہر جگہ کا ایک ماحول اور اس کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں، وہاں بھلے تم جو بھی پہنتی تھیں لیکن یہاں تم نے کسی عورت کو اس لباس میں تو کیا دوپٹے کے بغیر بھی نہیں دیکھا ہو گا؟''

''سو واٹ، اب ان لوگوں اور ماحول کے لئے میں خود کو نہیں بدل سکتی، میں نے عمر بھر یہاں نہیں رہنا جو اپنا سٹائل اور ڈریس بھی ان کے مطابق اور ان کی پسند کا پہنوں۔'' تایا نے صبح ہی ناشتے پر شجاع کو کہا تھا کہ بچیوں کو ذرا زمینوں کا چکر ہی لگوا آئے۔

''حیدر کو تو آ جانے دیں ابا، اس کے بغیر کیا خاک مزہ آئے گا۔'' عائشہ کے جلدی سے بولنے پر مریم نے ناگواری سے عائشہ کی طرف دیکھا تھا، نہ جانے کیوں یہ لڑکی پہلے دن ہی سے اسے پسند نہ آئی تھی، ایک تو اس کے ذہن میں گاؤں کی ایک لڑکی کا اتنا تعلیم یافتہ ہونا ہی حیرت انگیز تھا اوپر سے وہ بے حد خود اعتماد تھی، تیسری سب سے بڑی وجہ جس نے اسے تھوڑا سا عائشہ سے برگشتہ کیا تھا وہ اس کا حیدر پر استحقاق جمانا تھا، بھلے وہ یہاں اسے دیکھ کر پرکھنے آئی تھی مگر اندر ہی اندر اس پر اپنا حق بھی سمجھتی تھی کہ جب تک اس کے بارے میں وہ خود کوئی فیصلہ نہ کر لے، دوسرا کیسے اس پر حق جما سکتا ہے، ان دو دنوں میں کوئی دس بار عائشہ نے حیدر کا ذکر کیا، اپنی ٹیلی فونک گفتگو کا تذکرہ بھی کیا حالانکہ وہ معاوہ پرخلوص لڑکی اپنی طرف سے اسے کمپنی دینے کی کوشش میں اسے تپا رہی تھی۔

اور واقعی شجاع نے تو اس کا لباس دیکھ کر اپنے ہی انداز میں بات کی تھی۔

''آنسہ مریم خاتون! مانا کہ آپ اس لباس میں بہت حسین لگ رہی ہیں، کسی بھی ہالی ووڈ کی ہیروئین جیسی حسین، مگر ہمارے یہاں کے لوگ ٹھہرے سادہ نہایت ہی سادہ، یہیں گیٹ کے

پاس ہی گھیر لیتا ہے آپ کو کوئی عجوبہ سمجھ کے، حالانکہ یہ کام تو انہوں نے جب آپ آئی تھیں تب بھی کرنا تھا مگر ابا کی عقل نے کام کیا اور وہ گاڑی گیٹ تک لے آئے، ورنہ پھر ایک تماشا ہی لگنا تھا یہاں۔''

اور وہ جس نے منہ پھاڑ کر عائشہ کو انکار کر دیا تھا، بادل نخواستہ ہی سہی جینز شرٹ پر سارہ کا دوپٹہ گلے میں ڈالنے پر تیار ہو گئی تھی، شجاع نے بھی اس کی ہٹ دھرمی دیکھ کر تایا سے کہہ کر گاڑی منگوائی اور گاڑی میں بیٹھے بیٹھے ہی گاؤں کا چکر ان کو لگوایا تھا، ہاں اپنے ڈیرے میں کچھ دیر وہ رکے تھے کہ وہاں کے ملازمین کو اس نے باہر بھیج دیا تھا، تفصیلی پروگرام چونکہ حیدر کے آنے پر بننا تھا تو بی بی کی ہدایات تھیں کہ کھانا وہ لوگ گھر آ کر کھائیں، سو فرائز اور کولڈ ڈرنک سے لطف اندوز ہوتے وہ دوپہر تک گھر لوٹ آئے تھے۔

مریم کھانا کھا کر جو سوئی تو شام کو خبر لائی تھی، گرمیوں کا آغاز تھا، سو باہر کھلے آنگن میں ہی چھڑکاؤ کر کے چارپائیاں لگی ہوئی تھیں، گھر کے سبھی لوگ ہی وہاں تھے، ماسوائے تایا جان، بالوں کو سمیٹتا اس کا ہاتھ وہیں رک گیا کہ ان سب کے بیچ وہ بھی موجود تھا، عائشہ کی کوئی بات بڑے دھیان سے سنتا ہوا، وہ اپنی تصویروں سے بھی زیادہ خوبرو تھا جو وقتاً فوقتاً پاکستان سے بھیجی جاتی تھیں۔

''لو آ گئی مریم بھی، آؤ بچے آؤ، یہاں میرے پاس بیٹھو، حیدر یہ مریم ہے اور مریم یہ حیدر ہے۔'' بی بی نے اپنے پاس ہی اس کی جگہ بنائی تھی، جبکہ وہ اتنی دیر سے اسے سلام کر کے دوبارہ عائشہ کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

مریم کو اس پل اس کا انداز بہت برا لگا تھا اور عائشہ پہلے سے بھی بہت بری سات سمندر پار سے آئی کزن کیا رسمی سے حال احوال پوچھنے کے بھی قابل نہ لگی تھی اسے، عجیب سی توہین کا احساس ہوا تھا اسے۔

''سارہ چائے دو بہن کو۔'' نرگس کے سارہ کو کہا، وہ سر ہلاتے ہوئے اٹھ گئی تھی۔

''مجھے کچھ دنوں کے لئے شہر جانا پڑے گا بی بی، تایا سے کہہ کر کل مجھے بھجوا دیجئے گا۔''

''کیوں خیریت تو ہے ناں بچے! شہر تو بندہ کسی کام سے جا سکتا ہے مگر دنوں کے لئے کیوں۔'' بی بی نے مریم کو دیکھا جس کے ماتھے پر بل کیوں تھے، ان کو سمجھ میں نہ آ سکا، ہاں اس کی بات پر باقی سب بھی اس کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔

''عزیزی مریم! کیا ہوا ہماری مہمان نوازی پسند نہیں آئی یا ہم لوگ دل میں نہیں اتر سکے جبکہ اس گھر کا اصل میزبان، اس گھر کی شان کی تشریف آوری آج ہی ہوئی ہے، ہم نے تو کتنے پروگرام طے کر رکھے ہیں اور آپ شہر جانے کی بات کر رہی ہیں۔'' شجاع نے بسکٹ اٹھا کر منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

''ہاں شہر میں ممی کے کچھ ریلیٹوز سے بھی ملنا ملانا ہو جائے گا اور پھر میں نے اپنے آؤٹ لٹ کے لئے بھی کوئی جگہ سلیکٹ کرنی ہے، شیراز کی کال آئی تھی، وہ اگلے تین چار دن فری ہے تو اس کے ساتھ ہی جانا ہے اس کام کے لئے۔''

''آؤٹ لٹ تک کی تو بات سمجھ میں آ گئی مادام کہ آپ نے بتایا تھا آپ ڈریس ڈیزائنر ہیں اور چچا کے آنے تک اپنا کام سٹارٹ کر دینا چاہتی ہیں، یہ شیراز کون ذات شریف ہیں۔'' اب کی بار بھی شجاع نے بی بی کے دل کی آواز زبان سے نکالی تھی۔

''شیراز مما کی کزن کا بیٹا ہے اور میرا بہت

اچھا فرینڈ ہے، وہ بھی اس فیلڈ سے ریلیٹڈ ہے تو ہو سکتا ہے اس سے مل کر، اس کا کام دیکھ کر میں پارٹنر شپ بھی کرنے کا سوچ لوں، مگر یہ سب اس سے ملنے کے بعد ہی طے ہوگا، پتہ نہیں آپ لوگ اتنا لمبا عرصہ کیسے فارغ رہ لیتے ہیں، مجھے تو اس لائف کی نسبت یہاں ایسے لگ رہا ہے جیسے میں پتھروں کے زمانے میں آ گئی ہوں، کسی کو کوئی کام ہی نہیں ہے، نہ اسٹڈیز کے حوالے سے، نہ جاب کے، بس ہر انسان ٹائم ضائع کرتا نظر آتا ہے، میں تو تین دن میں ہی بور ہو گئی ہوں۔'' پہلی بار اتنی لمبی بات کی تھی اس نے۔

''وہاں کی لائف کے بارے میں بالکل ٹھیک کہا محترمہ آپ نے، مگر آپ نے جیسے ہماری یہاں کی زندگی کو پتھر کی زندگی سے تشبیہ دی ہے، ویسے ہم وہاں کی زندگی کو مشینی دور سے تشبیہ دیتے ہیں، مگر ہمیں اپنی یہی پتھر کے دور والی زندگی ہی بہت عزیز ہے کہ یہاں ابھی مروت، عزت، محبت اور خلوص زندہ ہے، وہاں کی طرح عنقا نہیں ہوا، وہاں کے کیا کہنے کہ بوڑھے ماں باپ کے لئے اولاد کے پاس ٹائم نہیں ہے، سو اولڈ ہاؤسز آباد کر کے ان کو وہاں پھینک دیا گیا ہے، دن رات روبوٹس کی طرح کام اور جابز کی کشمکش میں پھنسے والدین کو نہیں پتا ان کا بچہ کیسے اور کتنی مشکلوں سے پل رہا ہے اور ذہنی اور اخلاقی تربیت گئی بھاڑ میں، اٹھارہ سال بعد اولاد کے طوق کو بھی وہ اپنے گلے سے اتار پھینکتے ہیں ان کے پاس ٹائم نہیں اور یہاں کی جس چیز کو آپ ٹائم کلنگ کہہ رہی ہیں وہ ایک رشتے کا دوسرے رشتے سے بندھا احساس کا وہ تعلق ہے، جس سے ہم جڑے ہوئے ہیں اور پھر ہمیں کوئی پینڈو کہے یا جاہل یا پتھروں کے شہر کے باسی، ہم وہ رشتہ ختم نہیں کر سکتے۔'' اس کی اس قدر جذباتی تقریر کو مریم سمیت سب نے حیران ہو کر دیکھا تھا کہ اس نے آخر ایسی کون سی اس کی شان میں گستاخی کر دی تھی کہ وہ اتنا سنجیدہ ہو گیا۔

''اور یہاں بھی تعلیم اور کام کی اہمیت کو سمجھا جاتا ہے محترمہ! میری جاب آپ کے سامنے ہے، عائشہ اپلائیڈ فزکس میں ایم ایس کے بعد آج کل جابز کے لئے اپلائی کر رہی ہے، سارہ کے اگلے ماہ بی ایس کے فرسٹ سمسٹر کے امتحان متوقع ہیں، شجاع بھی یونیورسٹی سے فری ہونے والا ہے، اس کے باوجود یہ سب ان رشتوں سے جڑے ہیں تو بھی یہ ہماری تربیت اور رواج ہے، گھر کے کاموں میں اور گاؤں میں ہونے والے دکھ سکھ کا حصہ بنتے ہیں تو یہ ہماری ثقافت اور ہمارا ماحول ہے جو ہمیں بے حد عزیز ہے۔''

''میں نے ایسا کچھ بھی نہیں کہا مسٹر حیدر جس سے آپ اتنا ہائپر ہو گئے بس ایک چھوٹی سی بات کی تھی ماحول کے فرق کی۔'' وہ جیسے کسی سناٹے سے باہر آئی تھی۔

''بس بھی کرو حیدر، اس نے واقعی ایسا کچھ نہیں کہا اور تم بھی مریم برا مت مانو اپنے گاؤں اپنے لوگوں کلچر اور ملک سے محبت اس کے خون میں شامل ہے اس لئے یہ کوئی بات نہ بھی ہو، تب بھی جذباتی ہو جاتا ہے، تم اپنا شہر جانے کا پروگرام ایک دو دن پوسٹ پون کر دو، یہ دو دن ہم تمہیں خوب گھمانا چاہتے ہیں، اس کے بعد بے شک چلی جانا۔'' شجاع نے بات کو سنبھالا تھا، تاہم مریم کا موڈ ویسے ہی خراب رہا تھا، وہ تھوڑی دیر ہی بیٹھی تھی، پھر وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی، فون اٹھا کر باری باری مما اور پاپا سے بات کی، ان کی کم و بیش وہی باتیں اور ہدایات تھیں جو اسے وہاں بھی ازبر تھیں، تاہم مما بہت خوش ہوئیں یہ سن کر کہ اس کا شیراز سے رابطہ ہے اور وہ ایک دو دن میں اس کے ساتھ سائیٹ

وغیرہ دیکھنے جائے گی، اس کے بعد لیپ ٹاپ لے کر بیٹھی تو سارہ کھانے کے لئے بلانے آئی تب پتہ چلا تھا کہ شام اچھی خاصی رات کو بدلنے میں گئی۔

اسے سب سے زیادہ اس گھر میں یہی منظر سب سے زیادہ بھایا تھا جب تینوں ٹائم دستر خواں پر گھر کے سب افراد اکٹھے ہوتے، دوپہر کو تو پھر بھی صرف گھر کی عورتیں ہوتیں مگر صبح کے ناشتے اور رات کے کھانے پر سب کا ہونا لازمی تھا اور تو اور تایا جان بھی اس ٹائم ضرور آجاتے تھے، عائشہ خوش ہو کر بتا رہی تھی کہ آج حیدر کے آنے کی خوشی میں اس نے سارا کھانا اس کی پسندیدگی کو مدنظر رکھ کر خود ہی بنایا تھا، مریم کا حلق تک کڑوا ہو گیا جب اس حیدر نے عائشہ کا باقاعدہ شکریہ ادا کیا۔

''اس میں کوئی شک نہیں کہ واقعی عائشہ بیٹی کے ہاتھ میں بہت ذائقہ ہے۔'' تایا نے تائید کی اسی لئے تو یہ سر پر چڑھ گئی ہے۔

''ہمارے ابا جی اور حیدر صاحب کے لاڈ ہیں سارے۔'' شجاع تو باقاعدہ اس کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

کھانے کے بعد حیدر نے سارہ کو اپنے کمرے سے بیگ اٹھا کر لے آنے کو کہا۔

جسے وہ لے آئی تو اس میں اس نے سب کو تحائف نکال کر دینا شروع کیے، بیگ میں سے نکلنے والا پہلے پہلے ملتانی سوہن حلوہ کا ڈبہ شجاع نے اپنے قبضے میں کرلیا کہ اس کی فرمائش تو میں نے کرکے بھیجی تھی۔

''تم سدا کے ندیدے ہی رہنا۔'' عائشہ نے تاسف سے کہا، تایا کے لئے کرتا شلوار، شجاع کے لئے برانڈڈ جینز، باقی عورتوں اور لڑکیوں کے لئے لان کے سوٹ تھے جو اس نے اٹھا کر بی بی کے آگے رکھ دیئے کہ وہ خود ہی سب کو دے دیں۔

''ارے میرے بچے! ان چیزوں کی کیا ضرورت تھی، ابھی تو تنخواہ بھی نہیں ملی ہوگی اور تم نے اتنا سارا خرچہ کرلیا۔''

''بی بی جان تنخواہ تو جب ملے یہ بھی تو دیکھیں کہ زمیندار بچہ ہے۔'' شجاع نے لقمہ دیا۔

''ہاں برخوردار مگر کیا کریں کہ وہ بچہ تمہارے جیسی سوچ نہیں رکھتا کہ باپ دادا کی کمائی پر عیش کیے جائیں، کہ ہے تو سہی سب کچھ اللہ کا دیا، اب کون یہ کھانے کمانے کے جھنجٹ میں پڑے، مگر سن لو میاں، یہ عیاشی امتحان تک ہی ہے، آخری پیپر سے اگلے دن یا تو وہ پار والی زمین سنبھالو یا باغات کی ڈلیوری کا ٹھیکہ لینے کا سوچو، بوڑھا ہو گیا ہوں میں اب، اتنے کام نہیں سنبھلتے مجھ سے۔''

''لاحول ولاقوۃ۔'' شجاع منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔

''کیا ہے ابا، سارے گاؤں کے سامنے تو یہ باتیں ہزار بار مجھے سنا ہی چکے ہیں اب مریم بی بی ہی رہ گئی تھیں، وہ کیوں محروم رہ جاتیں۔''

''ویسے سچ کہا ہے کسی نے کہ والدین بوڑھے ہو کر اپنی عادات اتنی خراب کرچکے ہوتے ہیں کہ ان کی عادات کو سدھارا نہیں جاسکتا۔''

''زور سے بولو، ابا کو سنائی نہیں دیا۔'' اس کے آہستہ سے کہنے پر عائشہ طنزاً بولی۔

''عزیزی ابا حضور! اتنی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اب میں پار والی زمین پر ہل چلاتا یا منشی کی طرف رجسٹر پر آمدنی و خرچ کا حساب لگاتا اچھا لگوں گا کیا، دل پر ہاتھ رکھ کر سچ سچ بتائیں، آخر کو اکلوتا چشم و چراغ ہوں آپ کا۔''

''ہل چلانا یا حساب کتاب کرنا عیب کی بات نہیں ہے میاں، عیب تو یہ ہے کہ آپ پچیس

سال کے ہو کر بھی اپنی ہر ضرورت کے لئے باپ کے سامنے ہاتھ پھیلائے نظر آئیں تعلیم آپ کی اتنی ہے کہ آپ افسر لگ جاؤ تو مجھ سے زیادہ خوش نصیب تو کوئی اور نہ ہوگا۔''

''کرا دی میٹھی میٹھی بے عزتی اتنی خوبصورت لڑکی کے سامنے بھی۔'' وہ بڑبڑایا، جبکہ مریم بہت دلچسپی سے یہ ہلکی پھلکی نوک جھونک سن کر محظوظ ہو رہی تھی۔

''یاد رکھنا میاں، آخری پیپر۔'' ابا اپنا شاپر اٹھا کر اسے وارن کرتے چلے گئے، ان کے جانے کے بعد شجاع نے سکون کی سانس لی تھی۔

''اب ایسی بے عزتی کے بعد ملتانی سوہن حلوہ کھانے کا خاک مزہ آئے گا۔''

''تم ہی اپنی زبان کو کنٹرول میں کرلیا کرو، ویسے بھی ابا بالکل ٹھیک کہہ رہے تھے، میں نے تصور میں تمہیں ہل چلاتے بھی دیکھ لیا، بہت پیارے لگ رہے تھے، منشی جی والد کام بھی برا نہیں ہے۔'' عائشہ ہنسی تھی۔

''چپ گستاخ بے ادب لڑکی! اپنے ابا کی چمچہ گیری میں اتنا مت آگے بڑھو کہ ہمیں تمہیں زبان کٹوانی پڑے۔''

''بس بھی کرو شجاع یہ اول فول بکنا، ہر وقت کا مذاق بھی نہیں اچھا لگتا۔'' تائی بیزاری سے بولیں۔

''مریم یہاں آؤ بیٹا، ان میں سے جو سوٹ تمہیں پسند ہے وہ لے لو۔'' بی بی جان نے شجاع کی باتوں پر ہنستی مریم کو اپنے پاس بلایا تھا۔

''میں...... میں...... کیسے بی بی؟ وہ آپ گھر والوں کے لئے لائے ہیں، میں کہاں سے بیچ میں آگئی۔''

''اس وقت آپ ہمارے گھر میں موجود ہیں، مہمان کی حیثیت سے ہی سہی تو گھر کی مکین ہی ہوئیں، عائشہ نے بتایا تھا آپ کی آمد کا، آپ کا سوٹ بھی ہے ان میں، بغیر تکلیف کے اٹھا لیجئے، یہ دو بلیاں جو چپ کر کے بیٹھی ہیں تو صرف آپ کی وجہ سے ورنہ اب تک ان میں سے اپنا اپنا سوٹ لے کر بھاگ بھی چکی ہوتیں۔'' پہلی بار وہ نارمل انداز میں بات کرتا نظر آیا تھا، مریم مسکراتی ہوئی اٹھ کر بی بی کے پاس آگئی۔

''اس بار میں بی بی کی پسند کا سوٹ پہننا چاہوں گی، اپنی پسند کے تو پہنتی ہی رہتی ہوں۔'' بی بی اس کی بات پر کھل اٹھیں۔

''میں صدقے جاؤں میری بچی، یہ لو تمہاری گوری چٹی رنگت پر یہ گلابی رنگ خوب کھلے گا، بس اپنی پھپھو سے اپنے ناپ کے مطابق جیسا کروانا ہو، کروا لینا۔''

''اور مزے کی تو بات یہ ہے کہ میں نے لیا بھی مریم کے لئے ہی تھا، ہلکے رنگ والے سارے آپ تینوں کے تھے، وائیٹ اور ییلو عائشہ کا پسندیدہ رنگ ہے تو ییلو والا عائشہ کا اور بلو سارہ کے لئے تھا۔'' وہ دھیمے سے ہنس کر بولا تو مریم نے بھی سوٹ اٹھا لیا تھا، ساتھ ہی اس کا شکریہ بھی ادا کیا تھا۔

اگلی صبح وہ سب فارم ہاؤس جانے کے لئے تیار تھے، اس بار اسے پچھلا تجربہ یاد تھا، سو اس نے اپنے کپڑوں میں سے جدید انداز کا شلوار قمیض نکال تھا جس کی آستینیں ندارد تھیں، سر پر اسکارف تو لیا تھا اس نے مگر کسی طرح سے بھی پردہ یا حجاب کے کسی بھی تقاضے کو پورا نہیں کر رہا تھا، جس پل وہ اپنے کمرے سے باہر آئی تھی، بی بی سے سر پر ہاتھ پھرواتے ہوئے اس کی نظر کیا اس پر پڑی کہ اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

''محترمہ یہ آپ کا امریکہ نہیں ہے جہاں انسان جتنی ترقی کر لے، اس کا اثر اس کے لباس

پر نظر آتا ہے اور وہ مختصر سے مختصر ہوتا چلا جاتا ہے، ہمارا نظریہ آپ سے ٹوٹلی مختلف ہے، ترقی اور امارت کی جس منزل پر کیوں نہ ہوں ہم، ہمیں ہماری حدود و قیود یاد رہتی ہیں، یا تو یہ لباس فاخرہ بدل کر آجائیں یا پھر مجھے معافی دیں، میں بے حیائی کے چلتے پھرتے نمونے کو ساتھ لے کر اپنا مذاق نہیں بنوا سکتا۔'' اتنی بے عزتی وہ بھی گھر کے ہر فرد کے سامنے، اس کا دل کیا اس بدتمیز شخص کا منہ تھپڑوں سے لال کر دے، مگر ذلت کا احساس اتنا شدید تھا کہ وہ روتی ہوئی اندر بھاگ گئی تھی اور پانچ منٹ بعد ہی وہ اپنے بیگ کے ہمراہ واپس آ گئی تھی۔

''ارے رکو مریم! مریم بیٹا، اس نے غصے میں کہہ دیا ہے، بیٹا میں معافی مانگتی ہوں۔'' نرگس گیٹ تک اس کے ساتھ ہی آ گئی تھیں، بی بی بھی حیدر کو سخت سست سنا رہی تھیں۔

''نہیں آنٹی! میں یہاں ایک پل بھی نہیں رک سکتی، وہ سمجھتا کیا ہے خود کو، میں کوئی ایسی ویسی لڑکی ہوں جسے اس نے اتنی فضول باتیں سنا دی ہیں، وہ ایک ریجڈ اور نیرو مائنڈڈ شخص ہے تو لازمی نہیں ہر انسان اس کے ویوز کو فولو کرے، مجھے یہاں نہیں رہنا، بس۔'' اس نے ان کے ہاتھ سے بازو چھڑایا تھا، عائشہ او سارہ بھی وہیں آن پہنچی تھیں جب تایا گیٹ کا چھوٹا دروازہ کھول کر اندر آئے تھے۔

''ارے بچو، ابھی تک نکلے نہیں تم لوگ، جلدی نکلو بھئی، جاتے جاتے دوپہر تو ہو جائے گی تم لوگوں کو...... اور...... یہ...... مریم بیٹی کو کیا ہوا؟ رو رہی ہے یہ تو۔'' وہ اپنی دھن میں ان کو دیکھ کر بولے تھے مگر پھر کچھ غیر متوقع محسوس ہوا تو غور سے دیکھنے پر معاملہ کچھ سنجیدہ لگا تھا، ان کی بات سن کر مریم کے آنسو ایک بار پھر نکل آئے تھے۔

''کیا ہوا بھئی؟ کوئی مجھے بتائے گا کہ ہمار
بیٹی کو کس نے تنگ کیا ضرور یہ شجاع کی
شرارت ہوگی۔'' وہ اسے دوبارہ سے بازو
کے گھیرے میں لئے اندر آنے لگے۔

''تایا جی میں یہاں نہیں رہوں گی، ح
نے میری بہت انسلٹ کی، اس نے کہا میں اچ
لڑکی نہیں ہوں، اس کے خیال میں صرف وہی
میں ویلی منیرڈ اور سویلد ٹرنڈ ہے، میری ہر بات
ڈریس پر اس کو اعتراض ہے، مما ٹھیک کہتی تھی
یہاں کے لوگ بہت بہت ظالم ہیں۔''

''ارے ارے...... اتنے شکوے......
چلو، پھر میں کان پکڑتا ہوں حیدر کے کہ اس
جرأت کیسے ہوئی میری بیٹی کو کچھ کہنے کی، اس
اعتراض کرنے کی، اور پاگل لڑکی یہ صرف حید
گھر تو نہیں ہے، یہ تمہارا گھر بھی ہے، تمہارے
کا ہوا تو تمہارا ابھی ہوا ناں، بہن بھائیوں
لڑائی جھگڑے بھی ہو جاتے ہیں، مگر انہیں بیٹھ
سلجھا لیا جاتا ہے، کبھی مان لی جاتی ہے بات
کبھی منوالی جاتی ہے، گھر چھوڑ کے تو نہیں
جاتا ناں بچے۔'' انہوں نے اسے بی بی کے پا
بیٹھا دیا تھا اور خود اس کے پاس ہی بیٹھ گئے تھ

''حیدر کہاں ہے عائشہ! بلاؤ اسے
انہوں نے سارہ سے کہا، اگلے کچھ لمحوں
چہرے پر ناگوار تاثرات سجائے وہ ان کے سا
تھا۔

''تمہیں پتہ ہے ناں حیدر! مریم کے
گھر سے کئی رشتے ہیں، پھر وہ مہمان بھی
یہاں، تو مجھے تم سے یہ امید نہیں کہ تم اسے ا
ناراض کرو گے کہ وہ گھر سے ہی جانے کا سو
لگے گی، بھائی کو پتا چلا تو اسے کتنا دکھ پہنچے گا۔''

''میں معذرت کرتا ہوں ماموں کو میرا
کچھ سخت ہو گیا تھا اور میں ان سے بھی سوری

ہوں۔'' زمین کو جوتے سے کریدتا وہ بالکل سر جھکائے بول رہا تھا جبکہ اس کے تاثرات پوشیدہ تھے۔

''بس تو پھر دیر کس بات کی ہے، جلدی سے نکلنے کی کرو، سورج سوا نیزے پر آ چکا ہے اور تم ابھی یہیں پر ہو، میں نے سارے انتظامات کرا دیئے ہیں وہاں، نکلنے کی کرو اب، چلو حیدر گاڑی میں چلو، شجاع باہر ہی ہے، تم لوگ بھی چلو سارہ، عائشہ! آج بڑی سستی کر رہی ہو تم لوگ بھی اور مریم تم بیٹا، جلدی سے دوپٹہ لے کے آ جاؤ میرا بچہ۔'' انہوں نے کچھ ہی لمحوں میں سب کو غیر محسوس طریقے سے کام تقسیم کر دیئے اور ایسے انداز میں کہتے ہوئے مریم کا سر تھپکا کہ وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی، سارہ کا دوپٹہ لے کر جس وقت وہ باہر آئی تایا اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے گاڑی تک چھوڑ آئے، دروازہ کھول کر وہ پیچھے سارہ اور عائشہ کے ساتھ ہی بیٹھ گئی، آنکھوں پر گلاسز لگا لئے تھے، تھوڑی دیر میں ہی اسے پاپا کی کال موصول ہوئی تھی جس میں انہوں نے اس کا حال احوال پوچھنے کے بعد تاکید کی تھی کہ وہ بھلے شہر جا کر مما کے رشتہ داروں سے مل آئے اور شیراز کے ساتھ بھی اپنے کام کر سکتی ہے مگر اسے کسی کے گھر جا کر قیام کرنے کی ضرورت نہیں ہے، وہ یہیں سے آ جائے گی، تایا سے ان کی بات ہو چکی ہے وہ گاڑی اور ڈرائیور کا انتظام کرا دیں گے، پھر انہوں نے اسے دو ماہ بعد آنے کی خوش خبری سنائی تھی، جسے سن کر اس کا بگڑا موڈ کچھ ٹھیک ہو گیا تھا، گاؤں کی حدود سے نکلنے کے بعد شجاع نے گاڑی میں میوزک بھی لگا دیا تھا اور اس کی ہلکی پھلکی نوک جھونک بھی عائشہ اور سارہ کے ساتھ چلتی رہی تھی، کبھی کبھار وہ درمیان میں مریم کو بھی گھسیٹ لیتا، یوں کچھ ہی دیر میں اس کے چٹکلوں سے سفر گزرنے کا پتہ بھی نہیں چلا تھا، ایک نہیں بدلا تھا تو حیدر کا موڈ نہیں بدلا تھا، ایک ہلکا سا احساس نہ جانے وہ ایک کزن ہونے کے ناطے فطری لگاؤ کا تھا یا پسندیدگی کا موہوم سا احساس جو آج کے واقعے کے بعد بالکل ہی ختم ہو گیا تھا۔

☆☆☆

اگلے دن حیدر اور وہ علی الصبح ہی نکلے تھے گھر سے، حیدر نے اسے چھوڑ کر پھر کالج جانا تھا جب کہ شجاع کے ذمہ تایا نے لگایا تھا کہ شام کو جب مریم فون کرے گی، وہ اسے لے آئے گا۔

سفر میں وہ دونوں بالکل خاموش تھے، آج وہ اس کا لایا ہوا گلابی سوٹ پہنے ہوئے تھے، دوپٹہ بھی گلے میں موجود تھا۔

''سنیں آپ مجھ سے ناراض ہیں۔'' وہ اچانک ہی بولی تھی۔

''جی نہیں، میں اجنبیوں سے ناراض نہیں ہوتا۔'' انداز و لہجہ سنجیدہ تھا اور توجہ پوری ڈرائیونگ پر مرکوز۔

''میں اجنبی نہیں ہوں حیدر صاحب، بقول آپ کے کزن بھی ہوں اور مہمان بھی اور آج کل آپ کے گھر کی مکین بھی۔'' نہ جانے اس کا اس سے بات کرنے کو دل کر رہا تھا۔

''جی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ مگر آپ چند دن کے لئے آئی ہیں اور پھر واپس چلی جائیں گی تو ایسی صورت میں مجھے کوئی حق نہیں پہنچتا تھا کہ آپ پر اپنے نظریات ٹھونستا، میں آج ایک بار پھر معذرت کرتا ہوں آپ اور بے فکر رہیں میں ناراض نہیں ہوں۔''

''آپ...... کو پتا ہے کہ بی بی جان نے بہت سال پہلے ہم دونوں کے رشتے کے حوالے سے بات کی تھی۔'' کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد مریم نے کہا۔

''جی جانتا ہوں، مگر بے فکر رہیں کہ اس گھر میں کوئی آپ پر اپنی مرضی مسلط نہیں کرے گا، دوسرا میرا نہیں خیال کہ آپ یہاں آسانی سے ایڈجسٹ ہو پائیں گی، بعض اوقات ہمارے بزرگ پرانے تعلقات جوڑنے کے لئے ان جانے میں ایسے فیصلے کرتے ہیں جن سے نئے تعلقات کا جڑنا ممکن ہوتا ہے، میں نے بھی بہت بچپن سے آپ کا نام اپنے نام کے ساتھ سنا ہے، پھر کچھ عرصہ بعد مانوسیت بھی ہوگئی، مگر اچھا یہ ہوا کہ پسندیدگی سے پہلے پہلے کچھ ایسی باتیں مجھ تک پہنچیں تو اس ماحول اور مجھ سے جڑے لوگوں سے بیزاری اور نفرت کے کھلم کھلا اظہار کے حوالے سے تھیں۔'' وہ بہت متوازن انداز میں کہہ رہا تھا، مریم کا دل دھک سے رہ گیا۔

''کون سی باتیں۔'' اس نے ہکلا کر کہا۔

''آپ کی والدہ نہیں چاہتیں کہ آپ کا رشتہ یہاں ہو، دانستہ یا نادانستہ انہوں نے اپنے ریلیٹوز میں اپنی اور آپ کی ناپسندیدگی کے حوالے سے بارہا بات کی وہ باتیں یہاں تک بھی پہنچیں کہ بے شک امریکہ دور ہے مگر موبائل فون کی بدولت دنیا ایک ہی نقطے پر سمٹ آتی ہے، ہر بار چچا سے استفسار پر وہ اس بات سے انکار کر دیتے تھے، میں خود اس قسم کی صورتحال سے بیزار تھا اور انکار کر دینا چاہتا تھا، مگر مجھ میں بی بی اور اماں کو دکھ دینے کا حوصلہ نہیں ہے، وہ دونوں اپنے بیٹے اور بھائی سے عرصہ دراز سے دور ہیں اور یہ سمجھتی ہیں کہ اس رشتہ کے جڑ جانے کی صورت میں وہ اپنے بھائی اور بیٹے سے دوبارہ جڑ جائیں گی، سادہ ہیں ناں نہیں سمجھتیں کہ خون اور احساس کے رشتے کبھی بھی نہیں ٹوٹتے نئے رشتوں کے جڑنے یا ٹوٹنے سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔''

''سب سے بڑی وجہ میں خود ہوں مریم بی بی!'' شہر آتے ہی اس نے گاڑی کی اسپیڈ آہستہ کی تھی۔

''آپ بہت اچھی ہیں، کسی بھی انسان کے لئے خوش قسمتی ہوگی آپ کو اپنی شریک سفر بنانا، مگر میں بہت الگ اور مختلف سا بندہ ہوں یا آپ کی زبان میں ریجڈ اور نیرو مائنڈڈ۔'' اس کی بات پر مریم پر گھڑوں پانی پڑا تھا۔

''میری شریک حیات کے حوالے سے کچھ ویلیوز ہیں، کہ وہ بھلے باہر کی دنیا میں میرے شانہ بشانہ ہی کام کرے مگر ایک حد میں، ایک دائرے میں، میں عورت کو برقع پہنا کر گھر میں بٹھا دینے کا قائل نہیں ہوں، مگر میرے حوالے سے جو بھی عورت ہو چاہے وہ میری بہن ہو یا بیوی، اس کے سر سے دوپٹہ اترے، یہ گوارا نہیں ہے مجھے، میں کبھی نہیں روکوں گا اپنی بیوی کو اگر وہ اپنی تعلیم اور ہنر کو استعمال میں لانے کے لئے مردوں کے ساتھ بھی کام کرے، مگر برداشت نہیں کروں گا کہ وہ ان مردوں سے بے جا ہاتھ ملائے یا ایسی بے تکلفی رکھے کہ جس سے میری عزت پر حرف آئے۔''

''میں جانتا ہوں ایسا ہمارے ماحول کی وجہ سے ہے، تربیت کی وجہ سے ہے، مگر میں اپنی فطرت اور عادات کو بدل نہیں سکتا، یہ مجھے بے حد عزیز ہیں۔''

''یقیناً آپ کی بھی ایسی ہی ویلیوز ہوں گی اور خواہشات جو آپ اپنے ساتھی میں دیکھنا چاہیں گی، اب ہم دونوں کو طے یہ کرنا ہے کہ اپنے بزرگوں کو کیسے روکیں کہ وہ خواہ مخواہ اس ندی کے دو کناروں کو آپس میں ملانے کی کوشش مت کریں جو اپنے منبع سے ہی برابر مگر الگ الگ چل رہے ہیں۔''

''یہ آگیا آپ کے شیراز صاحب کا آفس، پھر ملاقات ہوگی انشاء اللہ۔'' اس کے گاڑی روکتے ہوئے اپنی بات مختصر کی تھی۔

''تھینکس حیدر، آپ کا بہت سا ٹائم ویسٹ ہوگیا میری وجہ سے، آپ کو اپنے کالج پہنچنے میں کئی گھنٹے لگیں گے اب۔'' گلاسز دوبارہ لگاتے ہوئے وہ بولی تھی۔

''ارے نہیں، یہیں ایک ریفریشر کورس اٹینڈ کرنا ہے دو دن، گیارہ بجے پہنچنا ہے آرٹس کونسل اور ابھی ایک گھنٹہ ہے میرے پاس، شجاع آئے گا آپ کو پک کرنے۔'' اس نے اس کی تسلی کرائی تھی۔

''وہ حیدر، آئی ایم سوری میں نے کل اوور ایکٹ کیا، آپ کو بہت برا لگا ہوگا۔'' وہ جھجکتے ہوئے بولی تھی۔

''نہیں نہیں، سوری کی ضرورت نہیں ہے، میں غصہ دل پر نہیں رکھتا، وہ نکال دیا، سمجھو مطلع صاف، ویسے آپ اچھی لگ رہی ہیں اس لباس میں۔''

''تھینکس چلیے ناں، آپ کو شیراز سے ملواؤں۔''

''نہیں بس چلتا ہوں، میرے سارے کولیگز پہنچ چکے ہیں، پھر کبھی سہی۔'' وہ گھڑی دیکھ کر بولا، تو مریم باہر نکل آئی تھی۔

☆☆☆

''آہا، فائنلی سوئیٹ میری ہینرر میچڈ پاکستان، ویلکم ڈیئر میری ویلکم۔'' اس نے بڑی گرم جوشی سے اسے ہاتھ ملایا تھا، ایک لمحے کو مریم کے دماغ پر حیدر کا ایک جملہ ٹکرایا مگر شیراز گرم جوش استقبال پر وہ زیادہ دیر ٹھہر نہ سکا تھا، وہ اس کا واقعی اچھا دوست تھا، وہ مما کی خالہ زاد بہن کا بیٹا تھا، جب وہ ٹیکسٹائیل ڈیزائننگ کے لئے اس سے امریکہ میں ملا، بہت سے ہی ان کی دوستی کی ابتدا ہوئی تھی، ان کے دلچسپیاں شوق اور پسند، ناپسند ملنے کی وجہ سے جلد ہی ان کی علیک سلیک دوستی میں بدل گئی تھی، مما کو تو اس لحاظ سے شیراز بہت پسند تھا اور اگر وہ جمی کے بعد کسی کے لئے اصرار کرتیں تو وہ شیراز ہی تھا، فی الحال تو شیراز کا مشورہ یہی تھا کہ وہ اس کے ساتھ مل کر کام کرے، وہ اس شہر میں ایک برانچ بہت کامیابی سے چلا رہا تھا، اب دوسری برانچ کھولنے کا ارادہ رکھتا تھا، جس کو سنبھالنے کے لئے اسے ایک با اعتماد اور قابل پارٹنر کی ضرورت تھی جو اسے مریم کی صورت میسر تھا، مزید مریم کو بھی ابھی تجربے کی ضرورت تھی، سو وہ بھی اس کی پارٹنر شپ کے لئے بخوشی راضی ہوگئی تھی، شیراز نے اسے شاندار سے لنچ کے بعد خود ہی گاؤں ڈراپ کیا تھا، شجاع کو اس نے منع کر دیا تھا، یوں ایک خوب صورت دن گزار کر وہ واپس آئی تھی۔

شیراز اسے باہر سے ہی چھوڑ کر چلا گیا تھا، گھر آنے پر پتہ چلا کہ عائشہ کی گورنمنٹ جاب کے لئے سولہویں اسکیل کے آرڈرز مل چکے تھے، وہ نزدیکی قصبے کے ہائی اسکول میں بطور ایس ایس ٹی تعینات ہوئی تھی، گھر میں سبھی بے حد خوش تھے، مریم نے بھی کھلے دل سے اسے مبارکباد دی تھی جسے اس نے خوش دلی سے قبول کیا تھا اور وہ خوشی کی محفل اختتام ہونے سے پہلے ہی سب کی خوشی دو چند ہوگئی جب تحائف اور مٹھائیوں کے ڈھیر کے ہمراہ حیدر آن پہنچا تھا۔

''جیسے ہی کورس کا تھکا دینے والا پیریڈ ختم ہوا، سونے کے لئے لیٹا ہوں تو شجاع نے یہ خوشی کی خبر سنائی ہے، ساری تھکن منٹوں میں اڑن چھو ہو گئی ہے، دو گھنٹے کی ڈرائیو ڈیڑھ گھنٹے میں کر کے آپ سب کے سامنے حاضر ہوں۔'' بے حد خوش دلی سے وہ بتا رہا تھا۔

"اور وہ محترمہ خود کدھر ہیں جنہوں نے یہ کارنامہ سرانجام دیا ہے۔"

"حیدر...... او میرے اللہ...... تم یقین نہیں کر سکتے کہ میں کتنی خوش ہوں۔" وہ اس کے یاد کرتے ہی حاضر تھی۔

"اور میں تم سے زیادہ خوش ہوں عائشہ ورنہ پچھلے دنوں جس طرح کی مایوسی کا اظہار تم نے کیا تھا، میں تو پریشان ہو گیا تھا۔"

"سرکاری جاب کے حصول کے بعد آسمان پر جا بیٹھنے والے دو عظیم لوگو! زمین پر رہنے والی مخلوق آپ دونوں کی نظر التفات کی منتظر ہے کہ کب آپ دونوں اپنی اس عالمانہ فاضلانہ گفتگو سے فراغت پائیں اور گاڑی میں جو اشیائے خورد و نوش ہیں اور کچن میں جو انواع و اقسام کے کھانے ہیں، ان تک ہماری رسائی ہو پائے۔" شجاع کی دہائی پر تایا نے ایک خشمگین نظر اپنے برخوردار پر ڈالی تھی۔

"بخدا ابا حضور! آج کے دن میری شان میں کوئی کلمات کہہ کر ہماری خوشی خراب مت کیجیے، ابھی تو آپ کی دی ہوئی مدت میں کچھ دن باقی ہیں اور مجھے یاد ہے ابا حضور، پار والی بنجر زمین اور منشی کا حساب کتاب والا رجسٹر۔"

اور آج تایا اتنے خوش تھے کہ شجاع کی دہائی پر بجائے غصہ ہونے کے ہنس پڑے تھے۔

مریم کے اندر جو شیراز سے ملنے اور اپنے کام کے شروع کرنے کے متعلق جو سرشاری اور خوشی تھی وہ ایک دم غائب ہو گئی تھی، ایک یاسیت نے ایک دم اس پر غلبہ پایا تھا، تایا نے اسے مریم کے کام کے حوالے سے بھی بتایا تھا، اس نے رسمی انداز میں اس کی جانب دیکھ کر بیسٹ وشز کہہ دیا تھا جبکہ عائشہ کی جاب کی اتنی خوشی کہ وہ اپنی ساری تھکاوٹ بھول کر اتنا لمبا سفر طے کر کے اس کی خوشی میں شریک ہونے آیا تھا، عائشہ سے عجیب سی جیلسی محسوس ہوئی تھی اس پل اسے اس سے کچھ کھایا بھی نہ جا سکا اور وہ تھکاوٹ کا بہانہ کر کے اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

☆☆☆

"نہیں ممی! اب تو میں ضرور کروں گی یہ شادی، خدا نے مجھے موقع دیا ہے ان مغرور لوگوں کو سبق سکھانے کا تو میں اسے ہاتھ سے جانے نہیں دوں گی اور آپ جانتی ہیں میرے دل میں جو جگہ قاسم کے لئے ہے، وہ کسی اور کے لئے نہیں ہے۔"

قاسم کی بیوی شادی کے محض گیارہ ماہ بعد بچے کی پیدائش کے وقت وفات پا گئی تھی، یوں محبت کا وہ باب تمام ہوا تھا جو گل کی بد دعاؤں پر رکھا گیا تھا، اس کی وفات کے چھ ماہ بعد ہی چچا قاسم کا رشتہ لے کر ایک بار پھر روٹھے بھائی کو منانے آن پہنچے تھے، چچی تیار نہیں تھیں اس رشتے کے لئے، مگر گل اڑ گئی تھی کہ اسے یہ رشتہ قبول تھا، ایاز کی شادی چھوٹی چچی کے بھائی کی بیٹی سے ہو چکی تھی، ان کا امریکہ میں اپنا ایک چھوٹا سا جنرل سٹور تھا، اب چھوٹی چچی اپنے بھائی پر دباؤ ڈال رہی تھیں کہ ایاز کو بھی وہیں بلوا لیں، بہن کی بات تو وہ صرف رسمی سی ہاں کر کے رہ گئے تھے مگر بیٹی کی خواہش کو رد نہ کر سکے تھے کہ اس نے ایاز کی لاپرواہی اور آوارہ گردی کے سارے قصے اور روداد کر سنائے تھے اور کہا تھا کہ ہو سکتا ہے وہ وہاں اس میں کچھ ذمہ داری کا احساس پیدا ہوا، قاسم ان دنوں شہر میں ہی ایک بینک میں ملازم تھے کہ ان کو بڑے بھائی کی طرح زمین داری سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، مگر گل سے شادی کے بعد وہ بضد تھے کہ گل گاؤں ہی میں رہے مگر شادی کے بعد محض پندرہ دن ہی رہی تھی، وہ گاؤں اور جب شہر آئی تو پھر گاؤں جانے کا نام بھی نہ لیا تھا، بڑے بھائی کا ایک بیٹا اور نرگس کا بھی بیٹا تھا جن کی عمریں دو دو سال کے قریب تھیں، ایاز بھی تب تک امریکہ جا چکا تھا، قاسم اور گل کے بیچ رہائش کی وجہ سے اکثر تو تو میں میں رہنے لگی تھی، یہ بات نہ بھی ہوتی تب بھی گل ان لوگوں کو سبق سکھانے کا طے کر کے آئی تھی، ویک اینڈ پر بھی جب قاسم کے ساتھ جانا پڑتا تب بھی سب کو زچ کرنے کے ایسے ایسے طریقے نکالتی کہ قاسم کی ماں نے اسے بلا کر کہا تھا کہ اگر اس کی بیوی وہیں خوش ہے تو اسے رہنے دیا جائے، گاؤں آنے پر مجبور نہ کیا جائے، اپنے حسن اور تعلیم کا زعم تھا جو وہ باتوں باتوں میں بڑی بھابھی اور تو اور قاسم کی ماں کی بھی تذلیل کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتی حالانکہ قاسم کی پہلی شادی سراسر قاسم کی پسند کا نتیجہ تھی اس میں آن کے گھر والوں کا کوئی عمل دخل نہ تھا، ایک بار دوپٹے کے بغیر چست لباس پہننے پر اس کی ساس نے نرم الفاظ میں کیا ٹوک دیا کہ اس نے قاسم کی بھی پرواہ نہیں کی تھی انہیں بینڈو، جاہل اور کم ظرف تک کہہ ڈالا تھا۔

"دیکھ لیا بی بی! میں تو دوسری بار بھی اس عورت کو اپنی زندگی میں لانے کا قائل نہیں تھا، بس جانتا تھا اس کی فطرت اور عادات کو، اسے اپنی اس بدتمیزی کے لئے معافی مانگنی ہوگی ورنہ پھر خمیازے کے لئے تیار ہے۔" وہ اس کے بعد سے اپنے کمرے میں بند تھی جبکہ قاسم کا بس نہیں چل رہا تھا کہ جا کر اس کی گردن دبا دیں۔

"دیکھو قاسم! ہر عورت تمہاری بھابھی یا نرگس جیسی نہیں ہوتی جو اپنے خاوند کے پورے خاندان میں رچ بس جائے اور اسے ساتھ لے کر چلے، کچھ عورتیں تمہاری چچی اور تمہاری بیوی جیسی ہوتی ہیں، وہ اپنے مرد پر اپنی اجارہ داری قائم رکھنا چاہتی ہیں اور اس چیز میں کوئی بھی رکاوٹ انہیں سخت گراں گزرتی ہے چاہے وہ ماں باپ ہوں یا بہن بھائی، ایسے لوگوں کو اگر محبت، نفرت، ڈانٹ، غصہ کچھ بھی قائل نہیں کر پا رہا ہوتا تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے، ویسے بھی ہمارے مذہب میں اکٹھے خاندان کے رہنے اور بسنے کی کوئی شرعی شرط نہیں ہے، یہ تو ہمارے بنائے ہوئے رسم و رواج ہیں جو شاید ہمارے بزرگوں نے اپنے تحفظ کے لئے بنائے تھے یا اپنے بچوں کو جوڑ کر رکھنے کے لئے، مگر بچے اگر فرمانبردار اور اطاعت گزار ہیں تو وہ الگ رہ کر بھی دو رشتوں میں توازن رکھ سکتے ہیں، بیوی اور ماں میں اور اگر اس کے الٹ ہے صورتحال تو اکٹھے رہ کر بھی خواری ہے، تم میرے بہت پیارے اور فرمانبردار بیٹے ہو، گھر کو بسانے کے لئے ہر بار عورت قربانی نہیں دیتی، بسا اوقات مرد کو بھی بہت کچھ سہارنا پڑتا ہے، اس نے تمہاری پہلی شادی کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا ہے اور اس میں ہم سب کو قصوروار سمجھتی ہے، پھر اس کی تربیت بھی ہم سے مختلف ہے تو اگر وہ ٹھن گئی ہے تو تم ہی مان جاؤ۔"

"کر تو رہا ہوں بی بی کمپرومائز اس فتنہ پرور عورت کے ساتھ اور کیا کروں مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ آپ سے یا بھابھی بیگم سے بدتمیزی کرے۔"

"جب شہر میں رہو گے، اسے گاؤں کہنے پر مجبور نہیں کرو گے تو نہیں کرے گی بدتمیزی۔" وہ اس کی بات کاٹ کر بولی تھیں۔

"بی بی آپ اس عورت کو نہیں جانتیں، صرف اس کا مسئلہ نہیں ہے کہ وہ یہاں اس ماحول میں نہیں رہنا چاہتی، وہ مجھے بھی آپ سب سے الگ کر دینا چاہتی ہے، میری یہاں سے جڑیں

کاٹ لینا چاہتی ہے۔" جڑیں زمین میں دور تک گڑی ہوں تو اس درخت کا کوئی نہیں کچھ بگاڑ سکتا، ہمارا رشتہ ایسا کمزور نہیں ہے کہ ایک عورت اس کو توڑ سکے، کچھ دن اپنے گھر کے سکون اور اپنے ہونے والے بچے کا ہی خیال کر کے تم ہی چپ رہ جاؤ، ایک بار تمہارا گھر ٹوٹ چکا ہے، خدا نہ کرے کہ دوسری بار یہ نوبت اسی وجہ سے آئے۔"

اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی بی بی کی بات ماننے کو مجبور ہو گئے تھے، اس واقعے کے بعد انہوں نے دوبارہ گل سے کبھی گاؤں آنے کو نہیں کہا تھا، ہاں مہینے میں ایک آدھا چکر خود ہی لگا لیتے تھے، گل کو یہ بات بھی کھٹکتی تھی، وہ اب ایک بچی کی ماں بن چکی تھی، ایاز اب اپنے سسر کے ساتھ غیر ملک میں پاؤں جما چکا تھا، گل کی اب کوشش تھی کہ کسی طرح ایاز قاسم کو بھی وہیں بلوائے، گھر میں نیا فتنہ اس ایک وجہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا اور خواہشات جب ضد میں بدلتی ہیں تو بہت کچھ بدل دیتی ہیں، قاسم بھی اس عورت کی ہٹ دھری کے آگے ہار گئے تھے اور تین سال کے عرصہ میں ہی ایاز کی مدد سے وہ وہیں پہنچ گئے تھے جہاں گل کا پورا خاندان موجود تھا۔

گل شروع سے ہی چاہتی تھی اور بعض لوگوں پر قدرت اتنی مہربان ہوتی ہے کہ ان کے خوابوں کو حقیقت کا روپ دینے کے لئے ایسے ایسے سبب بناتی ہے کہ خواب حقیقت کا روپ دھار کر سامنے آ کھڑے ہوتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے اور بعض لوگ ایسے بدقسمت کہ ان کو دی ہوئی نعمتیں بھی واپس لے لی جاتی ہیں، اس کی خواہش تھی امریکہ جیسے ملک میں جا کر بسنا اور پوری ہوگئی اس کا خواب تھا قاسم علی کو اپنوں سے جدا کر کے دکھانا اس نے کر کے دکھا دیا۔

اگلی بار وہ پاکستان اپنی بیوی اور بیٹی کو لینے آئے تھے تو بی بی کے پاس بھی آئے تھے دلگر... سے، نرگس بیوہ ہو کر ماں باپ کی دہلیز پر آن بیٹھ... تھی، بچے بچپن پھلانگ کر لڑکپن میں داخل... چکے تھے، بہت کچھ بدل گیا تھا، نہیں بدلی تھی... گل کی فطرت اور اپنے سسرال والوں سے نفر... نہیں بدلی تھی، اس کے ابا بہت عرصہ پہلے وفا... پا چکے تھے، اس کی ماں کو ایاز نے وہیں بلوا... تھا کہ ماموں کی وفات کے بعد وہ ان کے اسٹو... مالک تھا اور بیوی کو بھی بہت عرصہ پہلے بلوا... تھا، بیس سال پہلے نہ تو امیگریشن کے متعل... حالات اتنے سخت تھے نہ ہی رہائش کے لئے... شمار مشکلات جب کہ ایاز کے لئے ماموں... صورت ایک مضبوط بنیاد وہاں موجود تھی جو انہو... نے اپنی ساری جوانی وہاں گزار کر رکھی تھی،... کے وہاں جانے کے بعد گل نے جیسے ہی بھائی... دباؤ ڈال کر خاوند کو وہاں بھجوایا تھا، انہیں وہ... حسب خواہش جاب تو نہ مل سکی تھی، ایاز کا اسٹو... کام بڑھ چکا تھا، اسے کسی ایماندار سپروائزر... ضرورت تھی، سو اسٹور ان کے حوالے کر دیا تھا... نے، ماں کے ایاز کے پاس چلے جانے کے... پانچ سال گل نے قاسم کو قائل کرنے میں لگا... تھے کہ اسے بھی اپنے خاندان کو بلوا لینا چاہیے... مریم کے ذریعے بھی اس پر دباؤ ڈالتی رہتی... ماں جب وہاں بے حد بیمار پڑی تو پھر قا... اسے بلوانا ہی پڑا تھا، مگر جانے سے پہلے وہ... ایسا سلسلہ یہاں رشتوں کے مابین رکھنا چاہ... کہ اس کے دوبارہ یہاں آنے کی صورت... رہے ورنہ اس کی بیوی سے بعید نہیں تھا کہ... اسے اپنے ملک اور اپنی زمین کی مٹی بھی... ہونے کے لئے نصب نہ ہونے دیتی، اس... خود ہی بی بی اور اپنی بہن کے سامنے مریم اور... کے رشتے کے لئے دست دراز کیا تھا کہ... مریم سے ایک دو سال چھوٹا تھا۔

"مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے میرے بچے، میرے بچے اور پھر ان کے بچے میری آنکھوں کے سامنے پلیں بڑھیں اور پھلیں پھولیں، اس سے بڑھ کر خوش نصیبی ہی کوئی نہیں میرے لئے مگر انہیں خیال کہ نکاح کی ضرورت ہے، ہم لوگوں کے لئے زبان کی کافی ہے، پھر اس کے پیش نظر کچھ خدشات بھی ہیں قاسم، میں نہیں چاہتی وقت ایک بار پھر خود کو دہرائے، یہاں تم لوگوں کے بیچ ایک گاؤں اور شہر کا فرق تھا صرف مگر کتنی بڑی دراڑ آئی دونوں کے بیچ کہ اسے آج تک کسی میں بھی بھرنے کی جرأت نہ ہوئی، اب یہ فرق گاؤں شہر چھوڑ ملکوں کی سرحد عبور کر جائے گا تو آنے والے وقت کا کیا بھروسہ کہ کل حیدر کو ہی کسی بات پر اعتراض ہو، یا مریم ہی کسی بات کے لئے نہ مانے تو ابھی تمہاری تسلی کے لئے زبانی کلامی بات طے کر دیتے ہیں اور حتمی فیصلہ آنے والے وقت پر چھوڑتے ہیں۔"

ان کی باتیں مدلل اور منطقی تھیں سو قاسم بھی نکاح پر اصرار نہ کر سکے مگر ان کی ساری زندگی اپنی بیٹی کی ایسی تربیت میں گزری تھی کہ وہ ہر قسم کے ماحول میں ایڈجسٹ کر سکے، انہوں نے اسے جوان ہونے پر اس کی ماں کی ضد اور فطرت ہر چیز ہر بات کے بارے میں کھل کر بتایا تھا، پھر اپنی خواہش اور وہاں کے لوگوں کی محبت اور خلوص کا سبق پل پل پڑھایا تھا، مگر مریم کے ذہن اور دل پر ان خیالات کی چھاپ زیادہ راسخ نہ ہو سکی کہ بالکل مخالف خیالات اور خواہشات کے ساتھ اس کی ماں اور نانی بھی اس کی برین واشنگ کرتی رہیں، مریم کے ماموں کا بیٹا جمی اس کا کلاس فیلو اور اچھا دوست تھا، گل کی تو شدید خواہش تھی کہ مریم اس کے بارے میں سنجیدگی سے سوچے، مگر غیر ممالک میں مسلمانوں کے ساتھ کا سلوک کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں ہے، ان کا خاندان بھی اسی بدتری کی زد میں آیا تھا، قاسم جو اپنا ایک الگ جنرل اسٹور کھول چکے تھے، اب واپس اپنے وطن جانا چاہتے تھے، گل چاہتی تھی کہ مریم کی شادی جمی سے ہو جانے کی صورت میں قاسم کے پاس پاکستان جانے کا کوئی جواز باقی نہیں رہے گا، مگر یہاں قاسم اڑ گئے تھے اور مریم کو پاکستان بھیج کر دم لیا تھا، یہاں بھی گل نے مریم کو سمجھایا تھا کہ پہلے تو جمی ہی اس کے لئے بہتر ہے کہ وہ اس کا اپنا کزن ہے، معاشی طور پر بھی مستحکم ہے باقی چھوٹی موٹی لاپرواہیاں اور آوارگیاں تو اس عمر کا حصہ ہوتی ہیں، وقت پر سب سیدھے ہو جاتے ہیں، ایسے میں وہ اپنے بھائی کی مثال دیتیں، پاکستان بھیجنے سے پہلے بھی انہوں نے سیکنڈ چوائس کے طور پر شیراز کو رکھا تھا جو ان کی خالہ زاد بہن کا بیٹا تھا اور اچھا لڑکا تھا، مریم اپنا ووٹ ماں باپ میں سے کس کے حق میں ڈالنے والی تھی، آنے والا وقت ہی جانتا تھا۔

☆☆☆

"ٹھیک ہے بیٹا! اللہ تمہیں اپنے مقصد میں کامیاب کرے مگر میں اجنبی شہر میں تمہارے تنہا رہنے کے حق میں بالکل بھی نہیں ہوں، اپنے گھر سے تم کہتی ہو کہ زیادہ ڈسٹینس ہے اور تم تھک جاتی ہو تو پھر کسی ہاسٹل میں، میں حیدر یا شجاع کے ذمہ لگاتا ہوں، ارینج کرا دیں، ویک اینڈ پر گاؤں چلی جانا مگر اکیلے میں تمہیں رہنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

ان کا اپنا گاؤں ملتان کے قریب ایک نواحی علاقہ تھا، جبکہ شیراز نے جوئنی برانچ قائم کی تھی وہ لاہور میں تھی، اصل میں وہ اس شخص سے فرار حاصل کر کے کچھ دن اپنے دل کی صحیح حالت اور

خواہش ٹٹولنا چاہتی تھی کہ اسے دیکھتے ہی، اس کے گھر میں رہتے ہوئے کچھ خواہشات جو چپکے چپکے ہمکنے لگتیں تو کیا وہ وقتی دلچسپی اور لگاؤ تھا یہ کچھ اور، جبکہ شیراز کی ہمراہی میں بھی خوش نہیں تو مطمئن ضرور رہتی تھی، حیدر تو ایک غصہ ور، انا پسند اور کسی قدر قدامت پسند تھا جبکہ شیراز ایک کھلے دماغ کا روشن خیال نوجوان تھا، جبھی تو اسے بطور لائف پارٹنر ہرگز پسند نہیں تھا کہ بھلے وہ اس کا دوست تھا مگر اس جیسے آدھا تیتر آدھا بٹیر کے ساتھ وہ عمر بھی نہیں گزار سکتی تھی، حیدر اور شیراز کے تقابلی جائزے میں اسے شیراز کا پلڑا ہر صورت بھاری نظر آتا مگر وہ اس وقت اپنے دل کی کیفیت پر پریشان رہ جاتی جب حیدر کا عائشہ سے التفات اسے کھلتا، خود سے بیگانگی اسے دکھ دیتی، اب کچھ دن وہ ان سب سے دور رہ کر سوچنا چاہتی تھی اور پھر اپنے کام پر پوری توجہ رکھنا بھی مرکوز تھا کہ شیراز نے اس پر اعتماد کیا تھا تو وہ اپنی بھرپور صلاحیتوں کو آزمانا چاہتی تھی، اس کے لئے ہاسپٹل میں رہائش کا بندوبست ہو چکا تھا۔

☆☆☆

کام میں بے حد مصروف اسے شیراز کی کال موصول ہوئی تھی، وہ کسی اہم کام کے لئے لاہور آیا تھا اور اب لنچ اس کے ساتھ کرنا چاہتا تھا کچھ ڈیزائین جن پر وہ دن سے کام کر رہی تھی، آج ہی فائنل کرنے کا ارادہ تھا اس کا، سو زیادہ تندہی سے کام میں جت گئی، مگر دو بجے جب شیراز اسے لینے آیا، گردن میں شدید اینٹھن اور کھچاؤ نے اسے کراہنے پر مجبور کر دیا، گردن کو ہاتھوں سے دباتے وہ گاڑی تک آئی تھی۔

"ایک سرپرائز ہے تمہارے لئے؟" لنچ کے بعد شیراز نے کہا تھا۔

"کیا؟" اس نے ٹشو سے منہ صاف کیا۔

"صبر کرو، ابھی تھوڑی دیر میں مل جاتا ہے۔" پھر وہ اسے ایک سیکنڈ فلور پر بنے ایک روم میں لایا تھا۔

"لیڈیز فرسٹ ڈیئر۔" چابی سے لاک کھول کر اس نے اسے اندر داخل ہونے کو کہا۔

دروازہ کھولتے ہوئے خوشبو بکھیرتے سرخ پھولوں کی برسات میں وہ نہا گئی تھی۔

"اٹس امیزنگ شیراز۔" آنکھیں بند کر کے اس نے اس ماحول کی خوب صورتی کو پورے جذب سے محسوس کیا۔

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کمرے کے وسط میں رکھی تپائی پر دھرے کیک کے پاس لے آیا، جس پر ہیپی برتھ ڈے مریم کے الفاظ نے اسے بے حد مسرور و محظوظ کیا تھا۔

"ہیپی برتھ ڈے ڈیئر مریم، ہیپی برتھ ڈے۔"

"پاپا، مما، کسی نے بھی آج کا دن یاد نہیں رکھا، کمال ہے مریم سامنے نہیں تو اس کے ایک اہم دن کو بھی بھول گئے دونوں۔"

کیک کو پلیٹ میں ڈال کر شیراز کو پکڑاتے ایک بے ساختہ شکوہ اور پاپا کے لئے دل و دماغ سے ابھرا تھا۔

☆☆☆

"ارے مریم! میری بچی اکیلی ہی آ گئیں، تمہارے تایا کو پتہ چلا تو بہت خفا ہوں گے، فون کر دیتیں، شجاع جا کر لے آتا۔" بی بی اسے بے وقت دیکھ کر حیران رہ گئی تھیں اور وہ زندگی میں پہلی بار پورے دل سے ان کے گلے لگی تھی۔

"پاپا یاد آ رہے تھے، تو اچانک ہی پروگرام بنا لیا۔" آواز بھرائی بھرائی سی تھی۔

"ارے میری بچی، صدقے جاؤں، ماں باپ سے کوسوں میل دور اپنے گھر اور اپنے ماں

باپ جیسا تو کچھ بھی نہیں ہوتا، کہیں بھی نہیں ہوتا، چلو اچھا ہوا، کل ہفتہ ہے حدیر اور شجاع بھی آ جائیں گے اتوار والے دن کوئی پروگرام رکھ لینا گھومنے پھرنے کا۔" وہ اسے پیار سے تھپک رہی تھی۔

"ارے مریم! آئی ہے، مجھے کسی نے بتایا ہی نہیں۔" نرگس اپنی جھونک میں اندر آئی تھیں، اسے دیکھ کر بی بی جیسی ہی گرم جوشی دکھائی تھی، جواب میں آج مریم کے انداز میں بھی ویسی ہی گرم جوشی تھی۔

☆☆☆

"تم تو ایسے ری ایکٹ کر رہی ہو مریم جیسے نئی بات ہو تمہارے لئے، امریکہ جیسے ملک میں رہ کر ایسی سو کالڈ ویلیوز کا شو آف کرنا بہت آکورڈ لگ رہا ہے ڈیئر، تم میری بہت اچھی دوست ہو اور دوستی میں یہ سب چلتا ہے، جلد ہی میں تمہیں پرپوز کرنے والا ہوں، شادی کروں گا تم سے مریم، پھر یہ تمہاری یہ ہیزی ٹیشن میری سمجھ سے باہر ہے۔"

برتھ ڈے سیلبریٹ کرنے کے بعد شیراز نے اسے ایک خوب صورت سا پینڈنٹ گفٹ کیا تھا اور اس کے بعد اس کا ہاتھ تھام کر اس نے اپنے ان جذبوں کو زبان دی تھی، جو عرصہ دراز سے اس کے دل میں تھیں اس کے لئے، مریم ابھی اپنی کیفیت کو سمجھ نہ پا رہی تھی جبکہ وہ اس کے ہاتھوں کو اپنے لبوں سے لگا چکا تھا، اب اس کے بازو نے مریم کے گرد ایک حصار کیا بنایا تھا کہ وہ تڑپ کر اس کی گرفت سے باہر جا نکلی تھی، جس پر شیراز نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے اس سے وہ الفاظ کہے تھے۔

"ابھی میں نے تمہارا پروپوزل ایکسپٹ نہیں کیا شیراز اور تمہیں کس نے کہا کہ ایسا ہو جانے کے بعد میں تم سے ایسا آزادانہ میل جول رکھوں گی یا امریکہ یا کسی بھی دوسرے ملک میں رہنے والی لڑکی کی کوئی عزت نہیں ہوتی۔" اتنی خود اعتماد ہونے کے باوجود اس نے اپنی آنکھوں کو نم ہوتا محسوس کیا۔

"اتنی کانشس کیوں ہو رہی ہو مریم، یہ انجوائے کرنے کے دن ہیں یار، تم اپنا اور میرا ایک خوب صورت ٹائم اور چانس مس کر رہی ہو، یہاں آؤ میرے پاس بیٹھو۔" وہ اس کے قریب آیا اور اس کے ہاتھ سے پکڑ کر دوبارہ اپنے قریب کرنا چاہا۔

"شٹ اپ شیراز، جسٹ شٹ اپ، تم نے مجھے سمجھا کیا ہے، کوئی ایسی ویسی لڑکی، کوئی کال گرل ٹائپ، اوہ گاڈ، مجھے دوست نہیں تو کزن ہی سمجھا ہوتا، اپنی کزن اپنی بہن کو ایسی آفر کرو گے تم، انجوائے کرنے کی، وقت گزارنے کی۔"

اس کے چیخ کر بولنے سے پہلے ہی اس زوردار تھپڑ نے اسے لڑکھڑانے پر مجبور کر دیا تھا۔

"خبردار، خبردار جو میری بہن کا نام لیا، وہ تمہاری طرح آزاد خیال نہیں ہے، اتنی معصوم نہیں ہو تم جو نہ سمجھ سکو کہ ایک مرد کے ساتھ اتنی بے تکلفی کو وقت بے وقت اس کے ساتھ اٹھ کر چل پڑنا، ایسے ویسے لباس پہن کر اس کو تو کیا کسی بھی مرد کو دعوت نظارہ دینا، اپنا گھربار اور خاندان ہوتے ہوئے اکیلے رہنا، کسی کو بھی بتانے کے لئے کافی ہیں کہ تم کیسی لڑکی ہو۔" ٹھنڈے یخ پانی کی بالٹی جیسے مریم پر انڈیلی گئی تھی۔

"ایسے ہی نہیں میں تم پر لاکھوں لٹا چکا اور ہزاروں ضائع کر رہا، مجھے بھی تو سفید چٹ ملے ناں تم سے۔" خباثت سے کہتے وہ جیسے ہی اس کے پاس آیا، کالج میں تھرل کے طور پر لی جانے والی مارشل آرٹ کی وہ تین ماہ کی ٹریننگ اس کے

کام آئی تھی، پوری طاقت سے وہ اس پر پل پڑی تھی اور منٹوں میں اسے کراہتے ہوئے ہوٹل کے کمرے میں چھوڑ کر اپنا پرس اٹھاتی باہر آگئی تھی، ٹیکسی سے اپنے ہاسٹل پہنچ کر اپنا سامان اٹھایا مگر کمرے میں چیزیں اور سامان اکٹھا کرتے اس کی نظر آئینے میں خود پر پڑی تھی۔

''ایسی ویسی لڑکی، تمہارا لباس۔'' جیسے الفاظ کے آئینہ اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔

گھٹنوں سے پھٹی ہوئی جینز کے ساتھ وہ ایک تنگ ٹاپ میں ملبوس تھی وہ بھلے اس کا جسم تو ڈھانپ رہا تھا مگر کچھ ایسے کہ جسم کی پوری ساخت کو واضح کرتا ہوا تھا، ڈھونڈ ڈھانڈ کر بیگ میں سے وہ شلوار قمیض نکالا جو حیدر اس کے لئے لایا تھا تین سے چار گھنٹے کی مسافت پر وہ گاؤں میں موجود تھی۔

☆☆☆

ویک اینڈ پر وہ سب ہی موجود تھے، سو گھر کی رونق حسب معمول تھی، اس کے دیر سے جاگنے پر عائشہ نے اسے ناشتہ لا کر دیا۔

''سنو مریم، یہاں پر لوگوں کے پاس سلائی کڑھائی کا ہنر اور مہارت تو ہے مگر صحیح مواقع اور گائیڈ لائن نہیں ہے، میں سوچ رہی تھی ان کا ہنر تمہاری تعلیم دونوں مل جائیں تو ایک بہترین کمبی نیشن سامنے آئے گا، بجائے اس کے تم نئی جگہ پر نئے لوگوں کو سلیکٹ کرو، ان کے روزگار کا بھی ایک وسیلہ بن جائے گا اور تمہارے کام میں بھی جدت آئے گی۔''

''یقین کرو مریم، اتنی مہارت اور خوب صورتی ہے ان کے ہاتھ کے کام میں کہ یقین ہی نہیں آتا، میں اور سارہ خود اپنے کپڑے سلائی کڑھائی کر لیتے ہیں حالانکہ ہمارے پاس اس کام کے لئے وقت نکالنا بھی مشکل ہوتا ہے پھر بھی میری اپنی سلائی کڑھائی کیے ہوئے کپڑے شہر والی ٹیچرز کو یقین ہی نہیں آتا کہ چک تراس میں بھی ایسے ہنرمند ہیں اور جو اگر وہ ان لوگوں کا کام دیکھ لیں جن کا اوڑھنا بچھونا ہی یہی کام ہے تو بے ہوش ہو جائیں شاید، میں بہت دن سے تمہیں یہ مشورہ دینا چاہ رہی تھی کہ گدڑی میں پتھر بہت سے ہوتے ہیں مگر لعل کوئی کوئی ہوتا ہے اور ان کی پہچان ایک جوہری کرتا ہے وہ جوہری تم ہو، میں تمہیں لے چلوں گی ان کے گھروں میں، ان کا کام دیکھو، مہارت اور ہنر ان کا ہو، تعلیم اور ڈیزائننگ تمہاری یقین مانو، چند ہی دنوں میں تمہارے آؤٹ لٹ کا شمار بہترین میں شمار نہ ہونے لگے پھر کہنا، کامیابی کا سفر ہمیشہ نچلی سطح سے ہی شروع ہوتا ہے، کوئی بھی پہلے پہلے آسمان کی بلندیوں کو نہیں چھو لیتا، پہلا قطرہ ہی سمندر کی بنیاد بنتا ہے، یقین کرو، میرا بہت ارادہ تھا ان کی محنت کو بوتیکس پر لے جا کر کچھ ایسا کروں کہ ان کی محنت بھی وصول ہو اور روزگار کا بھی کچھ بندوبست ہو جائے، مگر اب گھر اور جاب کے ساتھ اس کام کو شروع کرنا تھوڑا مشکل ہے میرے لئے، تمہاری تو فیلڈ ہی یہی ہے اور ایجوکیشن اور ڈگری بھی اسی حوالے سے ہے تو تم کیوں نہیں پہلا قطرہ بنتی اس سمندر کی بنیاد کا۔''

''ہم...... ٹھیک کہہ رہی ہو تم عائشہ، سوچتی ہوں میں اس حوالے سے کچھ، تم ان کے کام کے کچھ ڈیزائن مجھے منگوا دو، میں پہلے پیپر ورک کر کے دیکھتی ہوں کچھ اچھے کاموں پر، پھر فنس آؤٹ لیٹس سے رابطہ کر کے ان کو بھجواتی ہوں، ان کے ریسپانس کے بعد ہی کچھ طے کریں گے۔'' وہ کچھ سوچ کر بولی۔

''دوسروں کے کیوں، اپنے آؤٹ لیٹ پر کام کرو، نیو اسٹائل اور ورائٹی متعارف کراؤ۔''

عائشہ نے تیزی سے کہا، تو وہ طویل سانس لے کر رہ گئی، بہت سی تلخ اور کڑوی یادیں آ کر سوچ کو پراگندہ کر گئیں۔

''وہ لوگ کبھی بھی ایک ادارے کو اچھی طرح نہیں چلا سکتے، دو نظریات ایک اچھی تنظیم کی بنیاد نہیں رکھ سکتے، شیراز اور میری سوچ اور کام کرنے کے اسٹائل میں بہت فرق ہے، سو میں نے اس سے ایکسکیوز کر لیا ہے، پارٹنر شپ کے لئے، میں اب جو بھی کروں گی اپنے بی ہاف پر کروں گی اور ابھی میں چونکہ لرننگ سٹیپ میں ہوں تو لوکل لیول پر اپنا کام شروع کرنا چاہتی ہوں، اپنے کام کے رزلٹ اور فیڈ بیک کے بعد ہی پرسنل آؤٹ لیٹ کا کچھ کروں گی وہ بھی جب پاپا یہاں سیٹل ہو جائیں گے تب ہی۔''

دل بہت پریشان تھا دو دن سے تو وہ اس گھٹن سے نجات پانا چاہ رہی تھی جو اس پر اس دن سے مسلط تھی، اس لئے عائشہ سے اتنی باتیں کر گئی تھی، ورنہ جب سے آئی تھی، حیدر کی عائشہ سے بے تکلفی اسے اس حد تک ناپسند تھی کہ وہ اسے کبھی اچھی لگی نہ تھی، حالانکہ اس کے اس دلی تعصب سے ہٹ کر وہ ایک سادہ اور اچھی لڑکی تھی۔

☆☆☆

پاپا سے بہت دنوں بعد بات ہوئی تھی اور انہوں نے خوش خبری سنائی تھی کہ وہ عید اس کے ساتھ ہی آ کر گزاریں گے وہ بہت خوش ہوئی تھی ان کی آمد کی بابت جان کر۔

''بہت دن ہو گئے، مریم آپ کو یہاں آئے ہوئے اور انسان کو پرکھنے کے لئے تو بعض دفعہ پوری عمر گزر جائے پھر بھی اس کی خصلت جان نہیں سکتے اور کبھی کسی کو جاننے کے لئے ایک پل بھی کافی ہوتا ہے، میں عید پر آ کر حتمی فیصلہ چاہتا ہوں بیٹا! مجھے یقین ہے کہ اب تک تم نے کچھ نہ کچھ سوچ لیا ہوگا، میں تم پر اپنی مرضی نہیں مسلط کر رہا، تمہاری جو بھی رائے ہوگی میرے لئے وہی اہمیت رکھے گی کیونکہ زندگی تم نے گزارنی ہے، تمہاری ماں کا اصرار ہے کہ تم شیراز کے ساتھ خوش رہو گی، اس کی تمہاری دلچسپیاں، شوق اور جاب ایک ہی ہے اور میں تم پر اپنی مرضی مسلط کر کے تم پر ظلم کر رہا ہوں، تم مجھے بتا سکتی ہو مریم؟ اگر شیراز اس مقصد کے لئے تمہیں پسند ہے تو یقین کرو مجھے صرف تمہاری خوشی سے سروکار ہے، میں بی بی جان سے معذرت کر لوں گا۔'' مریم کا دل کسی نے زور سے مسلا تھا۔

''پاپا! میں جلد آپ کو بتا دوں گی۔'' وہ ہولے سے بس اتنا ہی کہہ پائی تھی، پاپا نے بھی ایک دو رسمی باتوں کے بعد موبائل بند کر دیا تھا۔

☆☆☆

اس دن وہ اپنا کام لے کر بی بی کے پاس ہی آن بیٹھی، نرگس بھی وہیں تھیں اور سارہ بھی بیٹھی اپنا کوئی ٹیسٹ یاد کر رہی تھی، آہستہ سے ہی سہی مریم اس ماحول میں خود کو ڈھلتا محسوس کر رہی تھی، کبھی جن کے بارے میں بات کرنا بھی اسے پسند نہیں تھا، آج ان کے ساتھ وقت گزارنا اس کی پہلی ترجیح تھی، غیر محسوس طریقے سے اس نے شاپنگ کرتے ہوئے شلوار قمیض اور دوپٹوں والے لباس ہی منتخب کیے تھے، شیراز کی اس کے پاس کال آئی تھی، اس نے معافی مانگنے کے لئے نہیں بلکہ برا بھلا کہنے کے لئے، وہ اس کی ساری بدتمیزی بھلانے کے لئے تیار تھا اگر جو وہ اس سے پرانے تعلقات استوار کر لیتی وہ بھی اس کی ترجیحات پر، اس نے اس پر لعنت بھیجتے ہوئے اس کا نمبر ہی بلاک کر ڈالا تھا، اپنی باتوں پر سوچتے سوچتے اس کے کانوں میں بی بی کے کچھ

الفاظ پڑے تو کی بورڈ پر اس کی انگلیاں ایک پل کو ساکت رہ گئی تھیں۔

''اب دور بدل چکا ہے، اس کے تقاضے بھی، یتیم بچی کی ذمہ داری بہت اہم ذمہ داری ہے، بہت سوچ سمجھ کر ہی کہہ رہی ہوں کہ مجھے عائشہ کے لئے یہ رشتہ پسند ہے، پڑھا لکھا ہے، لیکچرار ہے ماشاء اللہ، پھر اس کی دوست کا بھائی بھی ہے، نصیب والوں کو ہی ملتے ہیں ایسے رشتے۔''

''بی بی آپ سب کچھ جانتے بوجھتے کیوں ان جان بن رہی ہیں جب گھر کا رشتہ موجود ہے تو ہمیں باہر دیکھنے کی کیا ضرورت ہے، بھلے رشتہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو، اگر اس رشتے میں اتنے گن ہیں تو میرا بچہ بھی تو کسی سے کم نہیں ہے نہ شکل صورت میں، نہ تعلیم میں، نہ ہی خاندانی نسب میں، میں اتنی اچھی بچی کے گھر سے باہر جانے کے حق میں نہیں ہوں اور یہ تو برسوں پہلے ہی طے ہو گیا تھا کہ عائشہ کو اسی گھر کی بہو بننا ہے۔''

نرگس کے قطعیت سے کہنے پر مریم نے جھٹکے سے اپنا لیپ ٹاپ بند کیا تھا اور اٹھ کھڑی ہوئی تھی، مزید وہاں بیٹھنا مریم کے بس میں نہ رہا تھا، وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی، گرم گرم آنسو ابل ابل کر چہرے کو تر کیے دے رہے تھے، بغیر سوچے سمجھے اس نے اس کا نمبر ملایا تھا جو پچھلے کچھ دنوں سے اس کے سیل کی زینت بن چکا تھا۔

''السلام علیکم! حیدر بات کر رہا ہوں۔''

دوسری طرف اس کی آواز سنتے ہی وہ پھٹ پڑی تھی۔

''جب اپنے گھر ہی یہ عشق عاشقی کے چکر چلانے تھے تو میرے پاپا کو دھوکے میں رکھنے کی کیا وجہ تھی، میں یہاں کیوں موجود ہوں، میری مما ٹھیک ہی کہتی تھیں یہاں کے لوگ بہت ظالم ہیں، لازمی نہیں کہ ظاہری مار پیٹ کرنے والے ہی ظالم ہوں بلکہ وہ تو اچھا ہوتا ہے کہ جسم پر ہی اپنی بھڑاس نکال لیتے ہیں، آپ جیسے لوگوں کا کیا جو دل توڑتے ہیں، روح کو زخمی کرتے ہیں، ابھی تو میں نے ہاں یا ناں نہیں کی تھی پھر تم کیسے مجھے درمیان میں چھوڑ کر عائشہ کے لئے ہاں کہہ سکتے ہو محترمہ! میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کون ذات شریف بات کر رہی ہیں اور اس زبانی گولہ باری کا کیا مطلب ہے۔'' اس قدر ٹھنڈے لہجے پر ایک دم ہی اس کی بولتی بند ہو گئی تھی۔

''بہت برا کیا حیدر، تم نے بہت برا۔'' بڑبڑا کر کہتے اس نے کال ڈراپ کر دی تھی اور سیل آف کر کے بیڈ پر اچھال دیا تھا، اس سے اگلے دو تین گھنٹے رونے میں گزرے تھے اس کے شام کو جب اس کی آنکھ کھلی تھی، مغرب کی اذانیں ہوئے کافی دیر گزر چکی تھی، منہ ہاتھ دھو کر جس پل وہ باہر آئی، اسے سب کے درمیان دیکھ کر اس کے قدم بے ساختہ ٹھٹک گئے۔

''آؤ بیٹا آ جاؤ، آج تو بہت دیر سوئیں تم۔'' بی بی نے پیار سے بلا کر اسے اپنے ساتھ بٹھا لیا آہستہ سے سلام کر کے وہ وہیں بیٹھ گئی، ایسے کہ نظریں اٹھا کر اسے دیکھنے کی ہمت نہ تھی اس میں دوپہر کو ہونے والی غیر ارادی حرکت پر اسے شرمندگی کے ساتھ ساتھ خود پر غصہ بھی تھا، بھلا کیا سوچتا ہو گا وہ اس کے بارے میں۔

''میں تو بی بی اتنی اچھی اور سمجھدار بچی کو اس نالائق کے ساتھ ہرگز بھی نہیں بیاہنا چاہتا جس کی غیر ذمہ داری کا یہ عالم ہے کہ میری اجازت کے بغیر اس نے شہر کا ایک پلاٹ جو اس کے نام تھا پتہ نہیں کب بیچا، کس لئے بیچا اور پیسے کہاں گئے کچھ پتہ نہیں یہ تو اپنے اس عیاش طرز زندگی اور دوستوں کے لئے کل ہم سب کو بیچ کھائے گا، بھلا یتیم بچی کے لئے ایسا فیصلہ دے کر روز آخرت اللہ کو کیا منہ دکھاؤں گا۔''

تایا تو اچھے خاصے غصے میں لگ رہے تھے، مریم نے ناسمجھی سے سب کو دیکھا، عائشہ بھی تائی کے پہلو میں سر جھکائے بیٹھی تھی جبکہ شجاع نظر نہیں آ رہا تھا، تائی نے ملتجی نظروں سے حیدر کو دیکھا اور مبہم سا اشارہ کیا۔

''وہ شرمندہ ہے ماموں اس کے لئے مگر بقول اس کے اس کے دوست کی ماں کا آپریشن تھا تو اس کے لئے فوری رقم درکار تھی، جس کے لئے اسے ایسا کرنا پڑا۔''

جب سے یہ رشتے والی بات ہوئی ہے کھانا پینا ہی نہیں رہا میرے بچے کا سارا سارا دن کمرے میں بند پڑا رہتا ہے، کہتا ہے ابا سے کہیں جو اور جیسے کام کہیں کرنے کو تیار ہے، آئندہ کبھی شکایت کا موقع بھی نہیں دے گا، بس ایک بار عائشہ سے منگنی یا نکاح کر دیں پھر بھلے جب اس کی جاب ہو جائے تب شادی کی جائے، جوان بچہ ہے شجاع کے ابا، کچھ کر نہ بیٹھے، میں سمجھاؤں گی اسے، تو وہ خود ٹھوکر کھا کے بیٹھا ہے کہ ایسی لاپرواہیوں سے اس نے کیسے سب کو بدظن کیا ہے بچپن کے طے کیے رشتے کو بھول گئے سب، تائی آہستہ سے بولیں۔

''اس کو دیکھوں اور پرائی بچی کی زندگی برباد کر دوں، تم سب کے لاڈ نے ہی بگاڑا ہے اسے اور ابھی کہاں ٹھوکر کھائی ہے اس نے، ٹھوکر تو جب کھائے گا جب میں عائشہ کو ایک اچھے اور ذمہ دار شخص سے بیاہوں گا، ٹھوکر تو کھائے گا جب یہ سب میری محنت کا کمایا ہوا آوارہ دوستوں کو کھلا جائے گا اور جب اس کی عیاشیوں کو پورا کرنے والا باپ زندہ نہیں رہے گا۔''

''خدا کا نام لے ہاشم، کیوں ایسی باتیں کہ ہم سب کو پریشان کر رہا ہے۔'' بی بی دہل کر بولیں۔

''تایا! آپ ایک دفعہ عائشہ سے تو پوچھ لیں، اگر وہ کہہ دے تو ہمیں بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' حیدر نے سمجھداری کا ثبوت دیا، عائشہ نے حواس باختہ ہو کر تایا کو دیکھا۔

''ہاں تو، وہ تو ضرور ہی پوچھوں گا، عائشہ بتا دے پتر کیا تو اس نالائق کے ساتھ زندگی گزارنا پسند کرے گی جس نے گھر میں سب سے زیادہ تمہیں ہی عاجز کیا ہوا ہے۔'' س کی نظریں بھی عائشہ کی صرف اٹھی تھیں، وہ ایک دم چہرہ جھکا گئی تھی۔

''بتا دے پتر، یہاں سب تیرے اپنے ہیں اور ویسا ہی ہو گا جیسا تو چاہے گی۔'' تایا نے پچکارا تھا ساتھ اس کے سر پر ہاتھ بھی رکھ کے اسے بولنے کے لئے کمک فراہم کی۔

''ابا مجھے واقعی میں اس کی بہت سی عادات ناپسند ہیں اور میں بھی چاہتی ہوں کہ وہ زندگی کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے اپنے اندر احساس ذمہ داری پیدا کرے، مجھے اس کی اس طرح باپ کے پیسے پر عیش کرنے کی عادت بھی سخت ناپسند ہے۔''

''لو جی گل ہی مک گئی، اب تو سن لیا ناں سب نے، برخودار کے جو حمایتی ہیں وہ بھی دیکھ اور سن چکے ہیں کہ کڑی اپنے منہ سے، اپنی مرضی سے اس رشتے سے انکار کر رہی ہے۔'' ان سب کے چہرے فق جبکہ تایا جی کا انداز اطمینان والا تھا۔

''مگر ابا جی، یہ بھی سچ ہے کہ میں اپنی پوری زندگی بھی اسی گھر میں گزارنا چاہتی ہوں۔'' عائشہ کہہ کر رکی نہیں تھی، اندر چلی گئی تھی۔

''ہیں؟ اے کی کہہ گئی ہے کڑی۔'' تایا جی

نے عائشہ کی پشت کو دیکھ کر نا سمجھی سے کہا۔

"بس شجاع کے ابا اب تو سن لیا ناں بچی کی مرضی بھی یہی ہے، بس جلدی سے کل ہی یہ رشتہ پکا کر دو، میں اپنے شجاع کو یہ خبر سنا دوں، کل سے کچھ نہیں کھایا میرے بچے نے۔" تائی حتمی انداز میں کہتے اٹھ گئیں جبکہ تایا ابھی سب کے چہروں پر طمانیت اور خوشی دیکھ کر چپ رہ گئے اور کچھ سوچتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆☆☆

دستک کی آواز پر اس نے یس کہا اور خود دوبارہ سے لیپ ٹاپ پر مصروف ہو گئی۔

"آؤ عائشہ! پر کچھ ڈیزائین۔" نو وارد پر نظر پڑتے ہی اگلی بات زبان پر ہی رک گئی تھی۔

"تم۔" پاس پڑا دوپٹہ اٹھا کر کندھوں پر ڈالا تھا، وہ سامنے والے صوفے پر آ کر بیٹھ گیا، اتنی خود اعتماد مریم پتہ نہیں کیوں اس کے سامنے ایک دم نروس ہو جایا کرتی تھی۔

"آپ نے بتایا نہیں کہ میں نے کون سے عشق عاشقی کے چکر چلا رکھے ہیں، جن سے میں خود لاعلم ہوں محترمہ اور آپ کے والد محترم کو کون سا دھوکا دیا ہے میں نے؟"

"وہ...... میں...... حیدر...... آئی ایم سوری۔" انگلیاں مروڑتے وہ صرف یہی کہہ سکی کہ اس کے پاس جواب ہی نہیں تھا۔

"محترمہ! آپ کے ساتھ تو وہ معاملہ ہے کہ چت بھی میری پٹ بھی میری، بارہ سالہ پہلے جوڑا گیا رشتہ جب رشتہ نہیں رہ گیا ہوتا ایک مضبوط خوشبو دار تعلق بن چکا ہوتا ہے جس کی خوشبو دور دور تک اس احساس کو زندہ رکھے ہوئے ہوتی ہے جو اس رشتے کو قائم کرتے وقت دو خاندانوں کے بیچ بندھا ہوتا ہے، تو ایک فریق کی طرف سے کہا جانے والا ایک جملہ ہی کتنی تکلیف دیتا ہے ان سب لوگوں کو جو اس رشتے سے بندھے ہوتے ہیں، کہ ابھی وہ حیدر کو دیکھے، جانے اور پرکھے بغیر ہاں نہیں کر سکتی، بی بی نے دو دن کھانا برائے نام کھایا تھا اماں کتنے ہی دن اداسی کی لپیٹ میں رہیں اور میں......" وہ کچھ دیر رکا، مریم نے بمشکل سانس لی تھی۔

"مجھے لگا سب ختم ہو گیا ہو، تیرہ سال سے پچیس سال کی عمر تک آپ کو اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے ایک ہی بات باور کرائی جائے، بیج بونے والوں نے تو یہ بھی نہیں سوچا تھا کہ اس پورے کے لئے دل جیسی نرم و نازک جگہ کا انتخاب کر رہے ہیں، بارہ سال میں جب وہ پورے سے تنا آور درخت بنے گا تو ان سب کسانوں کی اور زمین کی بارہ سال کی محنت نظر انداز کر کے وہ درخت کاٹنے کی کوشش کی جائے گی تو کتنی تکلیف دہ اذیت ہو گی، اس زمین کو اس زمین کے مالک کو اللہ نہ کرے جو آپ کو ایسی کسی تکلیف کا سامنا کرنا پڑے، بہرحال آپ اگر ہاں یا ناں کے انتخاب کا حق رکھتی ہیں تو دوسرا بھی تو دل دماغ اور خواہشات رکھتا ہے، اس کو ایکسپٹ اور ریجکٹ کرنے کا ہی حق حاصل ہے میں......"

"نہیں حیدر، کچھ مت کہیں۔" وہ بے قراری سے بولی تھی۔

"میں مانتی ہوں میں نے وہ سب کہا تھا اور وہ سب کہہ کر میں نے تمہارا اور سب گھر والوں کا دل دکھایا تھا، میں اپنی کہی گئی باتوں پر شرمندہ ہوں، پسند ناپسند کا حق ہر انسان کے پاس ہوتا ہے مگر اسے الفاظ کے چناؤ میں احتیاط سے کام لینا چاہیے، یہ بات مجھے اب آ کر سمجھ آئی ہے۔" وہ بے چینی سے کہہ رہی تھی۔

یہ کسی کے لئے تکلیف کا باعث بن سکتے ہیں، ساتھ ہی یہ بھی سچ ہے کہ میں نے مروت، رواداری، خلوص اور محبت کا جو رنگ یہاں دیکھا ہے، وہ دنیا کے کسی اور کونے میں نہیں دیکھا، اب پورے جذب سے بول رہی تھیں۔

"اور...... اور یہ بھی سچ ہے کہ میں بھی عائشہ کی طرح اس گھر کی مکین بن کر رہنا چاہتی ہوں اب۔" نظریں جھکا کر اس نے کہا تھا۔

"ویسے مجھے اب تک یہ نہیں پتہ چل سکا کہ تم نے اس دن غصے میں مجھے عائشہ کے حوالے سے کیوں باتیں سنائیں؟" وہ ابھی تک الجھن میں تھا۔

"وہ اس دن بی بی اور......" وہ ہاتھوں پر نظریں جمائے سب کچھ بتاتی چلی گئی۔

"ہم...... مگر ایک مسئلہ ہے اب۔" وہ پر سوچ انداز میں بولا، مریم کے جھٹکے سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کیا؟" اس نے جھجک کر کہا۔

"وہ یہ کہ تمہاری طرف سے مایوس ہو کر میں نے بھی تو آخر کہیں نہ کہیں شادی کرنی ہی تھی ناں، اب کالج میں ہی ایک کولیگ، پسند آ گئی ہے اور میں اسے پروپوز کر چکا ہوں۔" مریم پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی، بات کا پوری طرح سمجھ میں آیا تھا کہ اس کی آنکھیں لبالب پانیوں سے بھر گئی تھیں اور لمحوں میں وہ ہاتھوں میں منہ چھپا کر رہ رہی تھی۔

"ارے...... ارے مریم سنو تو، مذاق کر رہا تھا بھئی میں، کمال ہے اپنی باری پر اتنی گولہ باری کہ اگلا بندہ جان سے گزر جائے اور خود سے ایک چھوٹا سا مذاق برداشت نہیں ہو رہا۔" وہ بوکھلا کر اس کے قریب آیا اور اس کے چہرے سے ہاتھ ہٹائے۔

"اور اگر یہ سچ بھی ہوتا تب بھی میں نے قتل کر دینا تھا اس کولیگ کا بھی اور تمہارا بھی۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"کل عائشہ اور شجاع کی منگنی ہے، اب فائنل فیصلہ بتا دو تو لگے ہاتھوں میں اپنا بندوبست بھی کرا لوں کہ اگر ریجیکٹ تو وہ کولیگ......" ابھی اس کی بات پوری نہ ہوئی تھی کہ چھوٹا سا کشن اس کے سینے سے ٹکرا کر نیچے آن گرا۔

"اف بھئی بڑی خطرناک لڑکی ہو تم، زبان گولہ باری کے ساتھ عملی بم باری بھی کر سکتی ہو، میں کہہ رہا تھا کہ اگر ایکسپٹ تو پھر تم اور میں۔"

"ہم صرف اور صرف ایکسپٹ نہیں تو مارشل آرٹ میں بھی ماہر ہوں میں۔" وہ فخریہ بولی، جبکہ حیدر دل کی پوری آمادگی کے ساتھ ہنس دیا تھا اس کی بات سن کر۔

☆☆☆



میں رقص

بشریٰ سیال

''اللہ اپنے بندوں سے بہت پیار کرتا ہے، بے حد چاہتا ہے انہیں، وہ تو کافروں کو بھی نوازتا ہے، ان کی بھی دعائیں سنتا ہے، پھر جب کوئی انسان کسی اپنے جیسے دوسرے انسان کو تکلیف پہنچاتا ہے تو وہ ہرگز معاف نہیں کرتا اور کسی دوسرے کو پہنچائی گئی تکلیفوں میں سے سب سے بڑی تکلیف، سب سے بڑی زیادتی کسی کے شفاف کردار پر لگایا گیا الزام ہے، سفید چادر پر اگر سیاہ رنگ کا بدنما دھبہ لگ جائے تو پھر جتنی مرضی کوشش کرلی جائے، وہ آسانی سے اترتا نہیں ہے اور یہ ایسا طلسم ہے کہ جو اللہ رب العزت کی بارگاہ میں معاف نہیں کیا جاتا۔''

''اور جو پارسا عورتوں کو عیب لگائیں، پھر چار گواہ (شہادت) کے نہ لائیں تو انہیں اسی (80) کوڑے لگاؤ اور ان کی کوئی گواہی کبھی نہ مانو، وہی فاسق ہیں۔'' القرآن، سورۃ النور آیت



ناولٹ

نمبر۴۔

''اور وہ جو اپنی عورتوں کو عیب لگائیں اور ان کے پاس اپنے بیان کے سوا گواہ نہ ہوں تو ایسے کسی کی گواہی یہ ہے کہ چار بار گواہی دے اللہ کے نام سے کہ وہ سچا ہے اور پانچویں یہ کہ، اللہ کی لعنت ہو اس پر اگر جھوٹا ہو۔'' القرآن، سورۃ النور آیت نمبر ۶، ۷۔

اور اللہ کی لعنت کوئی چھوٹی بات تو نہیں ہوتی نہ، صوفیہ نے جو گناہ عظیم کیا اسے اس کی کوئی پرواہ نہ تھی، نہ ہی وہ اس پر شرمندہ تھی اور جو انسان اپنے گناہ اور زیادتی پر شرمندہ نہ ہو، اسے توبہ کی توفیق بھی نہیں نصیب ہوتی، ایسا ہی اس کے ساتھ بھی ہوا تھا، وہ آج تک اس بات پر قائم تھی کہ اس نے کوئی گناہ نہیں کیا، کوئی زیادتی نہیں کی اور اس کی یہی ہٹ دھرمی اسے رب کائنات کی بارگاہ میں ذلیل و رسوا کر گئی تھی، اس کا دماغی

توازن بگڑنے لگا تھا، وہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگی تھی، تنہا بیٹھی بولتی تھی، دیواروں سے باتیں کرتی تھی۔

"میں نے گل افزاء کو گھر سے نکال دیا۔" وہ اکیلی بیٹھی اپنے گناہوں کا اقرار کرتی تھی، در و دیوار، ہر شے کو اپنی زیادتیوں کا گواہ بناتی تھی۔

"میں نے عروبہ کو بھی غضنفر علی سے دور کر دیا...... ہاہاہا۔" وہ زور، زور سے قہقہے لگا رہی تھی۔

"اور...... فروا...... ہاہاہا......" اب وہ تالیاں بھی بجا رہی تھی، یہ وہی صوفیہ تھی، جس کے ہر انداز میں ایک رعونت اور فخر و غرور ہوتا تھا، اس وقت وہ مکمل پاگل دکھائی دے رہی تھی، اللہ کی مخلوق سے محبت کرنا ایک فطری اور اچھا عمل ہے، مگر اس محبت میں حد سے گزر جانا شرک کے مترادف ہے، جب انسان کسی انسان کی محبت میں غرق ہو کر اسے پانے کے لئے ہر جائز و ناجائز راستہ اپناتا ہے تو وہ ابلیس کا ساتھی بن کر رحمت خداوندی سے دور ہو جاتا ہے۔

اور اگر انسان کسی انسان کی محبت میں گھر کر اللہ کے قریب ہونے لگتا ہے، اس کے ہر انداز میں حلاوت، نرمی اور عاجزی پیدا ہونے لگتی ہے تو اسے خدا کا قرب اور عشق حقیقی نصیب ہوتا ہے۔

صوفیہ نے غضنفر علی کو پانے کے لئے ہر ناجائز طریقہ اپنایا، ہر گناہ کو جائز سمجھا اور وہ رحمت خداوندی سے دور ہو کر گناہ کی ایسی دلدل میں پھنس گئی جس سے نکلنا اب اس کے بس میں نہ تھا۔

☆☆☆

"زین میری ماما نے آپ کی ماما کو سب کچھ سچ بتایا تھا۔" گاڑی کی خاموش فضا میں نویلہ کی آواز ابھری، گاڑی ایک زور دار جھٹکے سے رکی تھی۔

"جھوٹ مت بولیں، سخت نفرت ہے مجھے جھوٹ سے، دھوکے سے اور بناوٹ سے۔" وہ مشتعل ہوا، نویلہ سہم گئی اس نے شادی کے بعد روز زین ندیم کا ایک نیا خوبصورت روپ دیکھا تھا، وہ اپنی ماں سے بہت محبت کرتا تھا، وہ اپنے گھر کے سب ملازموں کی عزت کرتا، جانوروں، پرندوں اور پودوں کا بھی خیال رکھتا، اپنا کام بہت ایمانداری اور جانفشانی سے کرتا تھا، وہ کسی کو ذرا سی بھی تکلیف نہ پہنچاتا تھا، پھر یہ کون سا زین تھا، جو اس پر چلا رہا تھا، اس کو جھوٹا ثابت کر رہا تھا۔

"نہ میں نے آپ کو کوئی دھوکہ دیا ہے اور نہ ہی کوئی جھوٹ بولا ہے۔" وہ جی کڑا کر کے کہہ گئی۔

"بہت بہادر ہیں آپ۔" اس نے طنز سے کہتے ہوئے سر جھٹکا اور گاڑی اسٹارٹ کی۔

نویلہ کو یقین ہونے لگا کہ اس کی ماما نے اس کی تسلی کی خاطر یہ کہا ہوگا کہ زین ندیم کی ماما کو اس کی طلاق کے متعلق بتایا تھا، ورنہ وہ شادی کے لئے نہ مانتی، مگر اب کچھ نہ ہو سکتا تھا۔

کھانے پر ماما ان دونوں کا انتظار کر رہی تھیں، مگر زین کھانے کے لئے نہیں آیا۔

"زین کدھر ہے؟" اسے تنہا ہی آتے دیکھ کر وہ استفہامیہ لہجے میں بولیں۔

"وہ کھانا نہیں کھائیں گے۔" نویلہ نے بدقت تمام مسکراتے ہوئے جواب دیا، مبادا انہیں ان دونوں کے مابین ہونے والی رنجش کا علم نہ ہو جائے۔

"کیوں؟ طبیعت ٹھیک ہے اس کی؟ جاؤ اسے کہو میں بلا رہی ہوں۔" ماما نے اسے کہا تو وہ فوراً اپنے بیڈ روم میں آ گئی، وہ سامنے صوفے پر سر جھکائے بیٹھا تھا، نویلہ کو اس سے بات کرتے ہوئے ڈر لگا۔

"زین......!"

"بس۔" قبل اس کے وہ مزید کچھ کہتی اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید کچھ کہنے سے روکا، وہ وہیں تھم گئی۔

"میرے سامنے مت آؤ۔" وہ درشتی سے بولا۔

"آپ ایک دفعہ ماما سے پوچھ لیں کہ......"

"خبردار! خبردار ماما کو اس بات کی ہوا بھی لگی تو۔" وہ تیزی سے اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"ماما آپ کو کھانے پر بلا رہی ہیں۔" اس نے دل میں اٹھنے والے درد کو دباتے ہوئے کہا۔

"میں آتا ہوں۔" وہ اٹھ کر واش روم کی جانب بڑھ گیا، نویلہ دل میں ڈھیروں دکھ لئے واپس مڑ گئی تھی۔

عورت کا گناہ، اس کے کردار پر لگا دھبہ اس کی ذات پر لگا داغ معاشرہ کبھی صاف نہیں ہونے دیتا اور معاشرہ مرتے دم تک اسے بار بار اس کا احساس دلاتا ہے وہ جان گئی تھی۔

☆☆☆

ماہ وش نے تمام رات روتے ہوئے گزاری تھی، وہ تو اپنی پیدائش سے اب تک بس محبتیں ہی سمیٹتی آئی تھی، اس نے جو چاہا وہ فوراً پا لیا، اس کی کوئی خواہش کبھی تشنہ نہ رہی تھی، اس نے نارسائی کا درد کبھی نہ سہا تھا، اسے ہر جگہ چاہا اور سراہا گیا تھا۔

مگر عیسیٰ احمد نے جو اس کے ساتھ کیا تھا تو وہ اس کے لئے ناقابل برداشت تھا، اس نے زندگی میں پہلی بار جانا تھا کہ نارسائی کا درد کیا ہوتا ہے، سمندر کے پاس کھڑے ہو کر پیاس سے مرنا کسے کہتے ہیں۔

وہ گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی تھی جب بیڈ روم کا دروازہ کھلا تھا، عیسیٰ احمد کے بھاری قدموں کی چاپ ہولے سے کارپٹ پر ابھر کر معدوم ہو گئی تھی۔

"ماہ وش!" وہ اس کے پاس کھڑا اسے پکار رہا تھا، وہ نہ تو نویلہ تھی اور نہ ہی عروبہ جو فوراً اس کی بات سن لیتی، جلد مان جاتی، یا پہلی دفعہ میں ہی اسے معاف کر دیتی، وہ ماہ وش تھی، کم عمر، نادان، ضدی اور مغرور۔

"ماہ وش! میری بات سنو۔" وہ اس کے سامنے بیٹھا، اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا، وہ ابھی بھی ساکت تھی۔

"پلیز! مجھے معاف کر دو۔" اس نے ماہ وش کو شانوں سے پکڑ کر ہلایا تو اس کی خفگی اسے اپنے پاس محسوس کر کے کچھ کم ہونے لگی۔

"آپ بہت برے ہیں۔" اس نے سر اوپر اٹھایا، چہرے پر میک اپ کے مٹے مٹے نقوش، گالوں پر آنسوؤں کے نشان، سرخ ناک، سوجی آنکھیں اسے پشیمانیوں کی گہری کھائی میں پھینکنے لگیں۔

"میں جانتا ہوں، میں بہت برا ہوں۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر ماہ وش کے گال پر بہتے آنسو صاف کیے۔

"میرا وجود ریزہ، ریزہ ہے، بہت سی کرچیوں میں بٹا ہوا اور میں ان کرچیوں سے آپ کو زخمی نہ کرنا چاہتا تھا، اس لئے رات آپ سے دور رہا، مگر میں وعدہ کرتا ہوں آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔" وہ اسے بہلا رہا تھا، اپنے ساتھ ہونے کا یقین دلا رہا تھا اور وہ مان گئی تھی۔

"آپ نے مجھے بہت ہرٹ کیا ہے۔" وہ خفگی سے منہ پھلا کر بولی۔

"آئندہ نہیں کروں گا۔" وہ ہولے سے

مسکرایا، اس کی مسکراہٹ ماہ وش کو بے حد اچھی لگی تھی۔

''اب فریش ہو جائیں، پھر مل کر ناشتہ کرتے ہیں۔'' وہ اسے بغور دیکھتے ہوئے بولا۔

وہ ہو بہو عروبہ کی کاپی تھی اور بلاشبہ بہت حسین تھی، وہ اٹھ کر ڈریسنگ روم کی جانب بڑھی اور پھر کچھ یاد آنے پر اچانک مڑی۔

''آپ نے میری کوئی تعریف نہیں کی، میں کیسی لگ رہی ہوں، اتنا مہنگا ڈریس اور یہ جیولری لی تھی میں نے۔'' اس نے ایک نظر خود کو آئینے میں دیکھتے ہوئے کہا تو عیسیٰ احمد زیرلب مسکرایا تھا اس کے بچکانہ انداز پر۔

''آپ بہت خوبصورت ہیں اور بہت اچھی لگ رہی ہیں۔'' وہ دھیرے دھیرے چلتا ہوا اس کے قریب آیا اور اسے توصیفی نگاہوں سے دیکھا۔

''کوئی فائدہ نہیں ایسی تعریف کا، جو کہہ کر کروائی جائے۔'' اس نے منہ پھلایا، عیسیٰ احمد خاموش رہا۔

''اور آپ نے مجھے وہ تحفہ بھی نہیں دیا۔'' وہ جاتے جاتے پھر مڑی۔

''کونسا؟'' عیسیٰ احمد نے بایاں ابرو چڑھایا۔

''منہ دکھائی کا۔'' اب کی بار عیسیٰ احمد کھل کر ہنسا تھا۔

''آپ ریڈی ہو جائیں، ہم ناشتہ کر کے مارکیٹ جاتے ہیں اور آپ کی پسند کا تحفہ خرید لیتے ہیں۔'' وہ اسے بہلاتے ہوئے بولا۔

''آپ بہت ان رومینٹک ہیں۔'' وہ جھنجھلاتی ہوئی واپس مڑ گئی۔

''آپ بہت ان رومانٹک ہیں عروبہ، میں نے اتنی محبت سے آپ کے لئے چائے بنائی ہے، اب اتنے اچھے موڈ کے ساتھ آپ کو پرپوز کر رہا ہوں اور آپ بھی مجھے اس سے شادی کا مشورہ دیتی ہیں اور بھی اس سے۔'' بھولی بسری یادوں کا ایک انجان جھونکا دل کی بنجر سرزمین سے ٹکرایا تھا، وہ سر جھٹک کر واپس مڑا تھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

علیشہ چھت پر پرندوں کے لئے پانی اور دانہ رکھ کر مڑی تو سامنے تیمور کو کھڑے پایا۔

''السلام علیکم!'' اس نے محبت سے مسکراتے ہوئے سلام کیا اور اس کے قریب آ گئی۔

''وعلیکم السلام!'' اس نے علیشہ کے صبیح چہرے پر گہری نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

''آج آپ لیٹ ہو گئے ہیں تیمور!'' اس کے ساتھ چلتے ہوئے وہ سیڑھیوں کی جانب بڑھی۔

''ہاں۔'' وہ معنی خیزی سے مسکرایا۔

''چائے پئیں گے یا کافی؟'' وہ استفسار کرنے لگی۔

''میرے پاس تمہارے لئے ایک سرپرائز ہے علیشہ!'' وہ اس کا ہاتھ تھامے اندر کی جانب بڑھا۔

''کیسا سرپرائز تیمور؟'' وہ ناسمجھی کے عالم میں اندر کی جانب بڑھی، بیڈروم میں قدم رکھتے ہی اسے ایک بے بی کاٹ دکھائی دیا، وہ تیر کی سی تیزی سے اس کے قریب آئی۔

''یہ کیا ہے تیمور؟'' وہ خوشی سے پاگل ہونے لگی، مڑ کر تیمور عباس کے مسکراتے چہرے کو دیکھا، جو اسے خوش دیکھ کر دمکنے لگا تھا۔

''ہمارا بیٹا!'' اس کے الفاظ علیشہ کی سماعتوں میں رس گھولنے لگے تھے، اس لمحے اس نے خوشی کے ساتھ اپنے بدن میں درد کی ایک لہر بھی محسوس کی تھی، اسے لیبر پین محسوس ہوا تھا، خدا

نے اسے ماں بنا دیا تھا، وہ آگے بڑھی اور بے بی کاٹ پر جھک کر بچے کو گود میں اٹھا لیا۔

''میرا بیٹا، میرا بچہ، میری جان۔'' وہ اسے چوم رہی تھی، بہت پیار کر رہی تھی، کبھی اس کے گال چومتی، کبھی اس کی ننھی سی ناک کو ہاتھ سے چھوتی اور کبھی اس کے ہاتھوں کو آنکھوں سے لگاتی۔

ذرا سی دیر لگتی ہے
مگر وہ دے کے رہتا ہے

''شکریہ تیمور! آپ کا بہت شکریہ، I love you so much آپ کا یہ احسان میں کبھی نہیں بھولوں گی۔'' وہ پلٹ کر اس کے قریب آئی، تیمور عباس نے اسے اپنی بانہوں کے گھیرے میں لے لیا۔

''تمہارا شکریہ علیشہ! تم نے مجھے اللہ کے قریب کیا، تم نے مجھے اسلام کی دعوت دی، میں تو اندھیروں میں بھٹک رہا تھا، مایوسیوں میں گھرا ہوا تھا۔'' اس نے علیشہ کے سر پر بوسہ دیا۔

''میں نے آپ کو اللہ کے قریب کیا؟'' وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولی۔

''میں جو خود بھٹکی ہوئی، گنا ہگار انسان ہوں۔'' وہ تیمور عباس کی بات پر حیران ہوئی تھی۔

''تم بہت اچھی ہو علیشہ، تم نے مجھے اللہ کے قریب کیا اور انعام کے طور پر اس نے تمہیں اپنے قریب کر لیا، میں نہیں جانتا تمہارا ماضی کیسا تھا، مگر مجھے اتنا یقین ضرور ہے تمہاری روح ازل سے نیک تھی اور کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے علیشہ کوئی نیک روح جب کسی بدن میں داخل ہو کر اس دنیا میں آتی ہے تو بھٹک جاتی ہے، مگر نیک روح کو ہر حال میں واپس اپنے اللہ کے راستے پر پلٹنا ہوتا ہے، سنو تمہاری نیک روح بھی پلٹ گئی۔'' علیشہ اس کی بات سن کر مسکرا دی تھی۔

''مجھے اللہ سے بہت محبت ہے تیمور، میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ اس کی محبت میں اتنا مزا ہے، وہ خود سے محبت کرنے والوں کو اگر آزماتا ہے تو جو سکون ان کو دیتا ہے دنیا میں اور کسی کو نہیں دیتا ہے دنیا میں اور کسی کو نہیں دیتا، میں اس سے بہت پیار کرتی ہوں۔'' تیمور عباس مسکرا دیا تھا۔

''اور وہ انسان کو نوازتا ضرور ہے، چاہے دیر سے ہی سہی، چاہے اس سے مختلف انداز سے، جس انداز سے ہم چاہ رہے ہوتے ہیں۔'' علیشہ کی گود میں ننھا وجود کسمسایا تھا اور پھر ایک دم رونے لگا تھا۔

''ارے!'' علیشہ نے اسے سینے سے لگا لیا۔

''میں اس کے فیڈر اور دودھ وغیرہ لے آؤں۔'' تیمور تیزی سے باہر نکل گیا تھا، علیشہ اسے لئے ٹہلنے لگی تھی۔

''میری جان مت روؤ، میں تمہیں بہت پیار دوں گی، بہت چاہوں گی اور تمہاری بہت اچھی تربیت کروں گی، کیونکہ تربیت ہی تو نیکی اور بدی کی بنیاد ہوتی ہے۔'' وہ اس سے باتیں کر رہی تھی اور ماما کی گرمائش پا کر وہ چپ ہو گیا تھا، علیشہ کے بے چین دل کو بھی قرار آ گیا تھا۔

☆☆☆

فارقلیط حسن نے عیسیٰ احمد اور ماہ وش کو ڈنر پرانوائیٹ کیا تھا، گھر کے کک کے علاوہ باہر سے بھی کک بلوائے گئے تھے، کھانے میں خوب اہتمام ہو رہا تھا۔

''اچھا سا تیار ہو جاؤ، بیٹی پہلی مرتبہ شوہر کے ساتھ دعوت پر آ رہی ہے عروبہ۔'' وہ اسے ہدایت کرنے لگا، عروبہ غضنفر نے ایک کاٹ دار نظر اس پر ڈالی۔

ماہ وش بہت خوش اور مطمئن تھی، اسے دیکھ کر فارقلیط حسن مطمئن ہو گیا تھا، دونوں باپ بیٹی باتوں میں مصروف تھے، شہیر بھی کبھی کبھی گفتگو میں حصہ لے لیتا، دوسری طرف عروبہ اور عیسیٰ احمد خاموش بیٹھے تھے۔

''عیسیٰ آپ میرے ساتھ بزنس جوائن کر لو۔'' اچانک ہی فارقلیط حسن نے اسے مخاطب کیا تھا، عروبہ نے فوراً اسے دیکھا۔

''شکریہ۔'' اس نے فارقلیط حسن کی جانب دیکھے بناء جواب دیا۔

''میں سوچوں گا اس بارے میں۔'' وہ فوری طور پر اسے کوئی جواب نہ دے سکا، ماہ وش نے عروبہ کی طرف دیکھا۔

''ماما! آپ کیوں اتنی خاموش ہیں؟'' وہ پوچھنے لگی۔

''تمہاری ماما کی طبیعت کچھ اچھی نہیں بیٹا!'' جواب فارقلیط حسن نے دیا تھا۔

''ماما! آپ کو تو خوش ہونا چاہیے اس چڑیل سے آپ کی جان چھوٹ گئی۔'' شہیر نے بہن کو چھیڑا۔

''پاپا! دیکھ لیں اسے۔'' ماہ وش نے فوراً شکایت کی۔

''شہیر!'' فارقلیط حسن نے شہیر کو تنبیہ کی۔

''تنگ نہیں کرو میری بیٹی کو۔'' وہ مسکرا رہا تھا۔

''میں کہاں تنگ کر رہا ہوں پاپا۔'' وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے بولا۔

عیسیٰ احمد نے ایک بھرپور نظر عروبہ غضنفر پر ڈالی، اسے وہ اس ماحول میں اتنی ہی مس فٹ محسوس ہوتی، جتنی برسوں پہلے صوفیہ آنٹی کے گھر سب کے درمیان لگتی تھی۔

وہ اسی طرح سے سر جھکائے اردگرد سے بے نیاز اور لاتعلق نظر آتی کھانا کھانے میں مصروف تھی، بلکہ وہ ٹھیک سے کھانا بھی نہ کھا رہی تھی، کھانے کے بعد چائے کا دور چلا تھا، عروبہ نماز کا کہہ کر اپنے روم میں چلی گئی تھی۔

فارقلیط حسن نے واپسی میں ان دونوں کو تحائف دیئے تھے، عیسیٰ احمد بہت خاموش تھا، جبکہ ماہ وش مسلسل بول رہی تھی۔

''ماہ وش!'' وہ اچانک اسے پکار بیٹھا۔

''جی!''

''آپ کی ماما اتنی خاموش کیوں تھیں؟'' اس نے نظریں گھما کر ماہ وش کو دیکھا۔

''پاپا نے بتایا تو تھا ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' وہ بتانے لگی۔

''کیا آپ کے ماما، پاپا میں کوئی جھگڑا ہوا ہے؟'' وہ نا چاہتے ہوئے بھی پوچھ بیٹھا اور ماہ وش چونکی۔

''جھگڑا۔'' خود کو سنبھالتے ہوئے وہ ہنس دی۔

''وہ دونوں کبھی بھی جھگڑا نہیں کرتے، ایک دوسرے کو ابھی تک اتنا چاہتے ہیں کہ میں اور شہیر انہیں Love Birds کہتے ہیں۔'' وہ ہنستے ہوئے بتا رہی تھی، مگر عیسیٰ احمد مطمئن نہ ہوا تھا۔

☆☆☆

نویلہ عشاء کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تو زین ندیم کا انتظار کرنے لگی، مگر وہ ماما کے پاس بیٹھا ان سے باتیں کر رہا تھا، اس کا انتظار کرتے کرتے بہت ٹائم ہو گیا، اسے صبح ہاسپٹل بھی جانا تھا، وہ روم سے باہر نکلی، ماما کے روم کی لائیٹ بند تھی، البتہ اسٹڈی کی لائیٹ آن تھی، وہ وہیں آ گئی۔

زین ندیم سامنے ہی ایزی چیئر پر بیٹھا ہوا

تھا، چہرے پر غصے اور خفگی کے اثرات نمایاں تھے، وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس کے قریب آ رکی۔

''زین!'' اس نے ہاتھ اس کے شانے پر رکھا جسے اس نے فوراً جھٹک دیا۔

''یہاں کیوں بیٹھے ہیں؟'' وہ نرمی سے بولتے ہوئے استفسار کرنے لگی۔

''سونا نہیں ہے؟'' وہ ایسے بات کر رہی تھی، جیسے ان کے درمیان کچھ غلط نہ ہوا ہو۔

''آپ آرام کریں، میری فکر چھوڑ دیں۔'' وہ روکھائی سے بولا۔

''آپ صرف ایک دفعہ میری بات سن لیں۔'' وہ اس کے سامنے چیئر پر بیٹھ گئی تھی۔

''مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی نویلہ Please leave me alone۔'' وہ اجنبیت لہجے میں سموتے ہوئے بولا۔

''اگر آپ میری بات نہیں سنیں گے تو یہ مسئلہ کیسے Resolve ہوگا۔'' وہ ازحد فکرمند تھی، مگر زین ندیم اس کی بات سننے کے لئے ہرگز تیار نہ تھا۔

''مسئلہ نہیں دھوکہ۔'' وہ زہرخند ہوا اور دھوکہ بے نقاب ہوتا ہے، Resolve نہیں۔'' وہ لفظوں کو چبا کر بولا۔

''میں نے کوئی دھوکہ نہیں دیا آپ کو۔'' وہ خود پر ضبط کرتے ہوئے بولی۔

''ایک اور جھوٹ۔'' اس نے طنز سے کہتے ہوئے سر جھٹکا۔

''میں جھوٹ نہیں بولتی زین۔'' اسے زین کی مسلسل الزام تراشی بہت بری لگ رہی تھی، مگر وہ بے بس تھی۔

''اونہہ۔'' زین ندیم نے سر جھٹکا۔

''آپ کو تو جھوٹ بول کر نیند ہی نہ آتی تھی اور اپنی نئی زندگی کی بنیاد ہی جھوٹ پر ڈالی آپ نے۔'' وہ اسے مسلسل کچوکے لگا رہا تھا۔

''آپ کو میری بات پر یقین نہیں ہے، اس لئے میں آپ سے اب کوئی بات نہیں کروں گی، اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہنا مجھے اب۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

''کہنے کو کچھ ہوگا تو کہیں گی نہ۔'' وہ استہزائیہ انداز میں بولا۔

''آپ نے مجھے بہت ہرٹ کیا ہے زین، میں آپ کو بہت مختلف سمجھی تھی، مگر آپ نے ثابت کر دیا، سب مرد ایک جیسے ہوتے ہیں، عورت کی غلطی کو معاف نہ کرنے والے۔'' وہ باہر کی جانب بڑھ گئی، زین ندیم اس کے الفاظ میں کھو کر رہ گیا۔

☆☆☆

اب ایسے چاک پر کوزہ گری ہوتی نہیں تھی
کبھی ہوتی تھی مٹی اور کبھی ہوتی نہیں تھی
بہت پہلے سے افسردہ چلے آتے ہیں ہم تو
بہت پہلے کہ جب افسردگی ہوتی نہیں تھی

وہ پتھر کا ایک ایسا بت بنی بیٹھی تھی کہ جس کو تراشنے والے نے بہت محبت سے تراشا تھا، اسے پوجا تھا اور جب وہ مکمل ہو گیا تو اسے اس میں نقائص نظر آنے لگے اور وہ خود ہی ہتھوڑے لے کر اسے توڑنے کے در پے ہو گیا اور وہ بے بس سا بت اپنی قسمت پر کف افسوس ملنے لگا تھا اور حیرت زدہ سا اس ساحر کو دیکھتا اور کبھی اپنے ٹکڑے ٹکڑے ہوتے وجود کو۔

فارقلیط حسن پچھلے آدھے گھنٹے سے اپنے فون پر بزی تھا، وہ ہنس ہنس کر کسی لڑکی سے باتیں کر رہا تھا، عروبہ غضنفر حیرت اور بے بسی کی تصویر بنی بیٹھی کبھی اسے اور کبھی ہاتھ کی لکیروں کو دیکھتی۔

''کس سے بات کر رہے تھے؟'' وہ فون بند کر کے سونے کے لیے لیٹنے لگا تو عروبہ غضنفر اپنی جگہ سے اٹھی اور اس کے قریب آئی۔

''میری دوست ہے تارا۔'' وہ سکون سے اسے جواب دیتے ہوئے سائیڈ ٹیبل سے سگریٹ اور لائٹر نکالنے لگا۔

''جوان بیٹی کے باپ ہیں، کیا یہ حرکتیں آپ کو زیب دیتی ہیں؟'' وہ تیکھے پن سے بولی تو فارقلیط حسن نے ایک گہرا کش لگاتے ہوئے دھواں فضا میں چھوڑا اور ہنس دیا۔

''کیا میں دیکھنے میں جوان بیٹی کا باپ لگتا ہوں؟'' وہ حظ اٹھاتے ہوئے بولا اور وہ صحیح تو کہہ رہا تھا، وہ آج بھی ینگ، اسمارٹ اور ڈیشنگ تھا، جیسے اتنے برسوں میں وقت اسے چھوئے بنا گزرا ہو، عروبہ البتہ کمزور اور اپنی عمر سے بڑی لگنے لگی تھی۔

''آپ کیوں کر رہے ہیں ایسا؟'' وہ خود پر ضبط کے بند باندھتی ہوئی بولی۔

''کیسا؟'' اس نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہا اور ایک اور کش لگاتے ہوئے دھواں فضا کے سپرد کیا، عروبہ غضنفر کھانسنے لگی۔

''آپ بھول گئے، آپ مجھ سے محبت کرتے تھے؟'' اسے خبر نہ ہوئی اور وہ اس سے محبت کی بھیک مانگنے لگی، اپنی گم گشتہ محبت کو اس کے اندر تلاش کرنے لگی۔

''محبت؟'' وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا، عروبہ کا دل دکھ سے کٹنے لگا۔

''اب نہیں کرتا۔'' عروبہ غضنفر کے چہرے کا رنگ متغیر ہوا، اس کے دل میں درد اٹھا اور رفتہ رفتہ پورے بدن میں پھیل گیا، اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

''آپ بہت اچھے تھے فارقلیط حسن، پھر......''

''میں بہت برا ہوں، اب یقین کر لو۔'' وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا تھا۔

''میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں فارقلیط پلیز میرے ساتھ ایسا مت کریں، پھر پہلے جیسے ہو جائیں نہ، میرے ہمدرد، دوست، میرے غمگسار، میرے محافظ۔'' وہ اس کی منت کر رہی تھی، اس سے دو بوند محبت مانگ رہی تھی، دل کی پیاسی سرزمین کو سیراب کرنے کی خاطر، مگر فارقلیط حسن کو اس پر ترس نہ آیا تھا، وہ شاید اسے اپنی محبت کی پیاس سے مارنا چاہتا تھا، جبھی تو اسے نظر انداز کر کے لیٹ گیا، وہ بھول رہی تھی مانگے کی محبت دل کو سکون نہیں دیتی روح میں اضطراب بھر دیتی ہے، مگر وہ غلطی کر رہی تھی، محبت کو بھیک سمجھ کر مانگتے ہوئے۔

☆☆☆

فروا جب سے عروبہ سے مل کر آئی تھی بہت خوش اور مطمئن تھی، دل اور ضمیر پر جو اتنا بڑا بوجھ تھا وہ سرک گیا تھا۔

''ماما!'' وہ تیار ہو رہی تھی، جب مصعب اس کے پاس آیا تھا۔

''جی ماما کی جان؟'' اس نے مسکرا کر بیٹے کو دیکھا تھا، وہ بہت اداس اور پریشان دکھائی دے رہا تھا۔

''ماما! میرے ساتھ بہت برا ہوا۔'' اس کی بات پر لپ اسٹک لگاتا فروا کا ہاتھ رک گیا۔

''اللہ خیر کرے، کیا ہوا بیٹا؟'' وہ تیزی سے مڑی اور اس کے پریشان چہرے پر نظر ڈالی۔

''ماہ وش کی شادی ہو گئی۔'' فروا اس کی بات سن کر شاکڈ رہ گئی۔

''کس نے بتایا؟''

''اکیڈمی سے پتا چلا۔'' وہ اداسی سے گویا

ہوا۔

''کہاں ہوئی اس کی شادی اور کب؟'' وہ حیرت زدہ سی تھی۔

''ہماری اکیڈمی کے اونر، سر عیسیٰ احمد سے۔'' اب کے بار فروا بری طرح چونکی، اس نام کے ساتھ بہت تکلیف دہ یادیں جڑی ہوئی تھیں اس کی۔

''بیٹا! جو انسان قسمت میں نہیں ہوتا نہ، ہم چاہے جتنی مرضی کوشش کر لیں، وہ ہمیں نہیں مل سکتا، نہ رونے سے نہ دعاؤں سے۔'' فروا اس کے دکھ کو سمجھتی تھی، وہ خود اس تکلیف سے گزری تھی، ادھوری محبت کے درد اور کرب سے واقف تھی۔

''اتنی جلدی کیوں کی شادی اس کے پیرنٹس نے؟'' وہ افسردگی سے بولا۔

''ماہ وش سر عیسیٰ احمد کو پسند کرتی تھی۔'' وہ سر جھکائے کھڑا تھا۔

''عیسیٰ احمد۔'' فروا کے لبوں نے بے آواز جنبش کی تھی۔

''جی ماما!'' مصعب علی چند ثانیے منتظر سا اس کے پاس کھڑا رہا اور جب فروا اس کی جانب متوجہ نہ ہوئی تو وہ باہر نکل گیا۔

''یہ تم نے کیا کر دیا عروبہ؟'' اس کے اندر ایک عظیم توڑ پھوڑ جاری تھی۔

''اس شخص کی وجہ سے تمہاری زندگی مذاق بنی، اس نے ہمیں کتنا دکھ دیا، پھر تم نے اسے کیوں اتنی اہمیت اور یہ حیثیت دی۔'' اس کے زخم تازہ ہونے لگے تھے، اسے اپنے اور عروبہ کے نقصان یاد آنے لگے تھے۔

☆☆☆

نویلہ کافی دیر سے ہاسپٹل سے لوٹی تھی، ماما اس کا انتظار کر رہی تھیں، دونوں نے اکٹھے لنچ کیا اور اس کے بعد نویلہ آرام کرنے کی غرض سے اپنے روم میں چلی گئی تھی۔

''کیا کروں؟ کس سے کہوں؟'' وہ بے چینی میں ادھر سے ادھر ٹہل رہی تھی، کچھ سمجھ نہ آ رہا تھا، کیا کرے، دفعتاً اس کے موبائل کی بپ نے اسے متوجہ کیا۔

اس نے آگے بڑھ کر دیکھا، زین کی کال تھی، اس نے اٹینڈ کرتے ہوئے موبائل کان کو لگایا اور سلام کیا۔

''آج لیٹ ہو جاؤں گا، ماما سے کہنا کھانے پر میرا ویٹ نہ کریں۔'' وہ گہری سنجیدگی لہجے میں سموتے ہوئے بولا۔

''خیریت ہے زین؟'' وہ فکرمندی سے پوچھ رہی تھیں اور اس کی بات سن کر زین ندیم کا پارہ ہائی ہونے لگا تھا۔

''آپ کو میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ روکھائی سے بولا۔

''آپ کب تک ناراض رہیں گے؟'' وہ از حد پریشان تھی، وہ نہیں جانتی تھی کہ زین ندیم کی ناراضی کیسے ختم ہو گی اور اسے کیا کرنا چاہیے، وہ تو اس سے بات تک کرنے کا روادار نہ تھا۔

''میں ناراض ہوں یا جو بھی، آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ماما کو میرا میسج دے دیں وہ کال ریسیو نہیں کر رہیں۔'' کہتے ساتھ ہی اس نے کال بند کر دی تھی، نویلہ نے سیل فون کو کان سے ہٹا کر اسے گھورا تھا۔

☆☆☆

اسے اپنی بیٹی سے بہت ڈر محسوس ہو رہا تھا، اس نے اسے کہا تھا کہ آج وہ وہاں سے چلی جائے گی، مگر ایسا تو صرف وہ اس سے ڈر کر کہہ گئی تھی، ورنہ اس کا کون سا ٹھکانہ تھا؟ وہ کہاں جاتی؟ کس سے اپنا درد کہتی۔

وہ اداس وطول کمرے کی کھڑکی میں کھڑی تھی جب دروازے پر دستک ہوئی، اس نے نہ ہی مڑ کر دیکھا، نہ کچھ بولی۔

''مجھے حیرت ہے اس شخص پر، وہ تو آپ سے بہت محبت کرتے تھے، پھر اب کیا ہو گیا انہیں، یوں اچانک سب کچھ ختم کر دیا۔'' وہ شام دوبارہ اس کے گھر گیا تھا، مگر اسے وہ وہاں ابھی بھی نہیں ملا تھا، نا جانے وہ کہاں گیا تھا۔

''وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں، میرا دل یہ نہیں مانتا کہ انہوں نے مجھے دل سے نکال دیا۔'' وہ مڑے بنا ہی بولی۔

''میں اتنا سالوں تک یہی سوچ کر مطمئن رہا کہ آپ ان کے ساتھ خوش ہیں، یہ بات میرے اطمینان کے لئے کافی تھی کہ آپ ماضی کی تکالیف کو بھلا کر ان کے ساتھ اچھی زندگی گزار رہی ہیں اور اسی لئے میں نے آپ کی لائف میں انٹرفیئر نہیں کیا کبھی۔'' دروازے کے باہر کھڑی اس کی بیوی کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی، اس کا شک درست ثابت ہوا تھا۔

''آخر وہ گئے کہاں؟'' حیرت میں ڈوبی اس کی آواز ابھری۔

''کہیں وہ بھی باہر تو نہیں چلے گئے؟'' وہ اپنا خیال ظاہر کرنے لگا۔

''وہ مجھے اکیلا چھوڑ کر کیسے جا سکتے ہیں۔'' وہ روہانسی ہوئی۔

''آپ کو ابھی بھی ان سے اچھی امید ہے؟'' وہ نا چاہتے ہوئے بھی کہہ گیا۔

''میں ایک بار پھر جاؤں گا، مگر مجھے ایسا لگتا ہے کہ وہ......'' وہ قصداً بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہو گیا۔

''میں صبح ہوتے ہی یہاں سے چلی جاؤں گی۔'' اس نے اطلاع دی۔

''آپ کو یہاں سے جانے کی ضرورت نہیں ہے، جب تک ان سے ہمارا کانٹیکٹ نہیں ہو جاتا۔'' اس نے فوراً اسے منع کیا تھا۔

''میں کب تک یہاں پڑی رہوں گی؟'' وہ جیسے خود سے سوال کر رہی تھی۔

''آپ کی مشکلوں میں کہیں نہ کہیں تو میرا ہاتھ بھی ہے، اتنا تو حق بنتا ہے آپ کا۔'' وہ کہہ کر پلٹ گیا تھا اور وہ حزن وملال کی تصویر بنی وہیں کھڑی رہی۔

☆☆☆

شہیر کا ایڈمیشن انجینئرنگ میں ہو گیا اور وہ یونیورسٹی کے ہاسٹل میں چلا گیا تھا، فارقلیط حسن کو نہ تو اب کوئی ڈر تھا، نہ شرم اور نہ ہی جھجک، اب وہ اکثر اپنے ساتھ اپنی گرل فرینڈز کو گھر لے آتا تھا، عروبہ غضنفر کڑھتی رہتی، کبھی اس سے جھگڑتی، روتی، مگر اسے مطلق پرواہ نہ تھی۔

''خدا کے لئے انہیں گھر مت لایا کریں۔'' ابھی ابھی اس کی گرل فرینڈ ان کے گھر دو گھنٹے گزار کر گئی تھی اور اس کے جاتے ہی وہ بھڑک اٹھی تھی۔

''میرا گھر ہے، جسے چاہوں لاؤں، تمہیں اعتراض کا کوئی حق نہیں ہے۔'' وہ اجنبیت لہجے میں سموتے ہوئے بولا، عروبہ غضنفر اس کے لفظوں کے زہر سے مرنے لگی تھی۔

''فارقلیط!'' وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی، اس نے ایک نظر عروبہ غضنفر پر ڈالی اور باہر نکل گیا۔

اس کے روم سے نکلتے ہی عروبہ غضنفر کا دل ہر چیز سے اچاٹ ہونے لگا، وہ وضو کر کے جائے نماز پر جا بیٹھی۔

''مجھے کس بات کی سزا مل رہی ہے مالک!'' اس کا دل بھرانے لگا تھا۔

''مجھے فارقلیط حسن کے بغیر نہیں رہنا۔'' وہ زار و قطار رو رہی تھی جب فارقلیط حسن گنگناتا ہوا، ہاتھ میں کافی کا مگ تھامے اندر داخل ہوا، اس نے جائے نماز سمیٹی اور باہر کی جانب بڑھی، فارقلیط حسن نے ایک نظر اس کے روئے ہوئے چہرے کو دیکھا۔

''کہاں چلی؟'' وہ استفسار کرنے لگا، عروبہ غضنفر نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سے اس کے پاس سے گزری۔

''اتنی ناراضگی۔'' اس نے عروبہ غضنفر کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''ہاتھ چھوڑیں فارقلیط۔'' اس نے ہاتھ چھڑانا چاہا۔

''چھوڑنے کے لئے تو نہیں پکڑا۔'' وہ معنی خیزی سے بولا۔

''مجھے اب آپ کی ایسی باتیں بالکل اچھی نہیں لگتیں۔'' وہ سوں سوں کرتی بولی۔

''تمہیں تو اب میں ہی اچھا نہیں لگتا۔'' اس کو زبردستی پاس بیٹھایا۔

''کافی پیو گی؟'' آفر آئی۔

''میرا دل جلانے کے لئے آپ کا رویہ کافی ہے۔'' وہ اٹھ کر باہر نکل گئی، فارقلیط حسن نے اسے جانے دیا۔

☆☆☆

فروا کو بابا نے اپنے آفس بلوایا تھا، وہ دل پر ڈھیروں بوجھ لئے ان کے پاس گئی تھی اور وہ فوراً اس کی اداسی کو بھانپ گئے تھے۔

''خیریت ہے بیٹا؟'' وہ اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھے ہوئے اس کے تاثرات کو جانچنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''جی بابا!'' وہ بشاشت سے مسکرائی۔

''آپ بتائیں، آپ نے کیسے یاد فرمایا؟''

دل کا درد ان سے چھپاتے ہوئے وہ نرم مسکان لبوں پر سجاتے ہوئے گویا ہوئی۔

''بیٹا!'' انہوں نے ایک گہری سانس فضا کے سپرد کی۔

''صوفیہ کی حالت دن بدن بگڑتی جا رہی ہے، میری پہلی بیوی، میری محبت، گل افزاء میرے اور فیملی کے لگائے زخموں کی تاب نہ لا سکی، ساری زندگی تڑپنے کے بعد چلی گئی، میں جانتا ہوں مجھے اس کے لئے اللہ کو جواب دینا ہو گا۔'' وہ لمحہ بھر کو رکے، فروا بغور ان کے مرجھائے ہوئے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

''صوفیہ نے میرے اور گل افزاء کے ساتھ بہت برا کیا، اس نے عروبہ پر بھی بہت بڑا ظلم کیا، مگر اس وقت اسے میری اشد ضرورت ہے، میں بزنس کو نہیں دیکھ پا رہا، نہ ہی اسے ٹریٹمنٹ کروا رہا ہوں صحیح طریقے سے۔'' ان کی لمبی چوڑی تمہید سے فروا بن کہے ہی ان کا مدعا جان گئی تھی۔

''میں چاہتا ہوں بیٹا آپ بزنس سنبھال لو اور اگر آپ کے پاس وقت نہیں تو پھر میں اسے بیچ دیتا ہوں، قبل اس کے کہ یہ ڈوب جائے۔'' فروا کو ان پر بہت ترس آیا تھا، وہ ان کی جانب دیکھتی رہی، غضنفر علی آس بھری نگاہیں فروا پر جمائے بیٹھے تھے۔

''بابا آپ فکر مت کریں، میں آفس جوائن کر لیتی ہوں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو ان کے شانوں سے جیسے بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا تھا۔

''مجھے اپنے بیٹے سے یہی امید تھی۔'' انہوں نے انٹرکام پر دو کپ کافی کا آرڈر دے دیا تھا۔

''بابا! آپ کو پتا ہے۔'' فروا نے اٹکتے ہوئے کہا۔

"کیا؟" وہ واپس آ کر اس کے پاس بیٹھے۔
"عروبہ نے اپنی بیٹی کی شادی کر دی ہے۔" غضنفر علی نے بری طرح چونکتے ہوئے اس کی جانب دیکھا۔
"اچھا!" وہ بس یہی کہہ سکے۔
"اور شادی پتا ہے کس سے کی ہے؟" وہ مزید گویا ہوئی۔
"کس سے؟" غضنفر علی نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔
"عیسیٰ احمد سے۔" غضنفر علی کو ایسا لگا چھت ان کے سر پر آ رہی ہو، وہ بے یقینی سے فردا کو دیکھ رہے تھے۔
"یہ بات میری سمجھ سے باہر ہے کہ عروبہ نے بیٹی کی شادی عیسیٰ احمد سے کیوں کی؟" یہی بات صوفیہ نے بھی بتائی تھی، مگر غضنفر علی نے یہی سوچا کہ وہ یہ بات خود سے کہہ رہی ہیں اور در حقیقت ایسا کچھ نہیں۔
"میں عروبہ سے ملنے گئی تھی۔" کافی آ گئی تھی اور فردا نے اپنا کپ اٹھا لیا اور دوسرا کپ غضنفر علی کی جانب بڑھایا۔
"اس کا ظرف بہت بڑا ہے بابا۔" اس نے کافی کا سپ لیا، غضنفر علی آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہے تھے۔
"اس نے مجھے معاف کر دیا بابا۔" غضنفر علی اب بھی خاموش تھے۔
"آپ کیوں نہیں جاتے اس کے پاس؟" وہ اب استفسار کر رہی تھی۔
"مجھے اس سے معافی نہیں چاہیے فردا۔" وہ نگاہیں جھکا کر اداسی سے بھرپور لہجے میں بولے۔
"میں چاہتا ہوں وہ مجھے روز قیامت گریبان سے پکڑ کر خدا کی عدالت میں پیش کرے، میں نے جو اس کے ساتھ کیا مجھے اس کی سزا دلوائے۔" فردا کو ان کی بات سے بے حد دکھ ہوا تھا۔
"وہ کبھی بھی ایسا نہیں کرے گی بابا۔" فردا نے کہا۔
"آپ کو اس کے پاس جانا چاہیے، اس سے بات کرنی چاہیے۔" وہ انہیں سمجھا رہی تھی، اکسا رہی تھی اور غضنفر علی سر جھکائے بیٹھے ٹھنڈی ہوتی کافی کو گھور رہے تھے۔

☆☆☆

ماہ وش ضد کر رہی تھی کہ اسے ماما پاپا سے ملنا ہے اور عیسیٰ احمد اسے ٹال رہا تھا، بالآخر وہ اس سے خفا ہو گئی، مجبوراً عیسیٰ احمد کو اسے لے کر جانا پڑا۔
"آپ میری ماما کو ایسے کیوں مخاطب کرتے ہیں؟" واپسی میں وہ اس سے سوال کرنے لگی۔
"کیسے؟" اس نے گردن گھما کر ساتھ بیٹھی ماہ وش کو دیکھا۔
"آپ، جناب کے انداز میں۔" وہ کہہ گئی۔
"وہ ینگ ہیں، عمر میں شاید میرے جتنی یا پھر مجھ سے بھی چھوٹی، اب میں انہیں آنٹی یا باجی تو کہنے سے رہا۔" عیسیٰ احمد نے وضاحت کی۔
ماہ وش کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس نے برا منایا ہے، اسی لئے دوبارہ کوئی بات نہ کی، شام کو وہ دونوں لاؤنج میں بیٹھے چائے پی رہے تھے، سامنے ٹی وی آن تھا، عیسیٰ احمد نیوز سن رہا تھا۔
"آپ کے پیرنٹس میں کوئی جھگڑا چل رہا ہے؟" عیسیٰ احمد نے اچانک پوچھا تھا، ماہ وش نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔
"میں نے پہلے بھی بتایا تھا کہ میرے

پیرنٹس کا جھگڑا نہیں ہوتا۔" اس نے بتایا۔
"سب میاں، بیوی کا جھگڑا ہو جاتا ہے۔" وہ بولا تھا۔
"کیا آپ بھی مجھ سے جھگڑیں گے؟" وہ اس سے سوال کرنے لگی تھی۔
"نہیں۔" عیسیٰ احمد نے مسکراتے ہوئے سر کو ہولے سے جنبش دی۔
"ایک بات پوچھوں احمد؟" وہ جب بھی اس کا نام لیتی اسے احمد ہی کہتی تھی اور وہ ہنس دیتا تھا۔
"پوچھو۔"
"کیا آپ کسی کو پسند کرتے تھے؟" وہ بولی تو عیسیٰ احمد نے چونکتے ہوئے اسے دیکھا۔
"ہاں۔" وہ چھپا نہ سکا۔
"تو شادی کیوں نہیں کی؟" ماہ وش کا دل زور سے دھڑکا۔
"اس کی شادی کسی اور سے ہو گئی۔" اس نے بتایا۔
"کیا وہ بھی آپ کو پسند کرتی تھی؟" وہ مزید استفسار کرنے لگی۔
"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا، ماہ وش مزید کچھ نہ پوچھ سکی، اس کا جی چاہا اس سے پوچھے کہ "کیا وہ اب بھی اسے پسند کرتا ہے، یا اسے یاد کرتا ہے۔" مگر وہ ہمت نہ کر سکی۔

☆☆☆

سر بزم تحیر روبروئے یار
می رقصم!
وفور عشق سے افشب
ستارہ وار، می رقصم
میں ایسا ہوں کہ وہ مجھ سے
کبھی غافل نہیں رہتا
تو کیسا ہے؟ وہ جب کرتا ہے استفسار
می رقصم!
میری وحشت تو میرے پاؤں ٹکنے ہی نہیں دیتی
سر خانہ،
سر محفل،
سر بازار،
می رقصم!
نظر ٹھہرے جہاں میری
وہیں رہتا ہوں میں رقصاں
اسی باعث سدا پیش لب و رخسار
می رقصم!
ادھر تو دھیان ہی میرا نہیں
اجر وفا کیا ہے
ترے قدموں میں رکھ کر جبہ و دستار
می رقصم!

سرما کی گہری اداس شام، چاروں اور شور، شرابہ، ہنگامے برپا تھے، دنیا ویسی ہی آباد تھی، بس صرف ایک فارقلیط حسن تھا جس کے اندر کے سناٹے بڑھتے جا رہے تھے، اس کے دل میں مہیب سناٹا تھا، گہری خاموشی، اسے اب تک یقین نہ آ رہا تھا کہ واقعی اس نے ایسا کر دیا ہے، وہ جو اس کا دیوانہ تھا، اسے بے حد چاہتا تھا، اس کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا تھا، وہ ساحل کنارے کھڑا تھا، سردی بڑھتی جا رہی تھی، رات گہری ہونے لگی، وہ دو دن سے اپنے گھر سے نکلا ہوا تھا، اسے واپس اس گھر میں جاتے ہوئے وحشت ہو رہی تھی، خوف محسوس ہو رہا تھا۔
"اگر واقعی وہ گھر چھوڑ کر جا چکی ہوئی تو؟" اس سے آگے وہ سوچ ہی نہ پاتا۔
دفعتاً اس نے ایک فیصلہ کیا وہ واپس مڑا، گاڑی میں بیٹھا اور رش ڈرائیونگ کرتا ہوا گھر پہنچا، وہ اسے سچ بتانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔
"عروبہ!" وہ اسے آوازیں دیتا ہوا گھر

میں داخل ہوا۔

"عروبہ!" وہ آگے بڑھا، لمبی روش عبور کرتا ہوا لاؤنج کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔

لاؤنج میں ادھر ادھر صفحات بکھرے ہوئے تھے، وہ تیزی سے بیڈروم کی جانب بڑھا، اندر داخل ہوتے ہی اس کی نظر اپنی اور عروبہ کی تصویر پر جا پڑی، جس کا فریم ٹوٹا ہوا تھا، کارپٹ پر اس کے خون کے دھبے لگے ہوئے تھے۔

"عروبہ! تمہارے چوٹ لگی، خون نکلا؟" وہ خود کلامی انداز میں بڑبڑایا۔

"تم نے...... تم نے...... تو...... دوا بھی نہ لگائی ہوگی۔" اس کی حالت غیر ہونے لگی تھی، اس نے تصویر کو اٹھا کر سینے سے لگا لیا اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔

"واپس آ جاؤ عروبہ، پلیز واپس آ جاؤ، میں صرف اور صرف تم سے محبت کرتا ہوں، میں نے جو کہا بکواس کیا۔"

"عروبہ! تم میرا عشق ہو، میری روح ہو، تم سے جدا ہو کر یہ دو دن میں نے کیسے گزارے ہیں، کاش تم میرے سامنے آؤ، میں تمہیں بتاؤں۔" وہ رو رہا تھا، اس نے ایک بے وقوفانہ سوچ کے تحت اپنا ہنستا بستا گھر اجاڑ لیا تھا۔

وہ اس سے شدید اور گہری محبت کرتا تھا، اسی محبت میں وہ انتہاؤں پر چلا گیا تھا اور عظیم نقصان سے دوچار ہوا تھا، اس کی یادیں فارقلیط حسن پر پتھراؤ کرنے لگی تھیں۔

نچایا عشق نے جیسے بلھے کو تھیا تھیا کر
اسی دھج سے بوقت جستجوئے یار
می رقصم!
کبھی بستی کے مردزن نا جانے سو گئے کب سے
مگر جاڑے کی شب میں ایک زندہ دار
می رقصم!
بڑے چکر ہیں چاہت میں
بڑے چرچے ہیں قسمت میں
نہ شمشیری رقصم!
نہ پرکاری رقصم!

"عروبہ واپس آ جاؤ۔" وہ اسے پکار رہا تھا، تڑپ رہا تھا۔

☆☆☆

زین ندیم کا رویہ روز بروز نویلہ کے ساتھ بگڑتا جا رہا تھا، کام کا بہانہ بنا کر وہ رات دیر تک گھر نہ آتا اور نویلہ کی راتیں سولی پر لٹکتے ہوئے گزرتیں۔

"ایسا کب تک چلے گا زین؟" آخر کار اس روز وہ رات دو بجے گھر آیا تو نویلہ اس کی منتظر تھی۔

"مجھے نہیں معلوم۔" وہ چیخ کر کے سونے کے لئے لیٹ گیا۔

"آپ ایک بار اپنی ماما......"

"میں نے کہا نہ کہ ماما سے بات نہیں کرنی۔" وہ درشتی سے اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔

"ایسے تو یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا۔" وہ روہانسی ہوئی۔

"مجھے اسے حل کرنا بھی نہیں ہے۔" وہ روکھائی سے بولا۔

"آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟"

"میں یہ چاہتا ہوں کہ تم میری نظروں کے سامنے سے چلی جاؤ فی الحال۔" اس نے کٹھور پن کی انتہا کر دی تھی، نویلہ اس کے سامنے سے ہٹ گئی تھی، وہ رات اس نے سولی پر لٹکتے ہوئے گزاری تھی۔

اگلے روز زین کے آفس جاتے ہی وہ غضنفر ہاؤس آ گئی تھی، ماما کو بتا دیا تھا کہ وہ اپنی والدہ کی

عیادت کو جا رہی ہے، مگر فی الحال اس کا واپس جانے کا ارادہ نہ تھا، زین ندیم نے اسے جو ایک مسلسل اذیت میں مبتلا کر رکھا تھا، وہ چند دنوں کے لئے اس سے چھٹکارا چاہتی تھی۔

☆☆☆

اسے اپنے کمرے میں شدید گھٹن ہو رہی تھی، مگر وہ باہر بھی نہ نکل سکتی تھی، وہ بیڈ پر پاؤں لٹکائے بیٹھی تھی جب دروازہ دھاڑ سے کھلا اور اس کی بیٹی اندر داخل ہوئی۔

"تو یہ ہے آپ کی اصلیت۔" وہ پھنکاری اس نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

"مجھے تو پہلے ہی شک تھا کہ آپ دونوں کے درمیان کچھ ہے، جبھی تو آپ میری شادی ان سے کرنے کے حق میں نہ تھیں، آپ کو ذرا شرم نہ آئی میرے شوہر پر ڈورے ڈالتے ہوئے، ماما وہ آپ کا داماد تھا، آپ کی بیٹی کا شوہر۔" وہ بولتے بولتے ہانپنے لگی تھی، دوسری جانب وہ آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی۔

"آپ کو کیا لگتا تھا، مجھے پتا نہیں چلے گا آپ کے ان کالے کرتوتوں کا، میرے پاپا کے منہ پر کالک مل کر آپ یہاں آ بیٹھیں۔" دروازہ کھلا اور اس کا شوہر اندر آیا۔

"آپ میں ذرا بھی شرم اور غیرت ہو تو یہاں سے نکل جائیں۔"

"بند کرو اپنی بکواس ماہ وش۔" عیسیٰ احمد زور سے دھاڑا۔

"آپ دونوں کو شرم سے ڈوب مرنا چاہیے۔" وہ زور سے چلائی۔

"ماں کا کردار تو بچے کے لئے عمر بھر کا حوالہ ہوتا ہے، آپ ایسی تھیں ماما، اتنی غلیظ۔" وہ حقارت سے بولی۔

"ماہ وش چپ ہو جاؤ۔" عیسیٰ احمد نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھا، سامنے وہ پتھر کا بت بنی بیٹھی تھی، اس کی آنکھوں میں آنسو جم گئے تھے۔

"نفرت ہے، مجھے آپ سے، شدید نفرت۔" وہ اس کا ہاتھ منہ سے ہٹا کر چلائی۔

"میرے پاپا کو اجاڑ کر برباد کر کے اب مجھے برباد کرنے آئی ہیں۔" اس کا بس نہ چل رہا تھا کہ انہیں دھکے دے کر گھر سے نکال دیتی۔

"چلو یہاں سے تم۔" وہ اسے باہر کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔

"نہیں۔" وہ سر کو زور زور سے نفی میں ہلانے لگی۔

"انہیں نکالو یہاں سے، ورنہ یہ مجھے بھی برباد کر دیں گی، آپ ان سے محبت کرتے ہیں نہ، ابھی تک کرتے ہیں...... آپ نے...... مجھے خود...... بتایا تھا۔" اس پر ہذیان طاری ہونے لگا تھا، عیسیٰ احمد اسے بمشکل کھینچ کر وہاں سے لے گیا تھا، عروبہ غضنفر مر گئی تھی، مٹ گئی تھی، فنا ہو گئی تھی، اپنی بیٹی کے منہ سے ایسی باتیں سن کر۔

☆☆☆

رات کی سیاہی گہری ہونے لگی تھی، سارا عالم خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہا تھا اور وہ اپنی روح کے زخموں سے بلبلاتی ہوئی، تڑپتی سسکتی، بالآخر فیصلہ کرتی وہاں سے اٹھی اور آہستگی سے دروازہ کھولتے ہوئے، دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی باہر کی جانب بڑھی۔

گیٹ سے باہر قدم رکھتے ہی سرد ہوا کے تیز جھونکے نے اس کا استقبال کیا، وہ اپنی سیاہ نصیبی پر آنسو بہاتی چلی جا رہی تھی۔

"لوگ کہتے ہیں رشتے ناطے بہت مضبوط ہوتے ہیں اور پھر خود ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ کچے دھاگے کی طرح ہوتے ہیں اور دھاگہ کبھی بھلا

کبھی مضبوط ہوا ہے، یہ تو ایک جھٹکے سے ٹوٹ جاتا ہے، اپنی زندگی میں، میں نے ہر رشتے کو بہت محبت اور عزت دی، مگر ان سب کے ہاتھوں مجھے ذلیل ہونا پڑا، ان کی آنکھوں میں اپنے لئے نفرت دیکھی تو جانا کہ بھروسے اور اعتبار کے قابل تو صرف تیری ذات ہے۔

زندگی کے تپتے صحرا میں وہ شخص اس وقت گھنا سایہ بن کر آیا جب میں تنہا، آبلہ پائی کا سفر کرتے ہوئے تھکنے لگی تھی، اس کے ساتھ ہونے سے میری تھکن اترنے لگی، ایسا لگنے لگا آزمائش کا دور گزر گیا، مگر یہ میری خام خیالی تھی، آج مڑ کر پیچھے دیکھتی ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے ایک لاحاصل سفر میں اپنی تمام توانائیاں صرف کر آئی ہوں۔

"میرے اللہ! میرا گناہ چھوٹا نہیں ہے، میں نے تجھے بھلا کر انسانوں سے محبت کی، ان کی پرواہ کی، ان پر بھروسہ اور اعتبار کیا، ہمیشہ تجھ سے ان کی محبت مانگی، کبھی تجھ سے تیری محبت نہیں مانگی، کبھی تیری جستجو نہیں کی، ان دنیاوی محبتوں کے ہاتھوں خوار ہو کر بھی مجھے تیرا خیال نہیں آیا۔" عمر بھر کی کمائی چند کھوٹے سکے تھے، جنہیں وہ لٹا آئی تھی، انسانوں کی محبت میں سرابوں کے پیچھے بھٹکتی رہی تھی۔

"یا اللہ! مجھے اب تیرے ان بے وفا، ظالم، دغا باز اور جھوٹے انسانوں کے پاس واپس نہیں جانا۔" زندگی اور رشتوں کی بے ثباتی کا بھید اس پر آج کھلا تھا، بہت سے راز منکشف ہوئے تھے۔

"یا اللہ تو مجھے نہ ٹھکرانا، اگر تو نے بھی ٹھکرا دیا تو کہاں جاؤں گی؟" جاتا سال اس سے بہت کچھ چھین کر لے گیا تھا اور آنے والے سال نے اس کے دامن میں دکھ، تنہائی، ذلت اور یادوں کا درد ڈال دیا تھا، یکا یک بادل گرجنے لگے اور انسانوں کی بے حسی پر طیش میں آ گئے تھے، یوں آسمان بھی اس کے غم میں رات بھر رویا تھا، چاند تو ازل سے انسانوں کے ظلم کی داستانوں کا گواہ ہے، وہ بھی دور کہیں بادلوں میں غمگین اداس منہ چھپا کر بیٹھ گیا تھا، سردی اس کی ہڈیوں میں گھسنے لگی تھی۔

"یا اللہ......!" وہ سڑک کنارے بنی ایک عمارت کے پاس گری، دیوار سے ٹیک لگائے زور زور سے سانس لینے لگی تھی۔

"اللہ...... میں...... قطرہ...... ہوں...... تو...... سمندر...... ا...... گر...... وہ...... سمندر سے...... الگ...... ہو...... میں سمندر میں ملنا...... چاہتی...... ہوں...... اپنی...... شناخت...... چاہیے...... مجھے......" درد سے نڈھال اس پر مستزاد غم کی کیفیت اس پر نقاہت طاری ہونے لگی، اس کا سر ایک طرف کو ڈھلک گیا تھا۔

زندگی کا حاصل
کیا ہے؟
زندگی ہے......
لاحاصل!!!
میں وفاؤں کی
گزرگاہ سے
گزری ہوں لیکن!!!
لگتا ہے کہ جیسے
لاحاصل......
لاحاصل......!!!

(باقی اگلے ماہ)

ایموشنل ٹارچر

عالی ناز



تمام حضرات متوجہ ہوں جب میں نے یہ موضوع شروع کیا تو میرے دوست احباب نے پوچھا کہ یہ ایموشنل ٹارچر ہے کیا؟ تو میں نے بتایا کہ یہ وہ جملے ہیں جو کہ ہمارے کانوں میں بچپن سے ہی ڈالے جاتے ہیں، قطرے نہیں دماغ خراب کرنے والے جملے مطلب ایسے جملے۔

"میرا لعل، میرا پیار، میرا سونا۔"

اور کچھ دیر کے بعد غلطی کرنے پر۔

"کیا اسی لئے میں نے تم کو جنم دیا تھا؟"

"میری زندگی میں یہی سب کچھ دیکھنا باقی رہ گیا تھا؟"

"میرے خیال سے یہ سٹار ٹی وی پر چلنے والے گوپی بہو کے ڈرامے سے بھی زیادہ لمبا ڈرامہ ہے جو کہ پاکستان میں مسلسل چل رہا ہے، خدا جانتا ہے کہ اگر دیواروں کی بھی زبان ہوتی تو یہ چیخ چیخ کر آپ کو بتاتیں کہ ایسے جملے انہوں نے اپنی بنیاد سے لے کر آج تک کتنی مرتبہ سن

رکھے ہیں۔

"مجھے تو لگتا ہے کہ شکر ہے خدا کا کہ دیواروں کی زبان نہیں ہے ورنہ ہماری باتی کی عمران کے ایسے جملے دوبارہ سننے میں گزر جاتی تھی۔"

"آپ کے خیال میں پاکستان کا فیورٹ کھیل کون سا ہے؟"

"گیس کرو...... کرکٹ؟ ہاکی؟ فٹ بال؟ بیڈ منٹن؟ نہیں نہیں، ایسا کچھ بھی نہیں ہے، اگر ایموشنل ٹارچر کو اولمپکس میں شامل کیا جاتا تو تبھی آپ کو پاکستان کے فیورٹ کھیل کا اندازہ ہو جاتا جب پاکستان ہر دفعہ فرسٹ پرائز جیت کر آتا، مگر ہماری بد قسمتی کہ اولمپکس میں یہ کھیل شامل نہیں ہے، خیر ان میں گورے انگریزوں کا کیا گناہ ہے؟ ان بیچاروں کو تو اس کھیل کے مزے کا اندازہ بھی نہیں ہے، ہمارے سیاست دانوں کو شاید اس کھیل کا کچھ زیادہ ہی مزہ آتا ہے اسی لئے تو انہوں نے یہ کھیل، کھیل کر ملک کو مقروض کیا ہوا ہے، ذرا سا زلزلہ اور سیلاب کیا آ گیا کہ چل پڑے امداد کے لئے دھوتی اٹھا کے۔ آپ نے غور کیا کہ لوگ منہ اٹھا کے جاتے ہیں مگر ہمارے سیاسی لیڈرز کا منہ ہو تو کوئی کہے ناں۔ وہی مثال اردو کی بجائے میں پنجابی میں دینا چاہوں گی۔"

"نہ منہ نہ متھا، جن پہاڑوں لتھا۔"

یہ حال ہے ان کا اگر کسی کو سمجھ نہیں آئی تو ان کے لئے اردو میں۔

"نہ صورت نہ شکل، پہاڑ سے نکل۔"

کیا یہی حال نہیں ہمارے حکمرانوں کا؟ قرضے مانگتے وقت منہ بھی ایسے بناتے ہیں جیسے بیوی سے مار کھانے کے بعد شوہر کا ہوتا ہے۔ مطلب معصومیت کے قطرے ایسے ٹپک رہے ہوتے ہیں، ہاں سردیوں میں ویسے بھی خواتین شوہر حضرات کو مار ہی لیتی ہیں کیونکہ ان کو بھی پتا ہوتا ہے کہ کتنی ٹھنڈ ہے کہاں جائے گا باہر؟ بات صرف سیاستدانوں کے جذبات کی ہی نہیں ہے ہمارے دوستوں کو بھی جب ہم سے مدد چاہیے ہوتی ہے ناں تو ایسے ہی ایموشنل ٹارچر والا سین چل جانا بہت ہی معمولی سی بات ہے جو کہ ہم نوٹ بھی نہیں کرتے ہیں جیسے۔

"مجھے پتا ہے کہ میرا دوست مجھے ناں ہرگز نہیں کرے گا۔" ایسے جملے وغیرہ یہ بھی ایموشنل ٹارچر کے ہی دائرے میں آتے ہیں جناب۔

اور مزے کا منہ دیکھنے والا تو پیپروں کے دوران ہوتا ہے جب آپ کا دوست آپ کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا ہوتا ہے اور اسے پیپر یاد نہیں ہوتا ہے اور اس کا مکمل دارومدار آپ پر ہوتا ہے۔

آپ سمجھ ہی گئے ہوں گے؟

آپ کو کسی دوست کا ٹارچر یاد ہے جب آپ نے نہیں سنا ہو کر جھوٹ نہیں بولنا چاہیے چاہے کچھ بھی ہو جائے اور آپ نے پکا ارادہ کر لیا ہو کہ میں کبھی جھوٹ کا ساتھ نہیں دوں گی مگر آپ کے دوست کے وہ الفاظ "ایک دوست ہی تو دوسرے دوست کا ساتھ دیتا ہے۔"

"دوست تو دوسرے دوست کے لئے جان بھی دے دیتے ہیں تم جھوٹ نہیں بول سکتے ہو۔" ایسے دوستوں کی شکل اس وقت قابل دید ہوتی ہے جب وہ جھوٹ پکڑا جاتا ہے۔

اس وقت کا ٹارچر، کیا بات، کیا بات، کیا بات، آپ کے چھوٹے بہن بھائیوں کا ٹارچر جب آپ کے پاس کھیلنے والی کوئی اچھی چیز آ گئی ہو اور ماما کے سامنے وہ ایسا منہ بنائیں کہ ماما بول دیں دے دو ان کو آخر کار تمہارے چھوٹے بہن

بھائی ہیں ناں۔

اور بڑے بھائی کا ٹارچر "میری گڑیا کہاں ہے دیکھو ناں کل رات سے تیرے بھائی نے کچھ بھی نہیں کھایا ہے بہت بھوک لگی ہے مجھے پتا ہے کہ میری جان میری بات نہیں ٹالتی ہے، ذرا کھانا تو لا دو۔"

بندہ پوچھے کہ کھانا ڈال کر کھانے کی بھی توفیق بھی ہمارے حصے میں نہیں ہے کیا؟

اس چھوٹی چھوٹی چیز کے لئے بھی ڈرامہ کیا جاتا ہے اس سے اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ کام ہمارے لئے کتنا آسان ہے۔

"میرے کپڑے تو پریس کر دینا پلیز۔" یہ والا ٹارچر تو میری جان ہی نکال لیتا ہے کیونکہ اس میں میرا فیورٹ ڈائجسٹ لا کر دینے کا وعدہ کیا جاتا ہے اور ہر بار کی طرح یہی بہانا ہوتا ہے کہ "بھول گیا ہوں، کیا کرے بندہ" اگر آج لائٹ ہوتی ناں تو میں نے سوئچ میں انگلی دے دینی تھی مگر کیا کروں آج لائٹ کی چھٹی ہے، نہ جانے کپڑے استری کرنے والے دن لائٹ کی چھٹی کیوں نہیں ہوتی ہے۔

دھونے بھی پڑتے ہیں اور استری بھی کرنے پڑتے ہیں، کاش اس دن بھی لائٹ کی چھٹی ہوتا تو مزہ آ جائے، کبھی آپ نے غور کیا کہ پاپا کا آپ پر کتنا ایموشنل ٹارچر ہوتا ہے، وہ ایسا کیوں سمجھتے ہیں کہ میں ان کی عزت ہوں ان کی غیرت ہوں اور ان کے ایسے الفاظ۔

"پلیز کوئی ایسا کام نہ کرنا جس سے معاشرے میں ہمیں شرمندہ ہونا پڑے۔" دیکھو ذرا ہے کوئی یہ بات کرنے والی؟ لوگ جان بوجھ کر غلطی کرتے ہیں کیا؟

غلطی تو غلطی ہوتی ہے ناں......

اور میں نے تو یہاں تک سن رکھا ہے کہ جو غلطی نہ کرے وہ فرشتہ ہوتا ہے اور جو غلطی کر کے اس پر ڈٹ جاتا ہے وہ شیطان ہوتا ہے اور جو غلطی کر کے معافی مانگ لیتا ہے اور آئندہ کے لئے توبہ کر لیتا ہے وہ انسان ہوتا ہے۔

اور ویسے بھی "اگر صبح کا کھوتا شام کو گھر آ جائے تو اسے گھوڑا نہیں کہتے بلکہ وہ کھوتا ہی رہتا ہے۔"

اوہو میرے خیال سے مثال غلطی پر ہے مگر غلطی کر کے درست بھی تو کرنی چاہیے ناں کیونکہ یہی تو ایسا کرنا ہی انسان کی پہچان ہے۔

تو "صبح کا بھولا اگر شام کو گھر واپس آ جائے تو اسے بھولا نہیں کہتے ہیں۔"

صاحبان ویسے ٹارچر کا اصل مزہ تو سسرال سے ہی شروع ہوتا ہے جب کہ ساس کا ٹارچر گیا پانی بھی نہیں مانگتا ہے۔

کچھ ایسی ہی مثال تھی ناں؟ ویسے میرے خیال سے میری ساس ایسی بالکل بھی نہیں ہے، وہ تو خدا کی بندی ہے بالکل جلیبی کی طرح سیدھی سادی۔

خدا جانے آج میرے منہ سے سچ کیونکر باہر نکل رہا ہے، مگر سیانے کہتے ہیں ناں کے کتے کی دم کبھی سیدھی نہیں ہوتی ہے ویسے ہی میری ساس۔

مگر یہ کہنا غلط نہیں ہو گا کہ میری ساس اور دم میں صرف ایک فرق ہو سکتا ہے وہ ہے قد کا باقی رنگ وغیرہ تقریباً سیم سیم ہی ہے، وہی چال، وہی انداز اور آپ سب کو خبردار کیا جاتا ہے، کہ خبردار اگر کسی نے یہ مضمون میرے سسرال والوں کے سپرد کیا میں نے اس کی ہڈیاں چوس لینی ہیں، اگر کسی نے ایسا کرنے کی سوچی بھی۔

کیونکہ لالہ کی جان سچ کڑوا ہوتا ہے ان میں یہ برداشت کرنے کی ہمت نہیں ہے۔

ویسے ساس کا ٹارچر کچھ زیادہ ہی مشکل سا ہو جاتا ہے اس ٹارچر میں آپ مکمل طور پر قید ہوتے ہیں۔

میں نے تو یہ ٹارچر اپنے بچوں کو کبھی نہ دینے کا سوچ لیا تھا مگر کیا کروں۔

"جیسی کی بھرنی، ویسی ہی کرنی۔"

مطلب کہ میں بدلہ کیوں نہ لوں یہ تو میرا حق ہے ناں آخر کار پاکستان کا فیورٹ کھیل ایک پاکستانی کیسے چھوڑ سکتا ہے، ویسے ایک بات تو ماننی ہی پڑے گی کہ ساس کے ٹارچر میں آپ کو گالی اور جوتے کے علاوہ ہر چیز ملتی ہی رہتی ہے۔

مثال کے طور پر کامیڈی، ڈرامہ، فائٹنگ اور ایکشن ہر چیز ماسوائے نمکو، دال اور چیپس کے اگر میں نے واقعی میں ساس کا ٹارچر شروع کر دیا ناں تو آپ تو جانتے ہی ہیں کہ صدیاں گزر گئیں مگر خدا کی کری کہ کوئی بہو نہیں گزرا ہے اور یہ تو پھر ساس کا ٹارچر ہے یہ کیسے ختم ہوگا بھلا، کہیں ایسا نہ ہو کہ ڈائجسٹ والے حضرات میری سٹوری شائع کرنے سے پہلے پڑھ پڑھ کر ہی اپنے سامنے والے پل کے نیچے ایک اور نئی راوی تیار کر دیں، ویسے مرد حضرات پر بھی ٹارچر کچھ کم نہیں ہوتا ہے ان کو ساس بولتی ہے کہ "تم ہر وقت اس کی طرف داری کرتے ہو کیا کروں میں تمہارا؟ کیا اسی دن کے لئے تمہیں اپنا دودھ پلایا تھا کہ آج میرے سینے پر ہی سانپ بن کر بیٹھو۔" میرے دل میں خیال تو آیا تھا کہ گائے کا پلا لیتی مگر اس پر شاید گوالے کو خرچہ دینا پڑتا تھا یہی وجہ تھی کہ اپنا پلایا ہوگا۔

مگر میں خاموش رہی اور بولی نہیں کیونکہ مجھے سکھایا گیا ہے کہ "با ادب با نصیب، بے ادب، بے نصیب"

ساس نے اسی سوچ کے دوران ہی شوہر کے سینے پر ایک اور تیر مارا کہ "اسی دن کے لئے تجھے منہ سے نکال کر کھلا کھلا کر بڑا کیا تھا کیا؟"

ویسے میرے منہ سے تو میرا میاں کچھ نہیں کھاتا، مطلب میرا جوٹا نہیں کھاتا پتا نہیں ساس کا کیسے کھایا ہوگا، یقیناً یہ اسی کا اثر ہے کہ وہ میرا جوٹھا کھانے سے گریز کرتا ہے۔

پھر ساس بولیں کہ "یہ دیکھنے سے پہلے میں مر کیوں نہیں گئی؟"

میرے دل میں خیال آیا کہ ابھی کون سا دیری ہوئی ہے گزر جاؤ ٹائم ہے ابھی بھی، میرے میاں بیچارے ایسے جملے سن کر گھر سے باہر چلے گئے، پھر جیسے ہی وہ گھر آئے میں نے ان کی آنکھوں میں ساس کا پیار تر و تازہ دیکھا، انہوں نے اپنی والدہ سے میری طرف داری کی معافی مانگی اور ماں بیٹے کا پیار پھر سے ویسا ہی ہو گیا، بعد میں وہ میرے کمرے میں آئے اور بات کرنے ہی والے تھے کہ میں نے کہا "خبردار! ماں کے حق میں ایک لفظ بھی بولا، میں سب کچھ یہاں تمہارے لئے چھوڑ کر آئی ہوں اور تم ہو کہ ماں کے پیچھے اس کی چادر پکڑ کر چل پڑے ہو، میں دیکھوں گی تمہارے لئے کون یہ سب کچھ کرتی ہے۔" میں سانس لینے کے لئے رکی۔

ماں کا کیا ہے آج نہیں تو کل یہ تو گزر جائے گی تو معاشرے کی ضعیف خواتین اکٹھی ہو کر آ جائیں گیں اور بولیں گی کہ میں تمہاری ماں جیسی ہوں نہ رو بیٹا نہ رو بھی ماں کے پیار سے دل اداس ہونا تو آ جانا اور اگر خدا نہ کرے کہ میں اس دنیا سے چل بسی ناں تو میں بھی دیکھوں گی کہ کون سی بیوی یا نوجوان لڑکی تمہیں آ کر تمہیں پیار سے بولتی ہے کہ نہ روئیے ناں، میں تمہاری بیوی جیسی ہوں اگر کبھی بیوی کے پیار سے دل اداس ہو جائے تو آ جانا۔"

بات شاید ان کے دل پہ گہرے اثرات چھوڑ کر گئی تھی، میں نے بھی موقع دیکھا اور ایک اور تیر نشانے پر مارا۔

"میں نے تمہارے لئے کیا کیا نہیں کیا ہے؟ اور تم ماں کا ساتھ دے رہے ہو، میں نے تمہارے لئے کیا کیا کچھ نہیں چھوڑا ہے۔" انہوں نے پوچھا کیا چھوڑا ہے، میں بولی۔

"ماں باپ چھوڑے۔" وہ بولے۔

"ساس سسر ملے۔" میں بولی۔

"بھائی چھوڑا۔" وہ بولے۔

"دیور ملا۔" میں بولی۔

"بوائے فرینڈ چھوڑا۔" اور ان کی زبان "شوہر" کہتے کہتے ہی رک گئی۔

چاروں طرف سناٹا سا چھا گیا نہ جانے یہ الفاظ میری زبان پر کیسے آ گئے تھے، اچانک سے میرے دماغ نے کام کیا اور میں بولی۔

"جان، کچن میں دودھ ابل رہا ہے میں وہ ذرا دیکھ کر آتی ہوں۔"

اور میں ابھی کچن میں ہی کھڑی ہوں اور واپس کمرے میں جانے کو دل نہیں کر رہا ہے۔

خدا کرے کہ میرے واپس کمرے میں جانے سے پہلے وہ سو جائیں، آمین ثم آمین۔

☆☆☆

ایک بات پوچھوں آپ سے؟ سوچ کر جواب دینا، میں آپ سے مخاطب ہوں قارئین حضرات، کہ ایموشنل ٹارچر کون کس کو زیادہ کرتا ہے؟ میں رشتوں کی بات نہیں کر رہی ہوں بلکہ یہ سوال ایسے پوچھ رہی ہوں مرد یا خواتین؟

جواب آپ کے ہاتھ میں ہے، میری اگلی لائن تب تلک نہ پڑھیے گا جب تلک آپ کو درست جواب کا پتا نہیں چل جاتا ہے، پھر پڑھ رہے ہیں یار دماغ پر زور دینے کا کہا گیا ہے پڑھنے کا نہیں۔

مرد یا خواتین......؟

میں تو جواب دے ہی دوں گی مگر آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔

میرے خیال میں زیادہ ٹارچر مرد کو ہی برداشت کرنا پڑتا ہے، کبھی ماں سے بیٹا بن کر تو کبھی بہن سے بھائی بن کر، کبھی بیوی سے شوہر بن کر تو کبھی بیٹی سے باپ بن کر۔

کبھی وہ بیوی کے نخروں اور ماں کی دوائی کے لئے اپنی چمڑی بیچ دیتا ہے تو کبھی اپنا آپ بیچ دیتا ہے، مگر جب وہ گھر پہنچتا ہے تو گھر میں ساس بہو کا ڈرامہ چل رہا ہوتا ہے، وہ ایسے حالات سے تنگ آ جاتا ہے، مگر کیا کرے وہ رو بھی نہیں سکتا ہے کیونکہ ہمارے معاشرے کی ریت ہی کچھ الگ قسم کی ہے۔

مرد کو شروع سے ہی کہا جاتا ہے کہ رونا نہیں، بچپن میں گرنے پر وہ چوٹ لگنے سے روتا تو ہمارا معاشرہ اسے یہ کہہ کر چپ کروا دیتا ہے کہ "تم مرد ہو با حوصلہ رہو، مرد کبھی روتا نہیں ہے۔"

کیوں وہ اپنے سینے کا بوجھ رو کر ہلکا نہیں کر سکتا؟ کیوں اس کے اندر کی آواز کو اس کے گلے میں ہی دبا دیا جاتا ہے؟

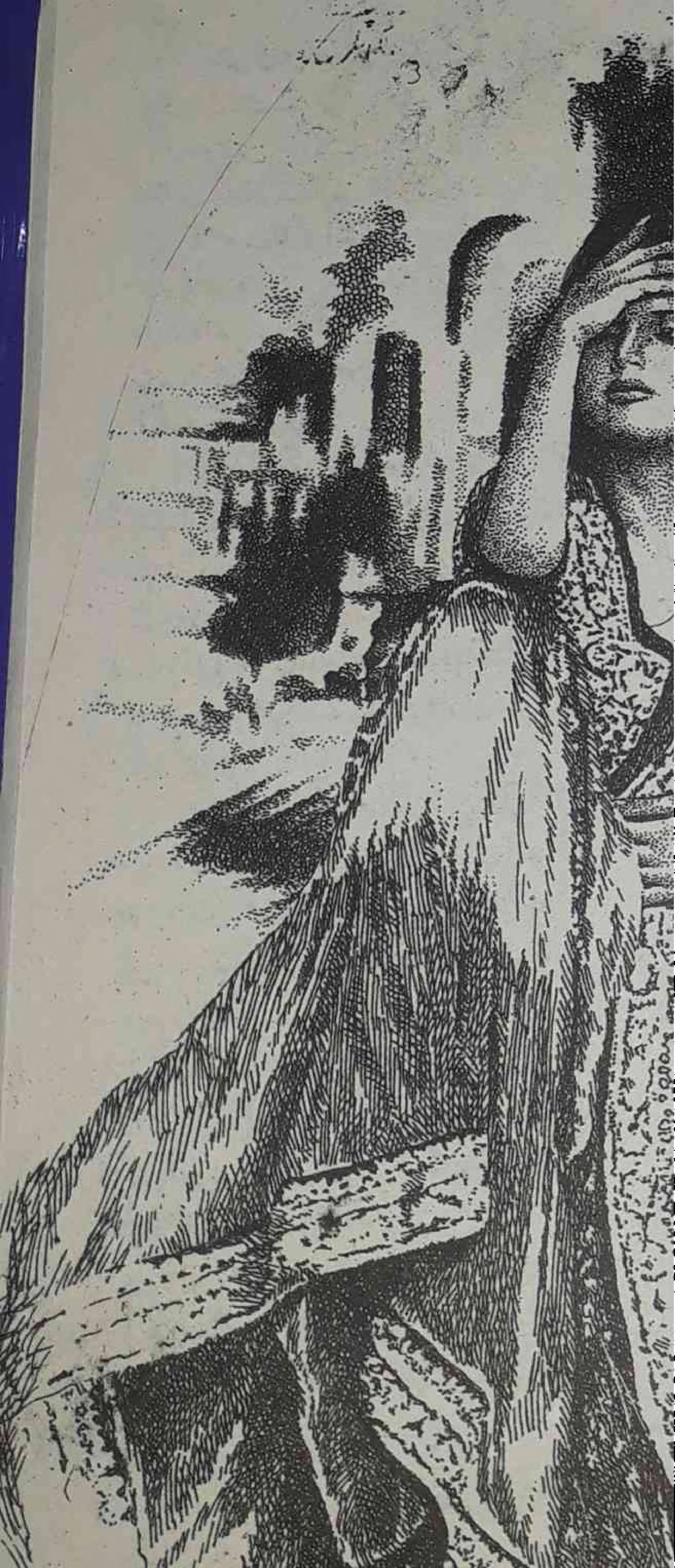
پھر وہ پوری زندگی نہ کھل کر ہنس سکتا ہے اور نہ ہی رو سکتا ہے۔

کھولی تاریخ تو صرف یہ سمجھ آیا
کہ جنہیں مرنا نہیں آیا انہیں جینا نہیں آیا

وہ اندر سے کھوکھلا سا بن جاتا ہے نہ ہی دل سے کبھی رو سکتا ہے اور نہ ہی کبھی ہنس سکتا ہے۔

میں ہاتھ جوڑ کر معاشرے میں ہوتے ایسے ٹارچر کے خلاف درخواست کرتی ہوں کہ خدارا ایسے ٹارچر کو معاشرے سے ختم کیا جائے۔

☆☆☆



شہرِ دل کا راستہ

تحسین اختر

''مگر پنکی تم اس طرح مجھے چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہو۔'' وہ پیکنگ کر رہی تھی اور یاشر اس کی حرکتوں سے عاجز آ کر بولا تھا۔

''کیا مطلب، میں تمہیں چھوڑ کر کیوں نہیں جا سکتی۔'' جتنا پریشان وہ تھا اسے زیادہ حیرانی سے پنکی نے اس سے سوال کیا تھا۔

''تم مجھ سے محبت کرتی ہو، میرے بچے کی ماں بننے والی ہو، پھر...... پھر تم نے سوچ بھی کیسے ''

لیا کہ ہم الگ ہو سکتے ہیں۔

''مسٹر یاشر! تمہاری بہن کی ڈیتھ کو تیرا مہینہ ہے اور تمہارا سوگ اور پریشانی ہی ختم نہیں ہوتی، میں ایک ایسے بندے کے ساتھ نہیں رہ سکتی جس میں کوئی خوشی نہ ہو، تھرل نہ ہو، کوئی لائف نہ رہ گئی ہو، تم نے تو مجھے بھی بور کر کے رکھ دیا ہے، میں اپنی اچھی بھلی لائف چھوڑ کر تمہارے ساتھ پاکستان اس لئے تو نہیں آئی تھی کہ تم یہاں ''

ناولٹ



اس گھر میں مجھے سڑنے کے لئے چھوڑ دو۔

''پنکی وعدہ کرتا ہوں آج سے تمہارا بہت خیال رکھوں گا، تمہیں پورا ٹائم دوں گا، یار پلیز یہ سب کچھ سمیٹو میں تمہیں جانے نہیں دوں گا۔'' اب پنکی کی منتوں پر اتر آیا تھا۔

''چھوڑو یاشر! تم میں اب وہ پہلے والی بات نہیں رہی جو پنکی کے قدم جکڑ لیا کرتی تھی۔'' اس کا مذاق اڑاتے ہوئے بولی تھی۔

''اور میرا بچہ۔''

''یہ بہت بعد کی بات ہے، ہو سکتا ہے میں بچہ تمہیں ہی دے دوں اس لئے تم اس کی فکر مت کرو۔'' جس پاکستان کا وہ مذاق اڑا رہی تھی اگر اس کی جگہ ایک پاکستانی عورت ہوتی تو اپنے بچے کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار ہوتی اور ایک وہ تھی آزاد معاشرے کی بے باک باسی جسے شاید قربانی کا مفہوم بھی نہ پتہ تھا۔

"ارے نہیں بھئی، اتنی ہی بہت ہے، کیوں تم میرا دل جلانے پہ تلی ہو۔" وہ بشاشت سے بولا تھا۔

"میں کیوں یہ دل جلاؤں گی۔" حریم نے نہال کے سینے سے سر ٹکا دیا تھا۔

کتنی دیر تک
املتاس کے پیڑ کے نیچے
بیٹھ کے ہم نے باتیں کیں
کچھ یاد نہیں
بس اتنا اندازہ ہے
چاند ہماری پشت سے ہو کر
آنکھوں تک آ پہنچا تھا

"میں تو اتنی خوش ہوں کہ بتا نہیں سکتی،
جب سے انہیں پتہ چلا تھا کہ نہال باپ بننے والا ہے۔" ان کے پاؤں ہی زمین پر ٹک نہیں رہے تھے، وہ وقت بھی اتنی جلدی گزر گیا تھا جب نہال نے پاؤں چلنا سیکھا تھا اور اب وہ وقت بھی آ گیا تھا جب وہ اس کے بچے کو کھلائیں گی، چلنا سکھائیں گی۔

حریم بھی خوش تھی مگر نہال کی پرشوق نگاہیں اسے شرمانے پر مجبور کر دیتی تھیں، نہال جب نثار ہونے والی نظروں سے اسے دیکھتا تھا تو وہ خود میں سمٹ جاتی تھی، دل کرتا تھا کہیں چھپ جائے اور سامنے نہ آئے۔

رات وہ بہت خوش سوئی تھی اور اس نے خواب میں اپنی ماں کو دیکھا تھا، وہ بھی بہت خوش تھیں اور بار بار نہال کو چوم رہی تھیں، نہال ان کی بیٹی کا خیال رکھ رہا تھا، اس سے محبت کرتا تھا، اسے نام دیا تھا، گھر دیا تھا، پہچان دی تھی، وہ کیسے خوش نہ ہوتیں، صبح حریم اٹھی تو اداس تھی، خواب چونکہ اچھا تھا مگر ماں سے جدائی نے اداس کر دیا تھا۔

"یہ دودھ پیو اور انڈا بھی کھاؤ۔" نہال اسے اپنی نگرانی میں ناشتہ کروا رہا تھا، مگر وہ گم صم بیٹھی تھی۔

"کیا ہوا، طبیعت تو ٹھیک ہے۔" وہ فکر مندی سے پوچھنے لگا تھا۔

"ہاں رات اماں کو خواب میں دیکھا وہ بہت خوش تھیں۔" وہ اداسی سے بتانے لگی تھی۔

"اچھا اماں خوش تھیں تو اصولاً تمہیں بھی خوش ہونا چاہیے۔"

"میں بھی خوش ہوں، مگر ان کی یاد تو آتی ہے نا۔" وہ دوپٹے کے پلو سے آنکھوں کی نمی صاف کرتے ہوئے بولی تھی۔

"جب جب اماں کی یاد آئے تو رونا مت، بس میری ماں کی گود میں سر رکھ دینا تمہیں اپنی ماں کی ممتا کی خوشبو آئے گی۔" نہال نے اس کا سر اپنے شانے سے ٹکاتے ہوئے کہا تھا۔

وہ واقعی سچ کہہ رہا تھا، حریم نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

☆☆☆

سنو! تم نے کبھی ساحل پہ بکھری ریت دیکھی ہے
سمندر ساتھ بہتا ہے مگر اس کے مقدر میں
ہمیشہ پیاس رہتی ہے
سنو! تم نے کبھی صحرا میں جلتے پیڑ دیکھے ہیں
سبھی کو چھاؤں دیتے ہیں
مگر ان کو صلے میں دھوپ ملتی ہے
سنو! تم نے کبھی شاخوں سے بچھڑتے پھول دیکھے ہیں
وہ خوشبو بانٹ دیتے ہیں بچھڑ جانے تلک لیکن
ہوا کا ساتھ دیتے ہیں
سنو! تم نے کبھی میلے میں بجتے ڈھول دیکھے ہیں
عجب ہے المیہ ان کا
بہت ہی شور کرتے ہیں

مگر اندر سے خالی ہیں
یہی اپنا افسانہ ہے
یہی اپنی پہیلی ہے

وہ زمین پر بیٹھی لکڑی سے لکیریں کھینچے جا رہی تھی، لکیریں بناتی اور پھر انہیں مٹا دیتی تھی، بال ادھر ادھر کندھوں پر بکھرے ہوئے تھے، شال زمین پر پڑی تھی اور وہ ملگجے کپڑوں میں بیٹھی عبرت کی تصویر لگ رہی تھی۔

"ہک ہا، میرے پتر کی زندگی خراب کر دی۔" اماں تلکے کے نیچے بیٹھی کالی سیاہ پتیلیوں کو مانجھ رہی تھی اور جو ایک نگاہ اس کی طرف ڈالتی اس میں سوائے افسوس کے کچھ نہ ہوتا۔

"جانے میرا پتر کن حالوں میں ہوگا، اپنے ہی ہاتھ ساڑتا ہوگا روٹیاں پکا پکا کر کہ اب تو کھلانے والی بھی نہ رہی۔" وہ اپنے بیٹے کا سوچ کر کڑھ رہی تھی اور وہ جو شہزادیوں جیسی آن بان رکھنے والی مٹی میں رل رہی تھی اس کی کوئی فکر نہ تھی کہ یہ اپنی کوکھ سے پیدا نہیں کی تھی۔

"اٹھ روٹی کھا لے۔" کافی دیر بعد اسے خیال آیا تو اس نے وانیہ سے کہا تھا۔

"بھوک نہیں ہے۔" وہ خلا میں دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

"صبح سویرے سے بھوکی بیٹھی ہے، پھر بھی کہتی ہے بھوک نہیں ہے۔" وہ روٹی کے اوپر سالن ڈال کر کھانے لگی تھی۔

"اماں تم کھا لو میں خود ہی کھا لوں گی جب بھوک لگے گی۔"

"میں تو کھا رہی ہوں، تو بھی کھا لے۔"

وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئی تھی، زندگی کی ساری ضروریات تو وہ اپنے ساتھ لے گیا تھا اب تو بس خالی وجود رہ گیا تھا، اس خالی وجود کے اندر وہ دانہ پانی ڈالتی یا نا کیا فرق پڑتا تھا، اتنے میں شہر سے آنے والی بس کا ہارن سنائی دیا تھا، وہ بھاگتی ہوئی دروازے تک آئی تھی، بس دھول اڑاتے ہوئے گزر گئی تھی، وہ دروازے کا پٹ تھامے آنسوؤں بھری آنکھوں سے دیکھتی رہ گئی تھی۔

"کتنے دن ہو گئے موحد کو آئے ہوئے، وہ تو مجھے گاؤں میں ڈال کے بھول ہی گیا ہے۔"

محبت ابھی بھی کرلاتی تھی اور اپنا آپ دکھاتی تھی، اس نے جو بھی کیا تھا مگر وانیہ تو آج بھی اسے ہی چاہتی تھی۔

☆☆☆

"عماد بہت سزا بھگت لی ہم نے بھی اور ہماری وانیہ نے بھی، ٹھیک ہے اس کا جرم بہت بڑا تھا، مگر اتنا بڑا بھی نہیں تھا کہ اسے لاوارثوں کی طرح چھوڑ کر آ گئے، ہم نے سارے ناطے سارے رشتے توڑ لئے اور یہاں چھپ کر بیٹھ گئے، بس اب واپس چلو، میں وانیہ سے اب زیادہ دن دور نہیں رہ سکتی۔" بیگم صاحبہ کی طبیعت کئی دنوں سے خراب تھی، نیند آتی ہی نہ تھی اور اگر آتی بھی تو بے چینی حد سے سوا ہو جاتی، بس دن رات وانیہ کا خیال تھا جو چھوٹتا ہی نہ تھا، ان کی کمزور پڑتی صحت اور بے چینی کو دیکھ کر اب تو عماد کا اپنا دل بھی کمزور پڑنے لگا تھا۔

"وہ لاوارث کہاں ہے، اس نے اپنے نئے وارث خود ہی ڈھونڈ لئے تھے، دیکھنا وہ ان میں بہت خوش ہوگی، اس نے تو شاید ہمیں کبھی یاد بھی نہ کیا ہو۔" سیٹھ عماد اگر ایک پل کمزور پڑتے تو دوسرے پل وانیہ کی طرف سے میلا دل پھر بے زار ہو جاتا تھا۔

"میری تو دعا ہے جہاں بھی ہو خوش ہی ہو، مگر ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ وہ ہمیں یاد نہ کرتی ہو، وہ ہمارا خون ہے، ہمارے جگر کا ٹکڑا ہے وہ ہم

''پنکی مجھے تمہاری ضرورت ہے، تم مجھے تنہا چھوڑ کر نہیں جا سکتی ہو۔'' اس نے پنکی کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی تھی۔

''کیوں نہیں جا سکتی۔'' اس نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا تھا اور الماری میں سے اپنے کپڑے نکالنے لگی تھی، یاشر علوی بے بسی سے اسے پیکنگ کرتے دیکھتا رہا تھا۔

''تمہاری بیوی تمہیں چھوڑ کر کیوں چلی گئی، کیا تم دونوں کا جھگڑا ہوا ہے۔'' پنکی کے جانے کے بعد مما کو پتہ لگا تھا وہ یاشر سے پوچھنے لگی تھیں۔

''نہیں، جھگڑا نہیں ہوا۔'' بس اس کا دل بھر گیا تھا مجھ سے۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب صاف ظاہر ہے، ایسی لڑکیاں ایسا ہی کرتی ہیں جیسا پنکی نے میرے ساتھ کیا۔''

''مگر اسے تو تمہارے ساتھ محبت کا دعویٰ تھا۔''

''محبت، اسے تو محبت لفظ کا مطلب بھی پتہ نہیں ہوگا، آپ محبت کی بات کرتی ہیں۔''

''میں نے کہا بھی تھا تمہیں پتہ نہیں کس قماش کی لڑکی کو ہماری بہو بنا کر لے آئے ہو، دوستی کی حد تک رکھتے تو ٹھیک تھا مگر تم نے تو اسے علوی خاندان کی بہو بنا کر ہمارے سر پر بٹھا دیا تھا، ایسی جلد بازیوں کا انجام بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔''

''فار گاڈ سیک مما، میں پہلے ہی بہت ڈپریس ہوں اوپر سے آپ بھی سارا الزام میرے سر پر رکھ رہی ہیں، آپ مجھے تسلی یا حوصلہ دینے کی بجائے کٹہرے میں کھڑا کر رہی ہیں۔'' وہ چیخ پڑا تھا۔

''میں کٹہرے میں کھڑا نہیں کر رہی تمہیں، مگر اتنا تو بتا دو کہ اس بچے کا کیا ہوگا جو اس کی کوکھ میں پل رہا ہے۔''

''وہ کہہ گئی ہے وہ بچہ مجھے دے دے گی۔'' وہ ہارے ہوئے جواری کی طرح بولا تھا۔

''ہاں ایسی لڑکیاں بچوں کا دم چھلا کیوں ساتھ رکھیں گی۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چلی گئی تھیں۔

☆☆☆

''ایک بات پوچھوں۔'' وہ دونوں کافی کے مگ پکڑے اپنے گھر کے چھوٹے سے لان میں بیٹھے تھے، جب حریم نے نہال سے کہا تھا۔

''دس پوچھو......ایک کیوں۔''

''کبھی دل میں مشائم کا خیال آیا جو آپ کے لئے جان سے گزر گئی۔'' ایک سوال جو بڑے دنوں سے حریم کے دل میں طوفان اٹھائے ہوئے تھا، اس نے پوچھ ہی لیا تھا۔

''کیسا خیال۔''

''بس یہی اس محبت کے بارے میں جو اسے تھی۔''

''نہیں ایسا خیال کبھی نہیں آیا، ضروری نہیں کہ ہر بندے کا دل آپس میں ایک ہو جائے، ہاں اس کی موت کے بعد جب بھی خیال آیا تو یہی سوچا کہ ایسے بے وقوف اور جذباتی قسم کے لوگ بھی دنیا میں ہوتے ہیں جو صرف اپنی ذہنی پسماندگی کی وجہ سے اپنی قیمتی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں، بس اس سے زیادہ کچھ نہیں۔''

حریم نے ایک بھاری سانس سینے سے خارج کی تھی یوں کہ نہال کو بھی اس بوجھ کی خبر نہ ہو، وہ جیسے ایک دم سے ہلکی پھلکی ہو گئی تھی، سینے سے منوں سلیں ہٹ گئی تھیں۔

''اور کافی لاؤں۔'' اس نے پیار سے پوچھا تھا۔

نے ان دونوں سے تعارف کروایا تھا، چاندنی کو تو کچھ بتانے کی ضرورت ہی نہ تھی، وہ بن تعارف کے ہی جان گئی تھی کہ یہ نہال اور اس کی امی ہیں، نہال گرم جوشی سے نواز کے ساتھ بغل گیر ہوا تھا اور رئیسہ بیگم نے چاندنی کو گلے لگا لیا تھا۔

یہ واحد مہمان تھے جو حریم کے میکے سے آئے تھے اور پہلی دفعہ اس کے میکے یا گاؤں سے کوئی آیا تھا اس لئے جتنی خوشی حریم کو تھی اتنی ہی رئیسہ بیگم اور نہال کو بھی تھی۔

''حریم تم اپنی سہیلی کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرو، کھانا میں بناتی ہوں، بے چاری نے بیٹا جانے کب سے باتیں جمع کی ہوں گی جو وہ تم سے کرنے آئی ہوگی اس لئے تم کام کی ٹینشن نہ لو اور چاندنی کو اپنے کمرے میں لے جاؤ۔'' پر تکلف چائے کے بعد جب نہال اور نواز آپس میں گھل مل کر اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے تھے تو رئیسہ بیگم نے ان دونوں کے پاس آ کر حریم سے کہا تھا۔

''ارے نئی امی جان، آپ کیوں تکلیف کریں گی، کھانا میں خود بنا لوں گی نا، آپ تو جانتی ہیں نا کہ میں کتنی پھرتی اور تیزی سے کام نمٹاتی ہوں اس لئے آپ بالکل بھی فکر نہ کریں۔'' حریم نے محبت سے ساس کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''پھر بھی بچے تمہاری سہیلی کیا سوچے گی، کہ کیسی ظالم ساس ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے کہنے لگی تھیں۔

''اول تو یہ کہ آپ میری ساس بالکل نہیں ہیں بلکہ ماں ہیں میری، یہ ساس کا لفظ آپ کے منہ سے سن کر مجھے بہت عجیب لگا ہے اور دوسرا چاندنی آپ کے اور نہال کے بارے میں ایسا ویسا کبھی کچھ نہیں سوچ سکتی۔'' وہ پیار سے رئیسہ بیگم کے گلے میں بازو ڈال کر بولی تھی۔

''کیوں چاندنی۔''

''بالکل۔'' چاندنی نے بھی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔

''بلکہ ایسا کرتے ہیں ہم دونوں کچن میں کام بھی کرتی ہیں اور ساتھ ساتھ باتیں بھی، آپ کمرے میں جا کر آرام کریں، جب آپ کی مدد کی ضرورت ہوگی میں آپ کو خود ہی بلا لوں گی۔''

''ارے تم بے چاری کو کچن میں ساتھ لگاؤ گی، نہیں یہ اچھا نہیں لگے لگا، وہ مہمان ہے ہماری۔''

''امی جان مہمان ہونے کے ساتھ ساتھ یہ میری سہیلی اور بہن بھی تو ہے اور میرے لئے غیر نہیں ہے۔''

''اچھا چلو پھر جیسے تم دونوں کی مرضی۔'' وہ ہار مان کر باہر آ گئی تھیں، سردیوں کی ہلکی پھلکی اور نرم گرم دھوپ کا بھی اپنا ہی مزہ تھا، وہ دھوپ کے مزے لینے کے لئے پچھلے صحن میں نکل آئی تھیں۔

''چلو اب جلدی سے شروع ہو جاؤ، وہ ساری باتیں جو تم نے اس تک میرے لئے سنبھال کر رکھی ہوئی ہیں۔'' حریم نے چاندنی کو کچن میں کرسی رکھ دی تھی اور خود چاول صاف کرنے لگی تھی۔

''یہ مجھے پکڑاؤ تم کچھ اور کرو۔'' چاندنی نے اس کے ہاتھ سے ٹرے لے کر چاول صاف کرنے شروع کر دیئے تھے۔

''ویسے جوری قسم سے تمہاری اماں تمہارے یہ ٹھاٹ بھاٹ اور سسرال میں تمہاری اتنی محبت دیکھ لے تو صدمے سے مر ہی جائے۔''

''ہاں بالکل سچ کہا تو نے، اماں مجھے خوش کیسے دیکھ سکتی ہے۔''

''تمہیں پتہ ہے جب سے تمہیں ان لوگوں نے گھر سے نکالا ہے ایک کے بعد ایک نقصان

برداشت کر رہے ہیں، تمہاری اماں کی پہلے بہن مرگئی اس کا تو تمہیں پتہ ہے نا، پھر تمہارے ابا کی بھینس مرگئی، خالہ سارے پنڈ میں کرلاتی پھرتی تھی، اڑھائی لاکھ کی تھی، اتنا نقصان ہوا، اوپر سے تمہاری تنخواہ بھی نہیں آتی اب، پھر جب سے چاچا ہائی بلڈ پریشر کا مریض بنا ہے اس سے اتنا کام بھی نہیں ہوتا۔"

"ہائے میرے اللہ، چاندنی میرے پیچھے اتنا کچھ ہوگیا۔" وہ چھری اور ٹماٹر ایک طرف رکھ کر دل پہ ہاتھ رکھ کر بولی تھی۔

"ہاں تو ہونا ہی تھا کیسی پر ناجائز ظلم کرو تو اللہ پاک اس کا حساب لیتا ہے نا۔"

"دیکھو چاندنی مجھے گلہ اماں سے نہیں ہے، وہ تو سوتیلی تھیں مگر باپ تو میرا سگا تھا نا، اگر نہال اور امی جان جیسے لوگ مجھے نہ ملتے تو جانے آج میرا کیا حشر ہوتا، مجھے اس بھری دنیا میں کیسے ابا نے تنہا چھوڑ دیا، ابا کو ذرا ترس نہ آیا کہ میری جوان جہان بیٹی کیسے اس ظالم دنیا کا مقابلہ کرے گی۔" وہ رونے لگی۔

"وہ تو تیرا بس نام کا ہی ابا ہے اب تو وہ لبنیٰ بیگم کا شوہر پہلے ہے، اس لئے تم چاچا کے لئے دل میں اتنے ڈھیر سارے شکوے نہ ہی پالو تو اچھا ہے۔"

"مگر چاندنی میرا دل کرتا ہے، میں اپنے باپ سے ملوں، اپنے گھر میں جاؤں، اپنے بہن بھائیوں کو دیکھوں۔"

"حوری اب میں تمہیں اس بات کا کیا جواب دوں، دفع کرو اس بات کو، اس مسئلے کا نہ تو تمہارے پاس کوئی حل ہے اور نہ میرے پاس۔"

"اچھا سن، ایک نئی خبر سناؤں، موحد کی بیوی کو دیکھا تھا نا کتنے بڑے باپ کی بیٹی اور کتنا نخرہ تھا اس میں، تمہیں یاد ہے جب ہم اس سے ملنے گئے تھے تو وہ کیسی دیکھتی تھی جیسے موم کی مورت۔"

"ہاں اب آگے بھی بول۔" حریم کو موحد کی بیوی کے حسن کی تعریف ذرا اچھی نہ لگی تھی۔

"اس بار میں گاؤں گئی تو میں نے عجیب ہی نظارہ دیکھا، موحد اسے لڑ جھگڑ کر اپنی ماں کے پاس گاؤں میں چھوڑ گیا ہے، بے چاری کا بہت ہی برا حال تھا نہ کوئی رنگ روپ رہ گیا نہ نخرہ، خالہ تو بلکہ گاؤں میں کہتی پھرتی ہے پاگل ہوگئی ہے۔"

"ہیں، یہ کیا کہہ رہی ہو، یہ بھلا کیسے ہوسکتا ہے۔"

"بس اس دنیا میں سب کچھ ہوسکتا ہے، جبکہ گاؤں والے کہتے ہیں، موحد نے لالچ میں آ کر اس سے شادی تو کرلی، مگر جب اس کے گھر والوں نے اسے عاق کر دیا اور اسے کوئی دولت نہ ملی تو موحد نے بے چاری کا یہ حال کر دیا، توبہ لوگ موحد کے بارے میں بڑی عجیب عجیب باتیں کرتے ہیں۔"

"ہاں تو لوگ جو دیکھیں گے وہی کہیں گے نا، شکر ہے خدایا تیرا۔" حریم نے منہ آسمان کی طرف کر کے کہا تھا۔

"کس بات کا شکر۔" چاندنی نے پوچھا تھا۔

"دیکھ لو اللہ پاک نے ہمارے لئے بہترین چیز کا انتخاب کیا ہوتا ہے اور ہم نے شکر ے بری چیز کے نہ ملنے پر اللہ سے شکوے شکایتوں کا دفتر کھول لیتے ہیں۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" وہ بھی اس کی رازدار تھی، سمجھ گئی تھی کہ حوری نے کس بات کا شکر ادا کیا ہے۔

☆☆☆

بارشوں کے موسم میں
وہ جو اپنے کمرے کی
کھڑکیوں کو بند کر کے
بادلوں کے جانے کا
انتظار کرتے ہیں
وہ بھی ایک زمانے میں
بارشوں کی بوندوں سے
کھیلتے رہے ہوں گے
چودھویں کی راتوں میں
جلد سونے والوں کی
چاندنی سے ماضی میں
دوستی رہی ہوگی
حسن و عشق کی باتیں
آج واسطے جن کے
کچھ وقت نہیں رکھتیں
بھولے بسرے لمحوں میں
ٹوٹ کر کسی کو وہ
چاہتے رہے ہوں گے
وہ جو اپنے غم پر بھی
آنکھ نم نہیں کرتے
کل کسی کی خاطر وہ
خوب رو چکے ہوں گے
درد آشنا ہو کر
اشک کھو چکے ہوں گے

گاؤں کی بارش بہت خوفناک سی تھی، تڑ تڑ برستی ہوئی اور اپنے ساتھ مٹی گارا بنا کر بہاتی ہوئی، پیپل کے درخت پر بارش کے قطرے گرتے تو یوں لگتا جیسے رات کی خاموشی میں کوئی چھت پر چلتا ہو، کوئی دروازے بجاتا ہو اور دل خوفزدہ کرتا ہو، یہ وہ بوندیں تھیں جو اس کے لش پش کرتے لان میں گرتیں تو عجیب ہی نظارہ پیش کرتیں، نرم مخملیں گھاس پر یوں جذب ہوتیں کہ پتہ بھی نہ چلتا کہاں گئی ہیں اور اس کے کمرے کی شیشے کی دیوار پر کسی کے آنسو بن کر چپک جاتیں اور وہ اندر کھڑی مزے کیا کرتی، آج کچے صحن میں بارش کے قطرے یوں ناچ رہے تھے جیسے سب کچھ بہا کر ہی چھوڑیں گے، وہ کمرے کے دروازے کے بیچوں بیچ کھڑی آدھی سے زیادہ بھیگ چکی تھی، اماں اندر گھرے خراٹے لے رہی تھی اور وہ دکھ درد کی تصویر بنی بارش کو دیکھ رہی تھی، یہ بارش رکنے والی نہ تھی اور اسے بھی کوئی کہنے والا نہیں تھا، کہ اندر آ جاؤ، ورنہ تمہیں یوں بھیگ کر سردی لگ جائے گی، وہ کھڑی رہی تھی، کھڑی رہی تھی، بارش برستی رہی تھی، برستی رہی تھی۔

صبح دن چڑھ آیا تھا اور وہ کمرے سے باہر نہ آئی تھی، ایسا تو کبھی نہ ہوا تھا اسے تو کمروں سے وحشت ہوا کرتی تھی، وہ جب سے گاؤں آئی تھی، صبح سویرے ہی اٹھ کر صحن اور چھت پر پھرنے لگ جایا کرتی تھی، کیونکہ کرنے کو کوئی کام تھا اور نہ کوئی ڈھنگ کی مصروفیت، اس لئے شام سے پہلے ہی لیٹ جاتی تو صبح جلدی اٹھنا ہی پڑتا تھا، اماں نے پہلے تو اتنا کوئی خیال نہ کیا مگر جب دوپہر بھی ڈھلنے لگی تو اسے وانیہ کو دیکھنے جانا ہی پڑا تھا، وہ نیم بے ہوش بستر میں پڑی تھی اور جسم تھا کہ آگ میں دہک رہا تھا گویا کہ اندر کی ساری آگ آج باہر نکل آئی تھی، اماں کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے، پہلے تو گھبرا کر موحد کو فون کیا تھا، مگر موحد کون سا قریب بیٹھا ہوا تھا جو منٹوں میں پہنچ جاتا، اسے فون کرنے کے بعد وہ ہمسائیوں کے گھر دوڑی تھی، وہ تو شکر تھا کہ کرم دین کا بیٹا اور وہ خود گھر میں ہی تھے وہ دونوں دوڑے ہوئے آئے تھے اور جب انہوں نے وانیہ کی حالت دیکھی تو کرم دین کے بیٹے نے فوراً 1122 کو کال ملائی تھی، اب تو گاؤں میں بھی شکر تھا کہ

1122 کی سہولت تھی اور وہ جلدی سے پہنچ جاتی تھی، اتنے میں آدھے سے زیادہ محلہ اکٹھا ہوگیا تھا، خیر 1122 جلد ہی آگئی تھی اور عورتوں نے وانیہ کو گاڑی میں ڈالا اور وہ وانیہ کو شہر لے گئے تھے۔

وہ سخت جان تھی یا خدا جانے ابھی کتنی زندگی لکھوا کر لائی تھی کہ اسے ہاسپٹل میں فوراً ہی ٹریٹ منٹ مل گیا تھا اور اس کی حالت خطرے سے باہر ہونے لگی تھی۔

رات تک موحد بھی پہنچ گیا تھا اور جب وہ ہاسپٹل پہنچا تو اس کے محلے کی عورتیں بھی اماں کے ساتھ موجود تھیں۔

''کیا ہوا تھا اماں۔'' وہ آتے ہی اماں سے پوچھنے لگا تھا، اماں نے ساری بات بتادی تھی، وہ کئی رات میں بارش میں بھیگتی رہی تھی اور ٹھنڈ لگ گئی تھی، وجہ بارش ہی بنی تھی جو اس رات اس کے اندر بھی ہوئی تھی اور باہر بھی، وہ کمرے میں گیا تو وانیہ سو رہی تھی، دونوں بازوؤں میں ڈرپس چل رہی تھیں، وقتی طور پر تو اسے بھی پشیمانی ہوئی تھی۔

''وانیہ!'' اس نے اس کی جلتی پیشانی پر ہاتھ رکھا تھا، اب اس لمس میں کوئی طاقت نہ تھی اس لئے وہ لمس سے مس نہ ہوئی تھی۔

''وانیہ!'' اس نے دوبارہ پکارا تھا، سماعتیں بھی اس لہجے کو بھلا چکی تھیں اس لئے اس نے ابھی بھی آنکھیں نہ کھولی تھیں، وہ پاس بیٹھ گیا تھا۔

''پتر تھکے ہوئے آئے ہو، دو گھڑی آرام ہی کرلو۔'' اماں کو بستر پر پڑی بہو کی اتنی فکر نہ تھی جتنی تندرست و توانا بیٹے کی تھی، اس لئے کہ بہو بھی بیٹے کے دل سے اتر چکی تھی۔

''نہیں اماں میں ٹھیک ہوں۔''

''چل پھر یہ کھانا کھالے، بہن حکیماں اپنے گھر سے لائی ہے۔'' اماں نے اسٹیل کا ٹفن کھولنا شروع کردیا تھا۔

''اماں بھوک نہیں ہے ابھی۔''

''ارے کیسے بھوک نہیں ہے، اتنا لمبا سفر کرکے آئے ہو، میں تو تمہیں ضرور کھلاؤں گی۔'' اماں نے کریلے گوشت کا سالن اور روٹیاں رومال پھیلا کر سامنے رکھ دی تھیں، اس نے دو نوالے ہی لئے تھے کہ وانیہ نے کسمسا کر آنکھیں کھولی تھیں۔

''وانیہ!'' وہ روٹی چھوڑ کر اس کی طرف بڑھا تھا، وانیہ نے اس کی طرف دیکھا تھا ان آنکھوں میں کیا کچھ نہیں تھا دکھ، غم، اجنبیت، آنسو اور جانے کیا کیا۔

''کیسی ہو؟'' اس نے پوچھا تھا۔

وانیہ نے دوبارہ آنکھیں بند کرلی تھیں، وہ ناراض تھی اس سے اور شاید ناراض ہی موت کے منہ میں چلی جاتی۔

''چلو ٹھیک ہے آرام کرو، میں یہیں ہوں۔'' وہ پیچھے ہٹ گیا تھا، وانیہ کی آنکھوں سے گرم گرم سیال بہنے لگا تھا۔

☆☆☆

''بھائی مما ہمیں پیار کیوں نہیں کرتی ہیں۔'' گڑیا مریم کے بدلے رویے کو کسی طور قبول نہ کر پا رہی تھی، جبکہ سنی بڑا تھا، اس نے تو بہت پہلے مریم کے بدلتے رویے کو محسوس کرلیا تھا اور جیسے ان سے مریم پیچھے ہٹ گئی تھی ایسے ہی وہ بھی مریم سے پیچھے ہٹ گیا تھا، کیونکہ وہ جان گیا تھا ماں وہی تھی جس نے جنم دیا تھا جس نے لاڈ اٹھائے تھے اور جواب چھوڑ کر اپنے خالق حقیقی کے پاس چلی گئی تھی، مریم باپ کی بیوی ضرور تھی اس پورے گھر کی مالکن بھی تھی مگر نہ تھی تو ان کی

ماں، یہ چھوٹی سی بات گڑیا سمجھ نہ پا رہی تھی اس لئے آئے دن سنی کے پاس بیٹھ کر گلے شکوے کرنے لگ جاتی تھی۔

''تم ماما کو چھوڑو یہ دیکھو میں نے تمہارے لئے ایک نئی گیم ڈاؤن لوڈ کی ہے۔'' سنی نے ٹیب اس کے سامنے کیا تھا۔

''واؤ بڑے مزے کی لگ رہی ہے یہ تو۔''

''ہاں نا، مزے کی ہے، آؤ کھیلتے ہیں۔'' سنی نے اسے اپنے پاس بٹھا لیا تھا، گڑیا بہل گئی تھی، اسے بھول گیا تھا کہ وہ بھائی کے پاس مما کی شکایت کرنے آئی تھی۔

مریم کچھ عرصہ تو بچوں کے ساتھ ٹھیک رہی تھی مگر یہ بچے منصور کے تھے اس کے نہ تھے، اس کی اپنی کھوکھ خالی تھی اور ہمیشہ خالی ہی رہنی تھی، اس ڈپریشن میں وہ اکثر بچوں کے ساتھ زیادتی کر جاتی تھی، سنی نے اپنی مصروفیات ڈھونڈ لی تھیں، وہ اب منصور کو بھی ماما کی شکایت نہ لگاتا تھا، مگر گڑیا اس کے رویے سے بہت ہرٹ ہوتی تھی، مریم کو بھی اندازہ ہو جاتا تھا کہ وہ گڑیا کے ساتھ زیادتی کر جاتی ہے، وہ بعض اوقات دل میں نادم بھی ہوتی تھی مگر پھر کچھ ایسا ہو جاتا تھا کہ وہ اسے ان کی سگی ماں بننے ہی نہ دیتا تھا۔

آج صبح سے اس کی طبیعت کچھ ناساز تھی، ٹھنڈی ہواؤں نے سردی کو مزید بڑھا دیا تھا، اسے فلو سا ہو رہا تھا، وہ کمبل میں لیٹی ہوئی تھی جب ملازمہ نے اسے بتایا کہ مہمان آئے ہیں اور اس نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا ہے، وہ بکھرے بالوں کو سمیٹتی اور شال کو اپنے اردگرد اچھی طرح لپیٹ کر اٹھی تھی۔

''آپ؟'' حر عباس کو دیکھ کر اسے جھٹکا سا لگا تھا۔

''کیوں میں نہیں آسکتا۔'' براؤن آنکھیں اس کے ایکسرے کرنے لگی تھیں۔

''آسکتے ہیں، بیٹھئے۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''لگتا ہے آپ کی طبیعت خراب ہے۔'' سرخ ہوتی ناک اور دہکتے گال بلیک شال میں عجیب ہی نظارہ پیش کر رہے تھے، حر عباس نظر ہٹانا چاہتا بھی تو نہ ہٹا سکتا تھا۔

''ہاں، موسم ہی ایسا ہے۔''

''موسم آپ پر کچھ زیادہ ہی اثر انداز نہیں ہوتا، اس موسم نے ہمیں تو کبھی تنگ نہیں کیا۔'' وہ سیٹ سنبھالتے ہوئے کہنے لگا تھا۔

''مریم۔'' آج شاید پہلی بار اس نے اس طرح نام سے پکارا تھا۔

یہ پکار مریم کے اندر تک اتر گئی تھی، مریم نے منہ نہ کھولا تھا بس نظر اٹھائی تھی۔

''مریم آج کی یہ ہماری ملاقات شاید آخری ملاقات ہو، کچھ گھنٹوں بعد میں یو کے جا رہا ہوں، اس لئے میں خاص طور پر آپ سے ملنے آیا ہوں، میرے پاس آپ کے لئے جذبات کا جو بوجھ دھرا رکھا ہے میں اس گٹھڑی کو اٹھا کر اتنی دور جانے کی ہمت نہیں رکھتا شاید اس لئے میں اس بوجھ کو آپ سے بانٹنے یہاں تک چلا آیا ہوں۔''

''یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ۔''

''جو بھی کہہ رہا ہوں بس چپ چاپ سنتی جاؤ، میں پہلی نظر میں تم سے محبت کرنے لگا تھا، تم مجھے اچھی لگی تھی اور اتنی اچھی لگی تھی کہ میں ہر وقت تمہیں ہی سوچا کرتا تھا، مگر جب مجھے پتہ چلا کہ تم شادی شدہ اور میرے دوست کی نصف بہتر ہو یقین مانو تب سے میں نے ہر دن اس محبت کو دل سے نکالنے اور تمہیں بھلانے کی کوشش کی ہے، کیونکہ تم اب کسی طرح میری نہ ہو سکتی تھی اور میں اتنا غاصب نہیں کہ کسی دوسرے کی چیز پر اپنا

حق جتاؤں، یہ محبت میں دل سے نکال پایا ہوں یا نہیں یہ بعد کی بات ہے، مگر میں اب یہ ملک چھوڑ کر جا رہا ہوں، اپنی طرف سے تو میں نے پوری ایمانداری سے کوشش کی ہے کہ تمہیں بھی بھلا کر جاؤں، بس دل کی آخری خواہش تھی کہ تم سے مل کر اور یہ غم بانٹ کر جاؤں۔" حرعباس اپنی کہانی سناتے سناتے منہ موڑ گیا تھا، آنکھوں کی نمی اس بہادری کو ختم کرتی نظر آتی تھی اور وہ بزدلی مریم کو دکھانا نہ چاہتا تھا، اس نے جیب سے ٹشو نکال کر آنکھیں صاف کی تھیں۔

"چلتا ہوں اب، ہو سکے تو ان جذبات پر معاف کر دیجئے گا کیونکہ ان پر میرا اختیار نہ تھا، شاید کسی کا بھی نہیں ہوتا۔"

مریم کیا کہتی، گم صم تھی، بس آنسو تھے جو بنا رکے لئے چلے جا رہے تھے۔

"بہت شکریہ، میرے لئے مگر ان آنکھوں پر اتنا ظلم مت کیجئے۔" وہ اور زور سے رونے لگی تھی۔

"یہ لیزا ہے، میری بہت اچھی دوست، ہم اب بہت جلد شادی کر لیں گے۔" اس نے ایک تصویر نکالی تھی اور موبائل مریم کے سامنے کر دیا تھا۔

"اچھی ہے نا۔"

"ہاں بہت۔" مریم نے لیزا کے خیرہ کن حسن سے نظریں ہٹا کر کہا تھا۔

"بس مریم دعا کیجئے گا مجھے اس پیاری لڑکی سے محبت بھی ہو جائے وہی محبت جو میں نے آپ کے لئے محسوس کی ہے۔"

"چلتا ہوں اب۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا، مریم نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔

"کبھی زندگی نے وفا کی تو ضرور ملیں گے۔" وہ الوداعی کلمات کہہ رہا تھا اور جانے کس دل سے کہہ رہا تھا، دل تو مریم کے قدموں سے لپٹا جا رہا تھا اس لئے وہ یہاں سے جلد از جلد نکل جانا چاہتا تھا۔

"اپنا بہت سا خیال رکھنا۔" حرعباس نے پلٹ کر مریم کے آنسوؤں کو اپنی پوروں پر چنا تھا اور پھر ٹشو سے پونچھ کر اپنے پاس رکھ لیا تھا اور خدا حافظ کہہ کر تیزی سے باہر نکل گیا تھا، مریم دیوار کو تھام کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

☆☆☆

کھانا بہت مزیدار تھا جو سب نے قہقہے لگاتے باتیں کرتے اور یادوں کو دہراتے اکٹھے بیٹھ کر کھایا تھا، کھانا شاید وہی تھا جیسا روز گھر میں پکا کرتا ہے، مگر آج اتنا مزیدار اس لئے لگ رہا تھا کہ سب اکٹھے تھے، خوش تھے، مسکراہٹیں تھیں جو کھانے کو اور ماحول کو اچھا بنا رہی تھیں۔

"ایک دن اور رک جاؤ نا۔" حریم نے چاندنی کا ہاتھ دبا کر کہا تھا۔

"نہیں حوری، پیچھے گھر میں بہت کام ہے یہ ایک دن بھی ہم دونوں نے تمہارے لئے جانے کیسے نکالا ہے، تمہیں پتہ ہے نا امی بیمار ہیں بیڈ سے ہل نہیں سکتیں اور ان کی ضروریات پوری کرنے کے لئے ایک بندہ ہر وقت ان کے پاس رہنا چاہیے۔"

"بیٹی یہ تو تم ان کی خدمت کر رہی ہو اس کا صلہ اللہ تمہیں دے گا، ورنہ بچے آج کل تو زمانہ یہ ہے کہ بزرگوں کو بہت کم لوگ سنبھالتے ہیں۔" رئیسہ بیگم نے چاندنی کی تعریف کی تھی۔

"شکریہ خالہ جان، لیکن یہ کون سا ہم ان پر احسان کر رہے ہیں، یہ تو ہمارا فرض ہے۔"

"بس بیٹا ایسی سوچ ہر کسی کی ہو تو کیا بات ہے۔"

کھانا کھانے کے بعد چاندنی اور حریم نے مل کر برتن اٹھائے تھے، حریم جب تک چائے بناتی رہی تھی، چاندنی تب تک کچن میں اس کے پاس ہی کھڑی رہی تھی۔

"چاندنی میرا دل کرتا ہے میں ابا سے ملنے گاؤں جاؤں۔" وہ کھولتے ہوئے پانی میں پتی ڈالتے ہوئے بولی تھی۔

"اگر تمہارا اتنا ہی دل کرتا ہے تو مل آؤ، تمہیں کون سا کسی نے منع کیا ہے۔"

"لیکن پھر اماں کی وجہ سے میرا جانے کو دل نہیں کرتا، یقین مانو، اماں نے میرا بہت دل دکھایا ہے۔"

"تمہاری حالت اچھی نہیں ہے، تم اپنا خیال رکھو بس، اس حالت میں اتنا نہیں سوچتے۔" چاندنی نے اسے افسردہ دیکھ کر تسلی دیتے ہوئے کہا تھا۔

"ان سوچوں پر بھی کون سا اپنا اختیار ہوتا ہے۔"

"ہاں وہ تو ہے، ابھی تو شکر ہے خالہ جان اور نہال بہت اچھے ہیں اور تمہارا بہت خیال رکھتے ہیں، ورنہ تم تو ایسی الٹی سیدھی سوچیں لئے بیمار پڑ جاتیں۔"

"ہاں وہ میں تو سمجھو میں آج ہوں، یہ ہماری بیگم صاحبہ ہماری تعریف کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے بھی دیتی ہیں کہ نہیں۔" نہال نے اس کی بات سن لی تھی اس لئے کچن میں آتے ہوئے بولا تھا۔

"حوری تو آپ کی بات بات پر تعریف کرتی ہے۔" چاندنی نے کہا تھا۔

"بلکہ ایک مزے کی بات بتاؤں، یہ تو شادی سے پہلے بھی آپ کی بہت تعریفیں کرتی تھی۔"

"اچھا، وہ کب۔" نہال دلچسپی سے چاندنی کی بات سننے لگا تھا۔

"یہ جب بھی گاؤں آتی تھی نا تو......"

"چاندنی......" حریم نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے چپ کروانا چاہا تھا۔

"بتانے دو نا یار۔" نہال نے کہا تھا۔

"ہاں تو یہ جب بھی گاؤں آئی تھی تو یہ مجھے آپ کی بہت باتیں بتاتی تھی، بڑی تعریفیں کرتی تھی، بڑی محبت کرتی ہے یہ آپ سے۔" چاندنی نے اس کا ہاتھ ہٹا کر کہا تھا۔

"اچھا، میں تو سمجھا تھا کہ بس میں ہی آپ کی سہیلی کے پیچھے پاگل ہوں۔" حریم کے چہرے پر ست رنگی قوس قزح چھائی ہوئی تھی، نہال کو اس پر پیار آنے لگا تھا۔

"آپ اکیلے نہیں یہ بھی آپ کے پیچھے پاگل تھی۔" چاندنی شروع ہو گئی تھی۔

"تم چلو اور نواز بھائی کے پاس بیٹھو میں چائے لے کر آتی ہوں۔" حریم نے جھینپتے ہوئے چاندنی کو کچن سے باہر دھکیلا تھا، چاندنی اور نہال ہنستے ہوئے باہر نکل گئے تھے۔

"اپنا بہت خیال رکھنا، میں اب تمہیں روز فون کیا کروں گی۔" چاندنی اور نواز جانے لگے تو چاندنی حریم کے گلے لگ کر آبدیدہ ہو گئی تھی۔

"اور تم بھی۔" حریم نے بھی اس سے کہا تھا، رئیسہ بیگم نے چاندنی اور نواز کو سوٹ دیئے تھے، چاندنی پہلی بار ان کے گھر آئی تھی خالی ہاتھ کیسے جا سکتی تھی، اس طرح وہ دونوں ایک بھرپور دن گزار کر ان کے گھر سے رخصت ہوئے تھے۔

"یار اب رونے نہ بیٹھ جانا۔" ان کے جانے کے بعد جس طرح حریم اترا اور اداس چہرہ لئے پھر رہی تھی، نہال نے کہا تھا۔

"نہیں روتی، مگر کیا اب اداس بھی نہ ہوں۔"

"ہاں اداس ہو سکتی ہو، مگر تھوڑی سی، زیادہ اداس ہونے کا بھی حق نہیں ہے۔" نہال نے شرارت سے کہا تھا۔

"اچھا ایک بات تو بتاؤ۔"

"میرے سر میں درد ہو رہا ہے، میں بہت زیادہ تھک گئی ہوں اس لئے یہ باتیں واتیں بعد میں ہوں گی۔" وہ نہال کی چمکتی آنکھوں کی شرارت دیکھ کر سمجھ گئی تھی کہ نہال اب اس سے کیا پوچھنا چاہیں گے اس لئے اسے ٹالتے ہوئے بولی تھی۔

"جو بھی ہے میں ایک بات تو ضرور پوچھوں گا۔" وہ بھی جان چھوڑنے والوں میں سے نہ تھا۔

"ہاں پوچھیے، مجھے پتہ ہے آپ ٹلنے والوں میں سے نہیں ہیں۔" وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر اس کی طرف مڑی تھی۔

"ارے بیگم ڈراؤ تو مت، میں تو بس یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ مجھ خاکسار سے اتنی محبت کرتی تھیں تو مجھے بتایا کیوں نا۔" وہ اس کے قریب آ کر اس کے کان کے پاس جھک کر بولا تھا۔

"آپ تو پہلے ہی جان نہیں چھوڑتے تھے اگر ایسا اظہار کر دیتی تو پھر جانے کیا کرتے۔" وہ مسکرائی تھی۔

"کیا کرتا۔" وہ شرارت اور شوخی پر آمادہ تھا۔

"نہال...... امی جان۔" اس نے کمرے سے ہی رئیسہ بیگم کو ہانک لگائی تھی۔

"نہال کیوں تنگ کر رہے ہو بچی کو۔" وہ اس کے اس طرح پکارنے پر سمجھ جاتی تھیں کہ نہال تنگ کر رہا ہے اس لئے باہر ہی انہوں نے بھی جواب دے دیا تھا۔

"اوہ! یہ بچی ایک عدد بچے کی اماں جان بننے والی ہیں اور امی جان اسے بچی کہہ رہی ہیں، بھئی واہ۔"

"نہال!" رئیسہ بیگم نے پھر سے آواز دی تھی۔

"آ رہا ہوں۔" نہال اس کے گال پر چٹکی کاٹ کر باہر آ گیا تھا۔

حریم اسے گھورتے ہوئے بیڈ پر آ کر لیٹ گئی تھی، وہ واقعی کل سے بہت تھک گئی تھی، مگر چاندنی سے ملنے کی جو خوشی تھی وہ ہر چیز پر حاوی تھی۔

☆☆☆

عابدہ بھی ہاسپٹل آئی تھی اور سرسری سا پوچھ کر چلی گئی تھی، یہ وہی عابدہ تھی جو کبھی وانیہ کے صدقے واری جایا کرتی تھی اور یہ وہی عابدہ تھی جس کی شادی پر وانیہ نے دل کھول کر لٹایا تھا، اس وقت اسے موحد سے نئی نئی محبت کا خمار چڑھا تھا، بس اِدھر اُدھر ہر جگہ موحد ہی موحد نظر آیا کرتا تھا، عابدہ کی شادی طے پائی تو اس کے پیسہ زیور دل کھول کر دیا تھا اور تو اور موحد نے جتنی دل چاہا چھٹی کی تھی، اس نے ماما پاپا کو سنبھالا تھا اور موحد کو پوری سپورٹ مہیا کی تھی، اب چونکہ نہ وہ سیٹھ عماد کی اکلوتی لاڈلی بیٹی رہی تھی، اب تو وہ اس کے بھائی کی مان پسند بیوی بھی نہ تھی بلکہ دل سے اتری ہوئی ایک عورت تھی، جو عام سے ہسپتال کے عام سے بیڈ پر پڑی ہوئی تھی پھر عابدہ کو اس میں کیا دلچسپی ہوتی۔

اماں تو بس موحد کے آگے پیچھے پھر رہی تھیں، جو جانے کس دل اور کس مشکل سے یہ ڈیوٹی نبھا رہا تھا، شاید دنیا داری کا خوف تھا ورنہ دلداری تو کب کی ختم ہو چکی تھی، اماں کو بیمار بہو سے زیادہ بیٹے کی فکر کھائے جا رہی تھی وہ ہسپتال میں بھی اس کے آرام اور کھانے پینے کا پورا پورا خیال رکھ رہی تھی۔

جتنا وقت وہ وانیہ کے پاس موجود رہتا وانیہ خاموشی سے پتھرائی آنکھیں بند کیے لیٹی رہتی اور وہ بھی موبائل پر جانے کون کون سی گیمز کھیلتا رہتا، وانیہ ابھی تک اس دلبر کی طرف سے پیش قدمی کی منتظر تھی شاید، شاید پہلے والا موحد جو اس پر والہانہ نثار ہوتا تھا جاگ جائے اور اس کی سوئی قسمت بھی جاگ جائے لیکن موحد نے تو جیسے چپ سادھ لی تھی، وہ بس دلداری نہیں دنیا داری نبھا رہا تھا۔

☆☆☆

"وانیہ تم؟" آج ڈاکٹر وقار چھٹی پر تھے اور ان کی جگہ پر ڈاکٹر زین ڈیوٹی پر آئے تھے، زین وانیہ کا بہت اچھا دوست تھا اور اس کی فیملی اور ڈاکٹر زین کی فیملی بہت سالوں سے اکٹھی رہی تھی، زین تو اندر آتے ہی وانیہ کو دیکھ کر حیران و پریشان رہ گیا تھا، وہ تو شکر کہ اس نے وانیہ کو اس بری حالت میں بھی پہچان لیا تھا، ورنہ وانیہ کا کوئی بھی دوست کوئی بھی جاننے والا اسے کبھی نہ پہچان پاتا، سانولی کملائی ہوئی رنگت، بکھرے الجھے روکے بال، مرجھاتا چہرہ دبلا پتلا وجود یہ وہ وانیہ تو نہ تھی کہ جس کو دیکھ کر لوگ فیشن کا ٹرینڈ بدل لیا کرتے تھے۔

"زین!" وانیہ نے بھی پکارا تھا، سالوں بعد کسی بہت اپنے کی شکل نظر آئی تھی، ساتھ ہی آنسوؤں نے آنکھوں میں جگہ بنائی تھی۔

"تم یہاں کیسے؟" وہ اس کے بیڈ کے قریب آ گیا تھا۔

"ہاسپٹل میں لوگ کیوں آتے ہیں، بیمار ہو کر اور میں بھی بیمار ہوں۔" وہ پھیکی سی ہنسی ہنس کر بولی تھی، زین کو لگا تھا وہ بولی نہیں کرلائی تھی۔

"اوہ مائی گاڈ، وانیہ انکل آنٹی کہاں ہیں اور پلیز مجھے بتاؤ کہ تم یہاں کیسے۔" وہ پیچھے رکھی کرسی گھسیٹ کر اس کے بیڈ کے قریب رکھتے ہوئے بولا تھا۔

"تم کب آئے ابراڈ سے۔" وہ اس کے سوالوں کا جواب دینے کی بجائے اس سے پوچھنے لگی تھی۔

"میں اپنی اسٹڈی کمپلیٹ کرتے ہی آ گیا تھا، مگر جو میں پوچھ رہا ہوں وہ تو مجھے بتاؤ۔"

وانیہ نے شروع سے لے کر حرف حرف اپنی داستان ڈاکٹر زین کو سنا دی تھی، زین گم صم سا اس کے لفظوں کو سن رہا تھا کہ کیسے ایک بھرپور اور مکمل لڑکی نے محبت میں اپنا آپ گنوا دیا بلکہ اپنا سب کچھ ہی گنوا دیا تھا۔

"وہ کیسا شخص تھا جس نے تمہاری قدر نہ کی۔" سب کچھ سننے کے بعد اس نے کہا تھا۔

"بس وہ جیسا بھی تھا پہلے نہ کھلا جب کھلا تو تب دیر ہو چکی تھی۔"

"مجھے افسوس ہے کہ تمہارا انتخاب ہی غلط تھا۔"

"زین مجھے بتاؤ کہ محبت کیسے ہوتی ہے۔" وہ اس کی بات پر سراپا سوال بن گئی تھی۔

"بس اچانک۔"

"تو پھر مجھے بتاؤ اس میں میرا کیا قصور تھا، مجھے بھی یہ محبت اچانک ہی ہوئی تھی، اگر پوچھ کر یا سوچ سمجھ کر ہوتی تو یہ شخص میرا انتخاب کبھی نہ ہوتا، پچھتاوا بھی تب ہوا تھا جب سارا ٹائم گزر گیا تھا۔"

"میں ملنا چاہوں گا اس شخص سے۔"

"چھوڑو، کیا کرو گے اس سے مل کر، تمہیں مایوسی ہی ہو گی۔"

"ہاہاہا، وانیہ عماد، یہ تم ہی ہو۔" وہ وانیہ کا مذاق اڑانے والے انداز میں بولا تھا۔

''ہاں یہ میں ہی ہوں۔'' وہ برا مانے بغیر بولی تھی۔

''اچھا ابھی تو میری ڈیوٹی ہے چلتا ہوں۔'' وہ کھڑا ہونے کے ساتھ اس کی فائل بھی دیکھنے لگا تھا۔

''تمہاری کنڈیشن کافی بہتر ہے پہلے سے، شاید ایک آدھ دن میں تمہیں ہاسپٹل سے ڈسچارج کر دیا جائے۔''

''کاش زندگی کے دکھ کم کرنے کی بھی کوئی میڈیسن ہوتی۔'' وہ غم زدہ آواز میں بولی تھی۔

''یہ دکھ بھی تو ہم خود ہی اپنی زندگی میں لاتے ہیں۔''

''چلو اب اتنا دکھی مت ہو، میں چلتا ہوں، پھر آؤں گا۔'' وہ دانیہ سے ہاتھ ملا کر چلا گیا تھا۔

☆☆☆

''مام یہ کیا ہے۔'' یاشر نے اخباروں کا پلندہ آنکھیں بند کیے ان پہ کھیرے کے قتلے سجائے پڑے آرام دہ انداز میں بیٹھی ماں کے سامنے پھینکا تھا۔

''کیا؟'' یاشر کی آواز اور لہجے میں ایسا کچھ تھا کہ مسز علوی نے آنکھوں سے کھیرے کے قتلے ہٹائے تھے اور اخباروں کی طرف دیکھ کر بولی تھی۔

''یہ نیا تماشا، آپ کو احساس ہے کہ آپ کی ایک جوان جہان بیٹی موت کے منہ میں چلی گئی، بیٹے کا گھر برباد ہو گیا اور آپ ہیں کہ اس ڈائریکٹر کے ساتھ مزے کر رہی ہیں، پاپا نے تو آپ کو کچھ کہا نہیں ہے مگر مام اب ہم سے یہ سب برداشت نہیں ہوتا، انس انف۔''

''یاشر تمہیں کس نے کہا ہے کہ میری پرسنل لائف میں گھسنے کی کوشش کرو۔''

''مام، مائنڈ اٹ، آپ کی پرسنل لائف ہم سے الگ نہیں ہے، اس کا اتنا اثر آپ پر نہیں پڑتا جتنا ہم پر پڑتا ہے، اس لئے اچھا ہے کہ آپ یہ دوستی خود ہی چھوڑ دیں۔''

''یہ...... یہ پڑھ کر دیکھیں میڈیا آپ کے خلاف کیسی کیسی باتیں پرنٹ کر رہا ہے۔'' اس نے دوبارہ نیوز پیپرز کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا۔

''لگتا ہے پنکی کی جدائی نے تمہیں سائیکی بنا دیا ہے، جاؤ شاباش جا کر کوئی ایکٹیوٹی ڈھونڈو، اپنے مائنڈ کو فریش کرو۔'' مسز علوی نے ناک پر سے مکھی اڑائی تھی۔

''میں تو اپنے مائنڈ کو فریش کر ہی لوں گا مگر آپ اپنے آپ کو بھی سیٹ کر لیں۔'' وہ غصے سے کہہ کر سیڑھیاں چڑھ گیا تھا۔

''ہونہہ، پاگل ہو گیا ہے۔'' انہوں نے کھیرے کے تازہ قتلے دوبارہ اپنی آنکھوں پر رکھے تھے اور واک مین کانوں میں گھسا کر گانا سننے لگی تھیں، ٹینشن اور انزائٹی دور کرنے کا سب سے بہترین طریقہ میوزک سننا ہی تو تھا ان کے نزدیک۔

''کیا کہہ رہے ہو، تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔'' وہ جلتا بھنتا اپنے کمرے میں آیا تو اس کے موبائل پر اس کے اسسٹنٹ کی کال آنے لگی تھی۔

''سر میں خود حیران ہوں اتنا بڑا آرڈر کیسے ہمارے ہاتھ سے نکل گیا، انہوں نے انکار کیا ہے حالانکہ سب کچھ اس فرم کی پسند کے مطابق تھا، مگر اب ایک دم سے یہ سب۔'' وہ بھی پریشان تھا مگر یاشر کے تو ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے تھے، بزنس پہلے ہی خاصے گھاٹے میں جا رہا تھا اور اس آرڈر کے کینسل ہونے کا مطلب تھا لاکھوں کا نقصان اور اس اسٹیج پر اتنا بڑا نقصان کم از کم یاشر افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔

''اوہ مائی گاڈ، میں کیا کروں، تم ایسا کرو کسی بھی طرح انہیں مناؤ، یہ آرڈر ہاتھ سے نہیں جانا چاہیے، بلکہ میں خود ان سے بات کرتا ہوں۔''

''سر کوئی فائدہ نہیں اب بات کرنے کا، میں نے بہت کہا ہے مگر وہ لوگ نہیں مان رہے۔'' اسسٹنٹ نے کہا تھا، یاشر نے کال منقطع کر کے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔

☆☆☆

''ہم کہاں جا رہے ہیں، نہال آپ مجھے بتاتے کیوں نہیں ہیں۔''

''میں نے کہا ہے نا بس تم تیاری کر لو۔''

''لیکن مجھے پتہ تو چلے کہ آجر ہم جا کہاں رہے ہیں، اتنی راز داری کیوں برت رہے ہیں۔''

''یار میں تمہیں اغوا کر کے تو نہیں لے جا رہا، بس اچھی بیویوں کی طرح جہاں لے جاؤں تم خاموشی سے چلتے جانا۔'' نہال نے بالوں کو برش کرتے ہوئے مسکرا کر اسے آئینے میں دیکھا تھا۔

''مجھ پر اعتبار نہیں ہے۔'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا تھا۔

''اعتبار تو خود سے بھی زیادہ ہے۔''

''تو بس پھر بات ختم۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے آیا تھا۔

''اچھا امی جان ہم چلتے ہیں۔'' کمرے سے باہر آ کر اس نے ماں کو بانہوں کے گھیرے میں لے کر اجازت چاہی تھی۔

''اللہ کی امان میں بیٹا، بس حریم کا خیال رکھنا۔''

''امی جان آپ کو پتہ ہے، تو آپ ہی بتائیے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔''

''یہ تمہیں نہال خود ہی بتائے گا اس نے مجھے بتانے سے منع کر رکھا ہے۔'' وہ حریم کو دیکھ کر بولی تھیں۔

''دیکھ لیں پھر امی جان آپ بھی نہال کے ساتھ مل گئیں۔''

''جب تم جاؤ گی تو تمہیں پتہ چلے گا کہ میں نہال کے ساتھ نہیں تمہارے ساتھ ہوں۔'' وہ ذومعنی انداز میں بولی تھیں، نہال ماں سے مل کر باہر نکل گیا تھا، حریم کو بھی اس کی تقلید کرنا پڑی تھی۔

''گاؤں میرے گھر، کیا آپ مجھے میرے گاؤں لے کر جا رہے ہیں۔'' گاڑی جیسے ہی جانے پہچانے راستے پر رواں دواں ہوئی تھی حریم خوشی سے چلا پڑی تھی۔

''آرام سے، اپنی طبیعت نہ خراب کر لینا۔'' نہال نے احتیاط سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے اس کے یوں اچھلنے پر ڈانٹا تھا۔

''نہال آپ مجھے میرے گھر لے کر جا رہے ہیں نا۔'' وہ سمجھ تو گئی تھی مگر نہال کے منہ سے سننا چاہتی تھی۔

''ہاں یار، تمہاری پریشانی مجھ سے دیکھی نہیں جاتی اور اس حالت میں ہر وقت تمہارا اداس رہنا ٹھیک نہیں ہے، مجھے پتہ ہے تم اپنے بابا کے لئے اداس ہو اس لئے تمہیں ان سے ملوانے جا رہا ہوں، اگر کچھ غلط کر رہا ہوں تو یار سوری۔''

''نہیں نہال، سوری کس بات کی، میں تو آپ کی محبت اور اس احساس کا کبھی بدلہ نہ دے سکوں شاید۔'' اس کی آنکھیں نم ہوئی تھیں۔

''اچھا یعنی کہ اب بھی اداسی۔'' اس نے حریم کو چھیڑا تھا۔

''یہ آنکھوں کی نمی تو خوشی سے آئی ہے۔'' وہ جانے پہچانے راستوں کو پیار سے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

میں کیوں بن برسا بادل کہلاؤں
میں تیری ذات کا محور بنوں
میں تو تیری رات کا قمر بنوں
تم ہی کہو اے جانِ جاں
میں تم سے الگ کیسے رہوں
میں چپ کی چادر اوڑھ بھی لوں
تم سے ناطہ توڑ بھی لوں
میں دل کو کیسے سمجھاؤں
خود کو بے بس سا ہی پاؤں
میں تیری بات کا عنوان ہوں
میں تیری ذات بعید ہوں
تو تم سے جدا کیسے ہو جاؤں
میں برسوں کی سزا کیسے ہو جاؤں
اے میرے سجن!
جب محبت ہم کو تم ہی سے ہے
میں دریا کا کنارا کیسے بنوں
میں بہتا دھارا کیسے بنوں

گاڑی گھر کے سامنے رک گئی تھی، وہ دوڑ کر اتری تھی اور گھر کے کھلے دروازے سے اندر داخل ہو گئی تھی۔

"حوری۔" شہباز چارپائی پر لیٹا تھا اور پہلے سے کافی کمزور دکھتا تھا اور فالج نے جسم کے جس حصے کو متاثر کیا تھا وہ تو ہلانے سے بھی قاصر تھا۔

"بابا۔" حوری دوڑ کر باپ کے سینے سے جا لگی تھی۔

"ارے پپو کون آیا ہے۔" لبنیٰ بیگم کی چلاتی ہوئی کرخت آواز جانے گھر کے کس کونے سے نکلی تھی اور سارے صحن میں چھا گئی تھی۔

"بابا یہ نہال میرا شوہر۔" باپ سے ملنے اور اچھی طرح آنسو بہا لینے کے بعد وہ دوڑ کر گئی تھی اور صحن میں کھڑے نہال کا ہاتھ پکڑ کر باپ کے پاس لے آئی تھی۔

"تمہارا شوہر۔" شہباز تو اس بابو کو دیکھ کر حیران رہ گیا تھا، مگر ایک بات تھی اس کی دھی کے ساتھ ایسا ہی سوہنا بندہ سجتا، اس نے پیار دینے کے لئے ایک ہاتھ اٹھایا تھا مگر نہال شہباز کے کندھے سے جا لگا تھا، شہباز اس کے اس اپنے پن پر خوش ہو گیا تھا۔

"کون آیا ہے۔" لبنیٰ بیگم بولتے بولتے سارے منظر پر چھا گئی تھیں۔

"اوہ۔" اس کے منہ سے لمبی سی اوہ نکلی تھی۔

"کیا حال ہے اماں۔" جس طرح اس نے ذلیل و خوار کر کے حریم کو نکالا تھا، حریم کو وہ منظر آج بھی نہ بھولا تھا، مگر اپنے باپ کے ناطے وہ ماں نہ سہی ماں کے رتبے پر فائز اس عورت کا احترام کر گئی تھی۔

"یہ کون ہے۔" اس کی نظریں اب نہال کے آر پار ہو رہی تھیں۔

"حوری کا میاں ہے، جاؤ کرسی اٹھا کر لاؤ اس کے بیٹھنے کے لئے۔" ابا نے ماں کو گھورا تھا، وہ بدلنے والی عورت نہ تھی، رکھ رکھاؤ والی نہ تھی، اسے حوری یا اس کے میاں سے کیا لینا دینا تھا، ہاں آج اگر حریم کی سگی ماں زندہ ہوتی تو داماد کے اس طرح پہلی بار گھر آنے پر اپنی پلکیں بھی راہ میں بچھا دیتی اور اس طرح آؤ بھگت کرتی کہ سارا گاؤں دیکھتا، مگر وہ سگی ماں نہ تھی، سوتیلی تھی۔

"ہونہہ۔" وہ ان گھوریوں کی پرواہ کیے بغیر ہنکارا بھر کر منظر سے غائب ہو گئی تھی۔

"ابا آپ فکر نہ کریں۔" حریم نے دوسری چارپائی گھسیٹ کر ابا کے قریب کی تھی اور دونوں اس پر بیٹھ گئے تھے۔

"ارے چھوٹی تو اتنی بڑی ہو گئی۔" اس کے

سارے بہن بھائی اس کے پاس آ گئے تھے، وہ سب سے ملی تھی اور بہت محبت سے ملی تھی۔

چھوٹی نہال کے سامنے شرما گئی تھی، پپو دوڑ کر گلی کی دکان سے دو ٹھنڈی ٹھار بوتلیں لے آیا تھا، اماں کو تو ان کی خاطر تواضع کی فکر نہ تھی، پپو کو ہی سوچنا پڑا تھا۔

"شکریہ پپو، بڑے تو تم بھی ہو گئے ہو۔" حریم کو پپو کا اس طرح خیال رکھنا اچھا لگا تھا، وہ پپو کے بال بگاڑتے ہوئے بولی تھی۔

"خالہ آپ۔" پپو گلی میں جس جس سے ملا تھا سب کو بتا آیا تھا کہ حوری آپا آئی ہیں اور کچھ اس کی گلی میں کھڑی گاڑی نے کسر پوری کر دی تھی اس لئے چند ہی منٹوں میں گھر میں ملنے والے کئی لوگ آ گئے تھے۔

چاندنی کی اماں کو دیکھ کر حریم کھڑی ہو گئی تھی اور ان کے سینے سے جا لگی تھی، خالہ نے نہال کو دونوں ہاتھوں سے پیار دیا تھا۔

"خالہ آؤ بیٹھو نا۔" وہ چارپائی پر جگہ بناتے ہوئے بولی تھی۔

"نہیں میں بیٹھوں گی نہیں، میں تمہارے لئے روٹی ٹکڑ کا انتظام کرنے جا رہی ہوں۔"

"ارے نہیں خالہ جان یہ تکلف نہ کریں ہمیں بالکل بھی بھوک نہیں ہے، راستے میں ہم نے بہت کچھ کھا لیا تھا۔" نہال جلدی سے بولا تھا۔

"پتر یہ تکلیف نہیں ہماری محبت ہے، تم لوگ ادھر ہی آ جانا۔" خالہ جاتے ہوئے بولی تھیں۔

"جی خالہ۔" حوری نے کہا تھا ورنہ ماں کو تو توفیق نہ ہوئی تھی کہ ایسا کوئی انتظام کرتی، تقریباً دو گھنٹے وہ باپ کے پاس بیٹھی رہی تھی۔

"اچھا ابا اب ہم چلتے ہیں۔" وہ اور نہال کھڑے ہوتے ہوئے بولے تھے۔

"ابا یہ آپ کے لئے۔" اس نے دس ہزار روپے باپ کے ہاتھ میں دیے تھے۔

"حوری یہ کس لئے۔" شہباز کے ہاتھ کپکپانے لگے تھے، پہلے کی بات اور تھی مگر اب داماد کے سامنے۔

"بابا آپ میرے بھی تو بابا ہیں۔" نہال نے آگے بڑھ کر ان کی مٹھی بند کر دی تھی، خالہ نے دو دفعہ بچے کو بھیج دیا تھا کہ کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے آ کر کھا لیں، حریم باپ سے مل کر باہر نکل آئی تھی۔

"پھر رو رہی ہو، میں تمہیں اس لئے تو یہاں نہیں لایا تھا۔" گھر کے باہر کھڑے ہو کر نہال نے اس کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔

"چلو خالہ انتظار کر رہی ہوں گی۔" حریم چاندنی کے گھر کی طرف چلتے ہوئے بولی تھی، ان آنسوؤں کا جواب اس کے پاس نہیں تھا، تو وہ نہال کو کیا بتاتی۔

(آخری قسط انشاء اللہ آئندہ ماہ)

"ٹھیک ہے پھپھو میں چلتی ہوں۔" وہ حوصلہ سے بولی تھی، اب رو دو کر وہ خود کو ارزاں نہیں کر سکتی تھی۔

"یہ دیکھو رشنا میری ساری جیولری خود شاہ میر نے پسند کی ہے اچھی ہے ناں۔" نیلم نے جتانے والے انداز میں اس کے نیکلس گلے سے لگا کر دکھایا تھا، وہ جو یہاں مہمان تھی اب مالکن بن بیٹھی تھی جبکہ وہ خود جو اس گھر کی کل تھا، اب آج میں بھی اس کی گنجائش باقی نہ رہی تھی۔

"رہنے دو نیلم پگلی نظر لگ جائے گی، ساری جیولری سمیٹ کر اندر الماری میں لاک لگا کر رکھو۔" ندرت بیگم نے اسے اس کی ناسمجھی پر ٹوکا تھا، ان کے خیال میں مبارک موقع پر رشنا ضرور اپنی بد نیتی دکھا سکتی تھی، حالانکہ وہ اس بات کو سمجھنے سے قاصر تھیں کہ وہ خود نیلم ہی تو تھی، جو اس طرح رشنا کو نیچا دکھ کر یہ بتانا چاہتی تھی اب شاہ میر پر صرف اور صرف اس کا استحقاق ہے۔

"جی میں رکھتی ہوں۔" نیلم نے بہ ظاہر تابعداری سے کہا تھا، مگر نیلم کو ندرت بیگم کا یوں ٹوکنا ناگوار خاطر گزرا تھا، رشنا پھر ازمیر کے ساتھ آ گئی تھی۔

سبرینا کے گھر جانے کا یہ اس کا پہلا اتفاق تھا وہ لوگ آئے تھے تو ازمیر کے پورشن میں ہی بیٹھے تھے، اس لئے وہ نہیں جان پائی تھی، نہ ہی اس نے براہ راست سبرینا نے ملاقات کی تھی یہاں سبرینا کے گھر آنے کا پہلا اتفاق تھا، بہرحال ایک حیرت ہوئی تھی کہ وہ لوگ مالی اعتبار سے ان سے کم تھے، پھر بھی زہرہ پھپھو نے خوش دلی سے ان لوگوں کو قبول کر لیا تھا، دوسرا جھٹکا

مکمل ناول



جیت یا مات

قرۃ العین سکندر

اسے تب لگا تھا جب داخلی گیٹ پر اس کا سامنا اس دن والے لفنگے سے ہوا تھا، یا دوسرے معنوں میں جسے لفنگے کا خطاب دیا گیا تھا۔

''کیسے ہیں دولہا بھائی۔'' سرمد نے ہنس کر ازمیر کو گلے لگا کر چھیڑا تھا، ازمیر ہنس دیا تھا۔

''آئیں سبرینا تیاری ہو رہی ہے اتنی دیر چائے ہو جائے۔'' وہ خوش دلی سے کہہ رہا تھا اور بار بار اس کی بھٹکتی نگاہوں کا محور و مرکز رشنا تھی، رشنا کا دل چاہا کہ ازمیر صاف انکار کردے، مگر یہ اس کا سسرال تھا، وہ کیونکہ انکار کرسکتا تھا۔ ہنستا مسکراتا اندر کی جانب بڑھ گیا تھا، جبکہ وہ وہیں گیٹ پر کھڑی اچنبھے کی حالت میں تھی۔

اب کیا کرتی، ناگہانی افتاد کی مانند اسے یہ صورتحال قبولنا ہی پڑی تھی، سو خاموش سے دل پر پتھر رکھ کر اندر قدم رکھ دیئے تھے۔

سرمد اسے کن انکھیوں سے مسلسل دیکھ رہا تھا، اس کا موڈ خراب ہونے لگا تھا، یہ شخص تو سر پر سوار ہونے لگا تھا۔

''کیا لیں گے چائے یا ٹھنڈا۔''

''نہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ فوراً بولی تھی، جس پر ازمیر نے رشنا کو دیکھا تھا، کیونکہ رشنا کا انداز بھی خاصا روڈ تھا، اتنی دیر میں سبرینا آئی تھی، سو سبرینا سے مل کر رشنا کو بہت اچھا لگا تھا۔

پھر وہ لوگ شاپنگ کے لئے آ گئے تھے، ساری شاپنگ میں وہ خاموش سی رہی تھی، وہ چاہتی تھی کہ سبرینا اپنی پسند کے مطابق ہر شے منتخب کرے اور پھر ازمیر کو بھی سبرینا کے ساتھ کچھ بات چیت کرنے کا موقع مل جائے، وہ قدرے دور کھڑی ایک جانب ان دونوں کے جگمگاتے چہرے دیکھ رہی تھی، تبھی اس کے دل سے دعا نکلی تھی کہ وہ دونوں ہمیشہ ہی شاد و آباد رہیں، اس کے اندر نارسائی کے گہرے زخم تھے، مگر وہ چاہتی تھی کہ اب دنیا کی کسی اور لڑکی کے نصیب میں ناآسودگی اور تشنگی نہ آئے، دکھوں کا ایک پہاڑ تھا جو اس نے تنہا ہی عبور کیا تھا اور اب تو اس نے چپ کی مہر ہمیشہ کے لئے اپنے لبوں پر لگالی تھی، پھر وہ اس وقت چونکی تھی جب ازمیر نے اسے پکارا تھا۔

''چلو رشنا چلیں۔'' وہ خاموشی سے عقبی نشست میں کار میں آ کر بیٹھ گئی تھی، اس کے برابر میں ہی سبرینا شرگیں انداز لئے بیٹھی تھی، کیونکہ گاہے بگاہے ازمیر کی محبت بھری نگاہیں اس کے چہرے پر اٹھ رہی تھیں، نئے رشتے کی نئی خوبصورتی میں وہ دونوں آپس میں محو گفتگو تھے، جب وہ خود کسی پس منظر کا حصہ لگ رہی تھی، پھر پہلے ازمیر نے سبرینا کو اس کے گھر ڈراپ کیا تھا اور وہاں سبرینا کے لئے داخلی گیٹ سرمد نے ہی کھولا تھا، نجانے کیوں وہ بے حد پرسوچ نگاہوں سے مسلسل رشنا کو دیکھ رہا تھا اور رشنا کو الجھن محسوس ہونے لگی تھی، اس نے بے رخی سے اپنا رخ ہی دوسری جانب موڑ لیا تھا، جبکہ سبرینا اندر چلی گئی تو ازمیر نے گاڑی گھر کے راستے کی جانب بڑھا دی تھی اور اس نے سکھ کا سانس لیا تھا، واپسی میں وہ اپنے پورشن کی جانب بڑھ گئی تھی، گھر میں خاموشی سی تھی، کچن میں برتنوں کی کھنک کی آواز سنائی دے رہی تھی، ملازمہ کچن میں مصروف تھی، اس کو شدید تھکن کا غلبہ سا ہو رہا تھا، وہ آرام کرنے کی غرض سے سیدھا اپنے کمرے میں آ گئی تھی اور ابھی لیٹی ہی تھی جب ندرت بیگم آن پہنچی تھی، عقب سے دروازہ کھلا تھا۔

''اب آ ہی گئی ہو موج مستی کر کے تو تھوڑا کچن کا کام ہی دیکھ لو، مجھ میں اب ہمت نہیں ہے

اور کل کے لئے ساری تیاری کی ہے میں نے۔'' ندرت بیگم کا انداز روکھا پھیکا سا تھا، وہ دل مسوس کر کے خاموش سے بغیر بحث کے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

یوں بھی بحث و مباحثہ اب اس کی عادت نہ رہی تھی، اس نے مکمل خاموشی ہر معاملے میں اختیار کر لی تھی، وہ کچن میں آ گئی تھی، جہاں اب ملازمہ بھی موجود نہ تھی، اس نے پلاؤ بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا، کیونکہ اس وقت اس کا تھکن سے برا حال تھا اور وہ رائتہ اور پلاؤ کا سوچ کا کام میں جت گئی تھی۔

صبح دستک پر اس کی آنکھ کھلی تھی، اس نے دیکھا دروازے سے چھن چھن کر روشنی اندر آ رہی تھی، نجانے وہ کتنی دیر تک سوتی رہی تھی، اسے رات گئے نیند نے اپنی آغوش میں لیا تھا، اس لئے اب دیر سے جاگی تھی اور سر بھاری بھاری سا ہو رہا تھا، سنبل بھابھی ناشتہ لئے آ گئی تھیں، وہ شرمندہ سی ہو گئی تھی۔

''ارے بھابھی اس کی کیا ضرورت تھی، میں آ ہی رہی تھی۔'' وہ خجالت سے بولی تھی۔

''میں جانتی ہوں کہ تم وقت کی کتنی پابندی کرتی ہو، سب سے پہلے صبح سویرے تم ہی بیدار ہوتی ہو، اب اگر ایک دن دیر سویر ہو بھی گئی تو کیا ہو گیا، میں نے سوچا کہ اب تو نو بج رہے ہیں میں جا کر تمہاری خیریت بھی معلوم کرلوں، آج یوں بھی بے انتہا مصروفیت کا دن رہے گا تو پھر ناشتہ تو ڈٹ کر کرنا ہی چاہیے۔'' سنبل بھابھی بشاشت بھرے لہجے میں بول رہی تھیں، وہ واش روم میں گھس گئی تھی، فریش ہو کر لوٹی تو سنبل بھابھی کو ابھی تک وہیں دیکھ کر چونک سی گئی تھی، سنبل بھابھی کی پرسوچ نظریں اس پر ٹکی ہوئی تھیں، وہ کچھ پوچھنا بھی نہیں چاہتی تھی اور نہ ہی جانتی تھی کہ بھابھی اس کے سامنے کوئی سوال کریں، اس لئے بالکل چپ چاپ ناشتہ کرنے لگ گئی تھی۔

''دیکھو رشنا بعض اوقات جو ہمیں اپنی شکست لگ رہی ہوتی ہے وہی ہماری جیت ہوتی ہے، بظاہر شاہ میر کا تمہارے لئے رویہ تبدیل کرنا، نظر انداز کرنا اور پھر نیلم کو اپنا لینا، یوں لگتا ہے کہ جیسے یہ کوئی انوکھا سا ہو رہا ہے، مگر تم ایک بات کو سوچنا ضرور کہ تمہارے لئے یہ اچھا ہی ہوا ہے، ایک لحاظ سے جو مستقبل میں بھی ممکن تھا، اگر آج پر اس کی ہلکی سی آنچ آ جائے تو بھی کل تو محفوظ رہا نا، اور میں چاہتی ہوں کہ تم اس کل کی

"خاطر آج کو بھی کھل کر جیو پوری زندہ دلی سے۔"
سنبل بھابھی کا ناصحانہ انداز اسے بہت کچھ باور کروا گیا تھا، اس کا مسلسل اتنے دنوں سے گم صم رہنا اس کی ساری کیفیات گھر والوں سے بالکل بھی مخفی نہ رہی تھیں، یہ علیحدہ بات تھی کہ کچھ لوگ اس کو نظر انداز کر رہے تھے، جیسے کہ شاہ میر اور خود نیلم، دراصل ابھی احساس پشیمانی ان میں اجاگر نہ ہوا تھا، مگر ضمیر کے جاگنے کا خدشہ لاحق تھا، اسی لئے اس سے لاتعلق بن جاتے تھے۔

"بھابھی میں آپ کی بات سمجھ گئی ہوں، انشاء اللہ آپ پریشان نہ ہوں میں کسی کو بھی اپنے آپ پر تضحیک کا موقع نہیں دوں گی، میں بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ بھی مسکرا دی تھی، مگر ایک انجانی سی آزردگی اس کی مسکان میں گھلی تھی، گڈ گرل کہتے ہوئی بھابھی بھی مسکرا دی تھیں۔

☆☆☆

دن میں بے انتہا مصروفیت کے بعد سر شام ہی چہل پہل سی ہونے لگی تھی، گھر میں بھی فنکشن رکھا گیا تھا، عقبی لان کو قمقموں اور مصنوعی روشنیوں سے نہلا دیا گیا تھا اور پھر پھولوں کی آرائش نے فضا کو بے انتہا معطر کر دیا تھا، چہار سو قہقہوں کی جلترنگ بکھری ہوئی تھی، سب کے چہروں پر شادمانی تھی، آسودگی کے گہرے سائے تھے، وہ بھی اس وقت میرون سوٹ میں ملبوس ہلکے میک اپ میں تھی، وہ کس کو بھی جگ ہنسائی کا موقع نہیں دے سکتی تھی۔

آنسہ بیگم اسے یوں مطمئن دیکھ کر قدرے مطمئن سی ہو گئی تھیں، یوں بھی ندرت بیگم کے ساتھ ان کی چپقلش سی تھی، اگر ان کا لاڈلا سپوت کاشان فاریہ کے لئے باولا نہ ہو رہا ہوتا، تو شاید وہ ندرت بیگم سے ہر طرح کا تعلق توڑ ڈالتی مگر بعض اوقات انسان اپنے ہی بچوں کے سامنے بے بسی کی انتہا پر چلا جاتا ہے، وہاں سے صرف شکست فاش ملتی ہے جو اپنوں کے سامنے انسان کو جھکا دیتی ہے وہ چاہتی تھی جس طرح ان کی اپنی بیٹی رشنا کو درد کی اذیت سہنی پڑی تھی، انہیں بھی ایک ماں ہو کر بیٹی کا دکھ سہنا پڑا تھا، وہ چاہتی تھیں کہ وہ بھی اب فاریہ کو اپنی بہو نہ بنائیں، آج تو تین تین فنکشن گھر میں رکھے گئے تھے اور کاشان، فاریہ، نیلم، شاہ میر اور ازمیر اور سبرینا سب کو ایک دوسرے کے ساتھ منسلک کر دیا جانا تھا، وہ تنہائی کا احساس محسوس کر رہی تھی، مگر اب اس نے اپنی قسمت کو قبول کر لیا تھا، جس طرف تقدیر لے جاتی وہ شاکر رہتی، وہ جانتی تھی کہ شاید نیلم کو ایک تحفظ اور ایک آشیانے کی حاجت اس سے زیادہ تھی، اس لئے اس کے دل میں کبھی بھی نیلم کے لئے نفرت نے جنم نہیں لیا تھا۔

"آؤ بھئی ادھر آؤ۔" بی جان نے اسے اپنے پاس بلا کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

"ماشاء اللہ میری بچی تو آج شہزادی لگ رہی ہے، مغلیہ شہزادی۔" بی جان کے لہجہ میں محبت ٹھاٹھیں مار رہی تھی، اس نے شرما کر سر اٹھایا تھا جب اس کی نگاہوں کا تصادم وارفتگی سے دیکھتی ہوئی سرمد کی نگاہوں سے ہوا تھا، ایک پل کے لئے اس کا دل تیز تیز لے پر دھڑک اٹھا تھا، نجانے کیوں یہ اجنبی اس کے حواسوں پر چھانے کی صلاحیت رکھتا تھا، پھر منگنی کی رسم شروع ہو گئی تھی۔

وہ ایک جانب بالکل کنارے پر رکھی کرسی پر تکی محویت سے اس منظر کو دیکھ رہی تھی، کسی پل اس نے سوچا تھا کہ نیلم کی جگہ وہ ہو گی، مگر اس نے یہ حق نجانے وقت کی ہتھیلی پر پھسلتے لمحے کی زد میں گنوا دیا تھا، وہ اب شاہ میر کے لئے کسی بھی قسم کے جذبات سے عاری تھی، مگر نیلم کا انداز اور اس

کی جتاتی ہوئی نگاہیں اسے بہت کچھ باور کرواتی ہوئی تھیں، اس وقت بھی نیلم کی نگاہیں جیسے ہی اس ہجوم بیکراں میں رشنا کو ڈھونڈتے ہوئے اس پر رکی تھیں اس کی نگاہوں میں شادابی اور خوشی بڑھ گئی تھی، فاتحانہ انداز میں گردن اکڑائے اچانک ہی اسے شاہ میر کی جانب دیکھ کر بھرپور طریقے سے مسکرانا یاد آ گیا تھا اس سب میں تصنع تھا بناوٹ تھی۔

وہ اتنی انجان ہرگز نہ تھی اس کے تمام اطوار کو بخوبی سمجھتی تھی کیونکہ ایک عرصے تک وہ اس کی نام نہاد دوست رہ چکی تھی، اس کی رفیق رہی تھی، اس نے شاہ میر کی طرف دیکھا تھا جو مطمئن شاد نظر آتا تھا، کاشان، فاریہ، ازمیر، سبرینا سب کے چہروں پر بکھری خوشی کے دھنک رنگ سجے تھے، وہ ان سب کو مسلسل دیکھتی رہی پھر نجانے کیوں سامنے کا منظر دھندلانے لگا تھا، اس کو معلوم ہی نہ ہو سکا تھا کہ اس کی نگاہیں لبالب پانیوں سے بھرتی جا رہی ہیں تبھی اس نے اپنے بالکل پاس سرمد کی آواز سنی تھی۔

"مانا کہ آپ کی نگاہیں ان پانیوں میں بھی بے حد حسین لگ رہی ہیں مگر میں ہرگز نہیں چاہتا کہ آپ آج کے خوشگوار دن اداس ہوں، ویسے بائی دا وے ابھی تو رخصتی میں بہت وقت باقی ہے، ابھی سے اداسی کیوں؟" وہ اس کے عین مقابل آ کر بیٹھ گیا تھا، اسے اس کا یوں بلا اجازت بیٹھنا اور اس کی تنہائی میں مخل ہونا سخت ناگوار گزرا تھا، اس نے تیزی سے اپنی آنکھیں صاف کر لی تھیں، اسے ہرگز اپنا پندار گرانا مقصود نہ تھا۔

"آپ کیا ہر وقت میری ٹوہ میں لگے رہتے ہیں۔" نادانستگی میں ایک غلط جملہ اس کے لبوں سے پھسلا تھا۔

"جی نجانے کیوں پہلے تو ایسا نہ تھا، اب دل ٹوہ لینے پر آمادہ نظر آتا ہے۔" وہ شوخ سا ہوا تھا۔

وہ کوئی سخت جواب دینا چاہتی تھی جب اسے آنسہ بیگم کی آواز پہ فوری طور پر اٹھ کر جانا پڑا تھا، پھر کھانا لگنے تک بھی وہ ماں کے ساتھ ہی رہی تھی، وہ اس شخص کی گہری آنکھوں سے نجانے کیوں خائف سی رہنے لگی تھی۔

وہ ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ کوئی اس کے کردار پر حرف زنی کرے، اسے اپنی انا اپنی عصمت سب سے زیادہ پیاری تھی، ہر شے سے زیادہ مقدم تھی۔

وہ کھانا لئے ایک جانب آ کر بیٹھی تھی، نجانے کیوں آج دل اداس سا ہو رہا تھا، ایسا ملال بھی نہ تھا کہ وہ شاہ میر کو کھو کر مضطرب سی تھی، مگر بہر حال اس کے ساتھ دو ایسے لوگوں نے دھوکہ کیا تھا، جو اس کے لئے زندگی میں سب سے زیادہ قیمتی تھے، دوستی کا تقدس جہاں پامال ہوا تھا وہیں دوسری طرف محبت میں اعتبار بھی اٹھ گیا تھا، اسے تو اب مرد ذات سے ایک عجیب سی وحشت محسوس ہوئی تھی، وہ چاہتی تھی کہ جلد از جلد یہ فنکشن تمام ہو اور وہ آرام سے اپنے کمرے میں جائے، مگر ابھی بہت سارے مراحل باقی تھے۔

"اور سلاد ڈال کر یہ پلیٹ لو فاریہ اور نیلم کو دو، تم خود یہاں کھانے بیٹھ گئی ہو۔" ندرت بیگم نے طنزیہ لہجہ میں کہا اور وہ جو اتنی دیر بعد خود کو کھانے کے لئے آمادہ کرنے کے قابل ہوئی تھی، اس نے پلیٹ میں چمچ واپس رکھ دیا تھا۔

رشنا پلیٹ میں کھانا لے کر نیلم کے پاس آ چکی تھی، شاہ میر وہاں موجود نہ تھا، نیلم کو پلیٹ پیش کی تو نیلم نے اس کے چہرے پر کچھ کھوجنا چاہا تھا۔

دکھ، ملال کے تاسف، مگر اسے ڈھونڈے

سے بھی رشنا کے چہرے پر کوئی آزردگی گھلی ہوئی نہ ملی تھی، بلکہ اس کا چہرہ بالکل پرسکون لگا تھا۔

"کیسی لگ رہی ہوں میں شاہ میر کے ساتھ۔" وہ شاید اسے اکسانا چاہتی تھی زچ کرنا چاہتی تھی اس کے جملے پر وہ ایک لمحہ کے لئے ٹھٹک سی گئی تھی۔

"بالکل شاہ میر کے ساتھ تم ہی سوٹ کرتی ہو نیلم مبارک ہو۔" اس نے سادگی سے کہہ کر جان چھڑانا چاہتی تھی، تاکہ واپس پلٹ سکے، وہ تفاخر سے مسکرائی تھی۔

"اس میں کوئی دو رائے نہیں ہیں نیلم کے تم بے پناہ حسن کی مالک ہو، مگر ایک بات یاد رکھنا، اصل حسن وہ نہیں جو نگاہوں میں جم جائے، بلکہ اصل حسن وہ ہوتا ہے، جو دل میں گھر کر جائے، کوشش کرو کہ اصل حسن بھی پیدا کرو۔"

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ہلکے پھلکے انداز میں ایک ترش بات کہہ گئی تھی اور پھر رکی نہیں تھی، وہاں سے واپس پلٹ گئی تھی، اب مزید کہنے سننے کے لئے رہ ہی کیا گیا تھا، اسے اتنی وحشت سی ہوئی تھی کہ وہ سب چھوڑ چھاڑ کر واپس پلٹ رہی تھی، جب اس کی زوردار ٹکر شاہ میر سے ہو گئی تھی، وہ گرتے گرتے سنبھلی تھی، اس منظر کو کئی نگاہوں نے دیکھا کہ شاہ میر نے اسے اپنی بازوؤں میں تھام نہ لیا ہوتا تو وہ زمین بوس ہو جاتی۔

"حواس کہاں گم ہیں تمہارے۔" شاہ میر نے بہت دنوں بعد اس سے اس طرح پرانے طرز پر بات کی تھی، وہ اپنے اندر نمکین آنسو لئے وہاں رکی نہ تھی، کمرے میں آ کر ہی دم لیا تھا، بستر پر ڈھے کر سارے آنسوؤں کو لگاتار تسلسل سے بہنے دیا تھا آج ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہ باب بھی ختم ہو گیا تھا۔

☆☆☆

منگنی کے بعد شادی کی تیاریاں زوروں پر تھیں گھر میں تو خوب رونق تھی، گھر میں ایک ساتھ ہی اتنی شادیوں کا فنکشن تھا اور وہ سب بے انتہا خوش تھے کہ گھر میں ایک ساتھ اتنی ساری خوشیوں نے دستک دی تھی، بڑی عورتیں سر شام کپڑے پھیلائے آپس میں مشورے کرتی پائی جاتی تھیں، پھر زیورات کے حوالے سے میچنگ کے لئے بھی سب غور و خوض کرتے تھے۔

"آؤ رشنا سب نے اپنے ملبوسات سے میچنگ کرتی جیولری پسند کر لی ہے تم بھی پسند کر لو۔" آنسہ بیگم نے محبت سے اپنی بیٹی کو دیکھا تھا۔

"جی امی جو آپ کو اچھا لگے وہی مجھے بھی پسند آ جائے گا، آپ ہی دیکھ لیں، پھر اتنی سمجھ بوجھ کہاں ہے مجھے۔" وہ آہستگی سے بولی تھی، یوں بھی اس کی پڑھائی ختم ہو چکی تھی، گھر میں ہی رہتی تھی اور سارا دن فراغت یا پھر کچن کے کام کرتی پائی جاتی تھی۔

"یہ بھلا کیا بات ہوئی تم خود پسند کرو، لڑکیاں کو تو بے حد شوق ہوتا ہے۔" ندرت بیگم نے اچنبھے سے کہا تو وہ خاموشی سے بیٹھ گئی تھی، وہاں سب ہی موجود تھے، نیلم، فاریہ، آنسہ، ندرت اور خود بی جان سب ہی وہاں تھے۔

"ویسے اپنی نیلم کو دیکھو کتنی اعلیٰ پسند ہے کتنا شوق ہے اس کو زیورات کا ایک ایک زیور پسند کا لیا ہے۔"

"یہ اس وقت کیا بات کی تم نے، وہ تو ماشاء اللہ دلہن ہے اور پھر ہر شے پسند کی ہی ہونی چاہیے، ویسے بھی کہاں اس نے یہ سب پہلے دیکھا پرکھا ہے، خیر سے رشنا تو برسوں سے اعلیٰ زیورات پہنتی رہی ہے۔" بی جان نے بھی باور کرواتے لہجہ میں کہا تو نیلم اپنی جگہ جزبز ہو کر رہ گئی تھی۔

وہ بھی میچنگ جیولری پسند کرنے کے بعد کمرے میں آ گئی تھی، جب دستک ہوئی تھی، دروازے پر ایستادہ شاہ میر کو دیکھ کر وہ تحیر زدہ رہ گئی تھی۔

"کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟" اس کا جی چاہا کہہ دے کہ اندر تو آ ہی چکے ہیں، مگر لب بستہ سی سر اثبات میں ہو گئی تھی۔

"کیا خفا ہو مجھ سے؟" یہ سوال پوچھ کر رہ خجل سا اپنے ہی بالوں میں انگلیاں گھسائے مضطرب سا لگا تھا، وہ کیونکہ اس کو دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"میں جانتا ہوں بچپن سے ہمارے نام ایک دوسرے کے ساتھ منسوب رہے ہیں، مگر تم میرے ساتھ سوٹ نہیں کرتی ہو، سنجیدہ سی رہتی ہو، مجھے تو ڈیشنگ لڑکیاں پسند ہیں، اس لئے جب میں نے نیلم کو دیکھا تو میرا نظریہ فکر تبدیل ہو گیا، دیکھو اس میں نہ تو تمہارا قصور ہے کہ جس نے میرے خواب بنے۔" وہ اور بھی بولنا چاہتا تھا جب رشنا نے ہاتھ کھڑا کر کے اسے مزید بولنے سے روک دیا تھا۔

"یہ آپ کو کس نے کہا کہ میں نے آپ کے خواب بنے تھے۔" وہ سخت نگاہوں سے اسے گھور رہی تھی، کہیں سے بھی دبو سی کمزور سی لڑکی نہیں لگ رہی تھی، محبت میں بھاری شکست خوردہ نہیں بالکل بے حد مضبوط لڑکی لگ رہی تھی۔

"میں نے بھی بچپن سے سن رکھا تھا، مگر یقین مانیں آپ کے نام نے میرے دل پر کبھی دستک ہی نہیں دی، میں نے آپ کو ہمیشہ اپنا کزن ہی سمجھا ہے، اس سے بڑھ کر میں نے کوئی بھی خواب اپنے دل تک نہیں آنے دیئے، یہ آپ کی خام خیالی ہے کہ مجھے آپ سے محبت ہے۔" وہ سرد لہجہ میں بولتی چلی گئی تھی اور وہ جو اپنی دانست میں اسے تشفی دینے آیا تھا اس نے سامنے ہونق بنا بیٹھا تھا۔

"اچھا پھر تو بہت اچھی بات ہے، مجھے نیلم نے بتایا کہ تم شاید میرے لئے پریشان ہو، مضطرب رہتی ہو اور مجھے قصوروار سمجھتی ہو، میرا دل اب ایکدم سے ہلکا پھلکا سا ہو گیا ہے۔"

وہ اب کتنے آرام سے اپنے کندھے پر رکھا ہوا بوجھ سرکتا ہوا محسوس کر رہا تھا، وہ انکاری تھی، مگر جانتی تھی کہ نیلم اسے مزید زچ کرنے اور تنگ کرنے پر تلی ہے، نا معلوم نیلم اپنی زندگی کی نا آسودگی کا بدلہ کیوں اس کی محبت کے بدلے یہ درد دے کر چکا رہی تھی۔

تبھی وہ باہر جانے کے لئے مڑ گیا تھا، اس نے جھوٹ نہیں بولا تھا، وقتی طور پر اسے درد محسوس ہوا تھا، کیونکہ اعتبار ٹوٹا تھا، مگر محبت کے وہ جذبہ شاید اس نے شاہ میر کے لئے کبھی محسوس ہی نہیں کیا تھا، اسی لئے اگلی شام کی بات ہے جب نیلم نے اس کا راستہ کاٹ لیا تھا۔

"کیا چکر چلا رہی ہو تم میں سب جانتی ہوں۔" نیلم کا لہجہ زہر خند تھا، وہ اسے دیکھ کر ساکن رہ گئی تھی۔

"میں سمجھی نہیں۔" وہ واقعی انجان تھی، اسے اس کے طرز تخاطب اور انداز دونوں پر تحیر ہو رہا تھا۔

"تم کیا جانتی ہو میری آنکھیں بند ہیں یا مجھے کچھ دکھائی نہیں دیتا ہے، کل میں نے شاہ میر کو تمہارے کمرے سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا تھا، ہنستا مسکراتا ہوا، مجھ سے اسے چھین لینے کی خواہش مند ہو، وہ میرا ہے سمجھی تم۔" وہ خونخوار نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی، لمحہ بھر میں رشنا سارا معاملہ بھانپ گئی تھی، تبھی اس نے ٹھنڈی سانس بھری تھی۔

"پہلی بات یہ کہ تم مجھ پر نہیں اپنے ہی شاہ میر پر شک کر رہی ہو، احتیاط کرنا یہ تمہاری آئندہ کی زندگی کے لئے اچھا نہیں ہوگا، کیونکہ شاہ میر میرا کزن ہے، ہم ایک گھر میں رہتے ہیں تو ٹکراؤ بھی ہوگا، دوسری بات شاہ میر میرے دل سے اسی دن اتر گیا تھا جب تم نے اس پر ہاتھ رکھا تھا میں دان میں دی ہوئی چیزیں واپس نہیں لیتی، بے فکر رہو۔" وہ اسے کہتی راستہ سے ہٹاتی وہاں سے چل دی تھی اور نیلم دم بخود اس کا نیا روپ ملاحظہ کر رہی تھی، یہ رشنا تو بالکل پہلی والی رشنا سے الگ سی تھی۔

☆☆☆

شادی کا فنکشن ہال میں رکھا گیا تھا، گھر میں خوشیوں نے اپنا سماں باندھ دیا تھا، سنبل بڑی بہو ہونے کے ناطے ادھر ادھر کے سارے کام نپٹانے میں مصروف تھی، فاریہ خیر و عافیت سے کاشان کی زندگی میں داخل ہو گئی تھی، تو دوسری طرف نیلم اور شاہ میر بھی زندگی کی نئی راہوں پر قدم رکھ چکے تھے، سرینا بھی ازمیر کے پورشن میں رخصت ہو کر آ گئی تھی۔

ندرت بیگم آج کل بہت نالاں رہا کرتی تھیں، انہوں نے جتنے اونچے خوابوں کا محل تعمیر کیا تھا، وہ سب نہیں ہو سکا تھا، نہ تو نیلم کے والد نے اس کی منگنی میں شرکت کی تھی اور نہ ہی اس کی رخصتی کے حوالے سے کسی قسم کی سرگرمی میں شرکت کے لئے جوش کا اظہار کیا تھا، بلکہ پچھلے کچھ دنوں سے ان کا رابطہ ہی منقطع ہو گیا تھا اور اخراجات کی مد میں جو دل کھول کر انہوں نے خطیر رقم صرف کی تھی، محض اس خیال کے تحت کہ نیلم کے والد نے کہا تھا کہ وہ چیک لکھ دیں گے، ایسا کچھ بھی نہ ہوا تھا، اگرچہ انہوں نے منگنی کے لئے کچھ رقم بھیجی تھی، مگر اس کے بعد سے مسلسل خاموشی اختیار کر لی تھی، وہ بھی نئے رشتے کے حوالے سے جھجک رہی تھیں اس لئے انہوں نے کھل کر نیلم سے کوئی باز پرس نہیں کی تھی، دوسرا وہ نہیں چاہتی تھیں کہ کوئی اپنی لالچی گردانے، اس لئے انہوں نے بظاہر تو خاموشی اختیار کر لی تھی مگر کسی دوسرے موقع کے لئے یہ بات رکھ لی تھی دل میں۔

عثمان صاحب اگرچہ بارہا اسے لفظوں ہی لفظوں میں باور کروا چکے تھے کہ کچھ لحاظ کرنے اور اس قدر بے دریغ فضول خرچی سے اجتناب برتے۔

"آپ بھی حد ہی کرتے ہیں میں اب اپنے بیٹے کی شادی میں خوش دلی سے خرچ بھی نہیں کروں گی، سب کیا سوچیں گے۔" ان کی بات پر وہ پرسوچ انداز میں سر ہلا کر رہ گئے تھے۔

"تمہاری بات بھی ٹھیک ہے مگر اپنی چادر دیکھ کر ہی پاؤں پھیلانا چاہیے، یہ سب ہمارے دونوں بھائیوں کی خون پسینے کی کمائی ہے اور آج کل میں ایک پروجیکٹ کو لے کر بے حد پریشانی میں مبتلا ہوں۔" فکر مندی عثمان صاحب کے چہرے سے عیاں تھی، ان کی شکل دیکھ کر پل بھر کے لئے خود ندرت بیگم بھی ساکن رہ گئی تھیں۔

"کیا بات ہے آپ کچھ زیادہ ہی فکر مند لگ رہے ہیں۔" ندرت بیگم نے تشویش زدہ لہجہ میں پوچھا تو وہ چپ کر گئے تھے، یہ ایک تلخ اور کڑوا سچ تھا کہ آج کل بزنس خسارے میں جا رہا تھا، اچانک ہی ایک دوسری پارٹی نے بروقت ان کا مال سپلائی کرنے سے منع کر دیا تھا، جس کی وجہ سے بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا تھا، ایک لمحہ کے لئے عثمان صاحب کے دل میں خیال ضرور آیا تھا کہ اپنی رفیق حیات کو ساری حقیقت حال سے لاعلم نہ رکھیں اور ساری بات من وعن بتا دیں، مگر

پھر یہ سوچ کر وہ خاموش ہو گئے تھے کہ شادی والا گھر تھا اور پھر اس طرح کی بات سے پورے گھر کی فضا میں کشیدگی پیدا ہو جانے کا سبب تھا۔

اب شادی تو ہو گئی تھی، مگر نیلم کے والد کی جانب سے کسی قسم کی مبارکباد یا تسلی آمیز فون نہ موصول ہوا تھا، یہ ایک تشویش ناک بات تھی، اب تو ندرت بیگم کو بھی فکر گھیرے ہوئی تھی، دوسری طرف نیلم زندگی کے اس حسین دور سے گزر رہی تھی، جس سے ہر لڑکی اولین دنوں سے گزرتی ہے، وہ خود کو خوش قسمت ترین تصور کرتی ہے یوں لگتا ہے وہ ہواؤں میں اڑ رہی ہو، دل کے دریچے میں گلاب کھلانے لگتے تھے، محبت کے اس نئے دور سے گزرتے ہوئے وہ کچھ مغرور سی ہو گئی تھی، انا تو یوں بھی اس میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی اور اب شاہ میر کی چاہتوں کی آڑ میں وہ خودسر بھی ہو رہی تھی۔

اس کا کام بس سجنا سنورنا اور اپنی ستائش وصولنا ہی رہ گیا تھا، گھر میں کیا ہو رہا ہے کون آ رہا ہے کون جا رہا ہے وہ ان سب سے قطعی بے خبر اپنی ہی حسین دنیا میں کسی اپسرا کی مانند ایستادہ تھی، مگر اس حسین خواب کو شاید ٹوٹنا بھی تھا سو ایک دن اس حسین خواب میں پہلی دراڑ اور پہلا ارتعاش ندرت بیگم نے برپا کیا تھا اپنی کرخت آواز سے۔

"کیا بات ہے نیلم تم تو بالکل ہی بدل گئی ہو، تمہارے تو شادی کے بعد رنگ ڈھنگ بھی بدل گئے ہیں، نئی زندگی میں صرف اپنے مجازی خدا کو ہی نہیں اس کے اہل خانہ اور ان کے مزاج کو بھی ساتھ لے کر چلنا پڑتا ہے۔"

ایک دن جب نیلم سر شام روزانہ کے معمول کے مطابق اپنے لئے لباس منتخب کرنے کے لئے الماری میں سر دیئے کھڑی تھی، جب ندرت بیگم نے پوچھا تھا، وہ ہڑبڑا کر پلٹی تھی اور گہری سانس لے کر رہ گئی تھی۔

"آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا ہے، آنٹی اور یہ کیا آپ کا موڈ کیوں آف ہے؟" اس نے ساری بات سن کر بھی ان سنی کر دی تھی، بالکل ہی نظر انداز کر گئی تھی۔

"تم کیا کرنے لگی ہو؟" ندرت بیگم نے بھی اب لہجہ کو سنبھال لیا تھا۔

"میں شاہ میر کے آفس سے آنے سے پہلے کوئی خوبصورت لباس منتخب کر کے فریش ہونے لگی تھی۔" اس نے آرام سے کہا تو ندرت بیگم کو تو جیسے پتنگے ہی لگ گئے تھے۔

"یہ سب بعد میں کرنا، ابھی فوراً کچن میں آؤ، سنبل کی طبیعت خراب ہے، کھانا بناؤ آ کر۔" انہوں نے ضبط سے کہا تھا، مگر یہ سن کر نیلم کی تو تیوریاں چڑھ گئی تھیں۔

"جی...... میں......؟ اور وہ فاریہ اور رشنا کدھر رہ گئی ہیں۔" وہ سخت خراب موڈ میں بگڑے زاویے کے ساتھ پوچھ رہی تھی۔

"فاریہ کا تو نام ہی نہ لو بی بی میری بیٹی اول روز سے ہی گھر گرہستی میں لگ گئی تھی، تم کمرے سے نکلو تو معلوم ہو نا، صبح اپنے خاوند کو ناشتہ بنا کر رخصت کرتی ہے تمہاری طرح کمرے میں پڑی نہیں رہتی ہے اور تمہیں بھی زمانے کی خبر نہیں ہے اور رہی بات رشنا کی تو وہ اس گھر کا ایک فرد ہے ملازم نہیں جس کو ہر کام کہہ کر ہم سب بری الذمہ ہو جائیں، دوپہر میں سارا کام اکیلے رشنا نے سنبھالا ہے۔" ان کا انداز جارحانہ تھا اور اشتعال انگیز انداز میں ہی گویا ہوئی تھیں۔

"یہ آپ کس طرز تخاطب سے میرے ساتھ ہم کلام ہیں؟" اس نے بھنویں اچکائی تھیں، شاہ میر کا لمحہ لمحہ جتاتا کہ وہ اس کی جان متاع تھے

اسے واقعی بے حد گھمنڈی بنا گیا تھا، وہ یہ بھی بھول گئی تھی کہ سامنے کوئی غیر نہیں اس کے مجازی خدا کی والدہ کھڑی ہیں۔

''جس طرز تخاطب کی تم حقدار ہو اور اب انداز درست کرو، مجھے زیادہ انتظار کرنا پسند نہیں جلدی آؤ کچن میں۔'' یہ کہہ کر ندرت بیگم رکی نہیں تھیں، غصیلے انداز میں وہاں سے چل دی تھیں۔

ماں اپنے بیٹے کی خوشی کو تو دیکھ کر خوش ہو جاتی ہے مگر وہ یہ ہرگز گوارا نہیں کرتی ہے کہ اس کی بہو بھی اسی درجہ مسرت محسوس کرے۔

ندرت بیگم کی اچانک آمد نے نیلم کا سارا پلان ہی چوپٹ کر دیا تھا، وہ ناک بھوں چڑھاتی کچن میں آئی تو وہاں ندرت بیگم اس کے لئے منتظر تھیں۔

''یہ ہری مرچ والا قیمہ بنا لو دم لگا کر، ساتھ میں بریانی بنا لو، دوپہر میں بھی سادہ سا کھانا کھایا ہے سب نے اور ہاں فریزر میں رشنا نے کباب بنا کر رکھے ہوئے ہیں انہیں تل لینا اور سلاد وغیرہ، میٹھے میں کھیر ٹھیک رہے گی، یوں بھی پہلی مرتبہ تو شادی کے بعد تم کچھ بنا رہی ہو۔'' وہ یہ سب کہہ کر رکی نہیں تھیں، ام حبیبہ ملازمہ کھڑی تھی، بطور ہیلپر مگر اس گھر کے اپنے ہی اصول و ضوابط تھے، گھر کی سبزی دال گھر کی خواتین ہی بنایا کرتی تھیں، اگرچہ اوپر تلے کے بیشتر کھاموں کے لئے ملازمہ موجود تھی۔

مگر بی جان کا کہنا تھا کہ اس طرح گھر سے برکت اٹھ جاتی ہے جب گھر میں کھانا بھی ملازماؤں سے بنایا جانے لگے، اس نے ناگواری سے ملازمہ کو دیکھا تھا اور غصے میں سارا کام خود ہی نمٹانے کھڑی ہو گئی تھی، اسے نکال باہر کیا تھا، جب شاہ میر گھر آیا اور اس کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا وہ تب تک تقریباً سارا کام نپٹا چکی تھی، مگر اس کا حلیہ ابتر ہو رہا تھا، اتنے عرصے کے بعد کام کرنے کی وجہ سے بدن ٹوٹنے لگا تھا، تھکاوٹ سی اتر آئی تھی، اس کے پورے وجود میں، غصے کی وجہ سے اس کا موڈ بھی بگڑا ہوا تھا، لاؤنج سے باتوں کی قہقہوں کی آوازیں آنے لگی تھیں، سب اہل خانہ وہاں جمع تھے، جب ملازمہ کچن میں وارد ہوئی تھی۔

''بی بی جی بڑی بی بی کہہ رہی ہیں کہ سب کے لئے چائے بنا دیں، مجھے کہیں میں چائے بنا دیتی ہوں نا۔'' ملازمہ نے مودب انداز میں کہا تھا، وہ صرف دیکھ کر رہ گئی تھی، اندر ہی اندر کلس رہی تھی، مگر گھور کر رہ گئی تھی۔

''ٹھیک ہے چائے بناؤ، میں کمرے میں جا رہی ہوں، سب تیار ہو چکا ہے۔'' وہ پھر کہہ کر رکی نہیں تھی کمرے میں آ کر دم لیا تھا، مگر اب اس کا سب کے پاس جانے کا بالکل بھی موڈ نہیں رہا تھا، وہیں تھکاوٹ سے بستر پہ لیٹ گئی تھی، پر نظر میں گھڑی کی سوئیوں پر ٹکی تھیں، وہ چاہتی تھی کہ شاہ میر آئے، اس کی تلاش میں مضطرب سا اور وہ اسے خود پر ہونے والے ظلم کی داستان سنائے۔

مگر اس کی یہ حسرت حسرت ہی رہی شاہ میر کمرے میں ہی نہیں آیا تھا، بلکہ اس کی بجائے ملازمہ آئی تھی۔

''بی بی جی کھانا لگ گیا ہے آ جائیں کھانا کھا لیں۔'' وہ مودب سی بول رہی تھی، جبکہ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ ملازمہ کا سر پھاڑ ڈالے۔

''جاؤ یہاں سے مجھے بھوک ہو گی تو میں خود ہی کھا لوں گی۔'' وہ سخت نروٹھے پن سے بولی تھی، ملازمہ حق دق اسے دیکھ کر رہ گئی تھی پھر واپسی کے لئے پلٹ گئی تھی۔

پھر اس کو ایک آس رہی کہ ابھی شاہ میر اس کی طبیعت ناسازی یا باہر آ کر کھانا نہ کھانے کا

سبب دریافت کرے گا یا پھر شاہ میر اس کی غیر موجودگی کو شدت سے محسوس کرے گا اور پھر اس کے بنا تو کھانا بالکل بھی نہیں کھائے گا، مگر ایسا کچھ بھی نہ ہوا تھا، جب وہ تھک چکی تھی تب شاہ میر کمرے میں آیا تھا، مگر اسے یکسر نظر انداز کرتا ہوا وہ سیدھا واش روم میں گھس گیا تھا، واپسی پر بھی نکلتے ساتھ ہی اسے نظر انداز کرتے ہوئے آرام سے آنکھیں موند کر بیڈ پر لیٹ گیا تھا، اب اس سے مزید صبر ممکن نہ رہا تھا، وہ زچ ہو گئی تھی۔

''کتنے مزے سے کھانا کھا کر آپ سوتے بن گئے ہیں ایک بار بھی نہ پوچھا کہ تم نے کھانا کھایا کہ نہیں اور آج ایسا کیا ہو گیا کہ نہ سلام نہ دعا اور یوں انجان بن گئے۔'' اس کے لفظ اتنے سخت نہ تھے جتنا سخت اس کا لہجہ تھا، شاہ میر نے اچانک ہی آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تھا، شاہ میر کی نگاہوں میں اجنبیت تھی، بیگانگی تھی، خفگی تھی۔

وہ پل بھر میں اب کا غصہ اس کا خراب موڈ جانچ گئی تھی، پھر بھی اس کے بولنے کی منتظر تھی، تبھی وہ سیدھا ہو بیٹھا تھا۔

''کیا ضرورت تھی تمہیں مام سے منہ زوری کرنے کی، کیا تھا اگر بنا بحث کے تم رات کا کھانا بنا لیتی، تمہارا اپنا گھر ہے، کسی غیر کا نہیں اول تو تمہیں خود اس بات کا احساس ہونا چاہیے تھا پھر اگر مام نے کہہ بھی دیا تو تم نے بحث کیوں کی، مجھے مام نے بتایا ہے کہ تم فاریہ سے اپنا موزانہ کیا ہے، فاریہ اس گھر کی بہو بعد میں بیٹی پہلے ہے، اس گھر میں پل بڑھ کر وہ جوان ہوئی اور بیاہ دی گئی، وہ اس گھر کا وہ فرد ہے جو ہمیشہ سے تھی، باہر سے نہیں آئی ہے، یہی وجہ ہے کہ بنا کہے وہ کاموں میں لگ گئی اسے احساس دلانا نہیں پڑتا وہ از خود اپنوں کا احساس کرتی ہے تم کو احساس بھی دلایا تو تم نے تیور دکھائے اور تم نے بے حسی کی انتہا کر ڈالی کہ تم نے کھانے سے ہی انکار کر دیا، تم جانتی ہو تمہارے اس عمل سے مجھے سب کے سامنے کتنی سبکی اٹھانی پڑی ہے، ایک وقت کا کھانا بنانا ہی میری بیگم کے لئے عذاب عظیم ٹھہرا، وہ جو تمام عمر ساتھ نبھانے کا عہد کرتی تھی۔'' وہ زود و رنج تھی، تحیر سے اسے دیکھتی رہی وہ پچھلے ایک ماہ سے جس شاہ میر کو دیکھ رہی تھی، جس کے ساتھ سنہرے پل گزرتے تھے، سرمئی شامیں گزری تھیں، یہ شاہ میر اس شاہ میر سے یکسر ہی مختلف انجان اور اجنبی لگ رہا تھا، وہ چاہ کر بھی مزید کچھ نہ کہہ سکی، اب مزید کہنے کا فائدہ ہی نہ تھا، وہ کہہ تو رہا تھا کہ بحث اسے پسند نہیں، تو پھر وہ مزید کیا صفائی میں کہتی، وہ بھی اس کے سوتے ہی لیٹ گئی تھی، دو گرم سیال آنسو اس کا چہرہ بھگو گئے تھے، شاید یہ کس کی آہ تھی، جو وہ اب رو دی تھی، کسی کی آہوں میں اس کا کل آنے والا تھا۔

☆☆☆

''سرمد بیٹا واپسی کا کیا ارادہ ہے؟'' عابد صاحب نے آج سرمد کو گھیر ہی لیا تھا، بہت عرصے سے ریحانہ نے باتوں میں اشارے کنائے میں اپنے مجازی خدا سے کہا تھا کہ وہ اپنے برخوردار سے پوچھیں کہ اس کے کیا ارادے ہیں، یہ سچ تھا کہ وہ اس کی وطن واپسی سے بے حد خوش تھیں، مگر ابھی سبرینا کی شادی میں اخراجات اٹھے تھے، سمیر حسین کے سسرال والوں کو دینا دلانا، اسد کی تعلیمی اخراجات کی مد میں خرچ ہونے والی رقم سب مل ملا کر ریحانہ بیگم کو بھی سوچنا تھا، اب ان کی آرزو تھی کہ اسد کی شادی بھی اس کی تعلیمی فراغت کے فوراً بعد کر دی جائے، نجانے کیوں ہر حوالے سے وہ سوچ بچار کر رہی تھیں اگر ایک خیال ان کے در دل پر

دستک نہ دے رہا تھا وہ اپنے بیٹے سرمد کی شادی کا خیال تھا وہ جانتی تھیں کہ اگر ایک بار کماؤ پوت بیٹے کو بیاہ دیا تو اس کی کمائی پر حق جتانے اس کی شراکت داری کرنے والی آ جائے گی، اس لئے وہ اس معاملے میں بالکل ہی چپ چاپ رہا کرتی تھیں اور اب اتنے دنوں بعد جبکہ سبرینا بھی اپنے گھربار والی ہو چکی تھی، وہ چاہتی تھیں کہ سرمد بھی دوبارہ کاروبار زندگی میں مصروف عمل ہو جائے۔

لیکن سرمد تو بالکل مطمئن سا تھا، آرام سے صبح جاگتا تھا، ناشتہ کرتا پھر اس کے بعد تھوڑی دیر ٹی وی دیکھتا، گھر کا سودا سلف لے آتا اور پھر سارا دن گھر کا ہو کر رہتا، اب چند دنوں میں وہ اس کی سرگرمیوں میں ایک نمایاں تبدیلی محسوس کر رہی تھیں، وہ صبح ناشتے کے بعد جو گھر سے جاتا تو پھر شام کو ہی واپس ہوا کرتی تھی، وہ پوچھتی تو کہتا۔

''اماں پرانے دوستوں سے ملنے چلا گیا تھا۔''

مگر ریحانہ بیگم بھی کھٹک سی گئی تھیں، ایک دن دو دن اب تو ہر دوسرے دن اس کا ہی معمول تھا اور واپسی کے لئے اس کا کوئی ارادہ ظاہر نہ ہو رہا تھا، وہ جانتی تھیں کہ وہ پوچھتیں تب بھی وہ انہیں بتا دیتا مگر وہ چاہتی تھیں کہ وہ کھل کر باپ سے اس بابت بات کرے، اس لئے انہوں نے عابد صاحب سے کہا تھا کہ وہ پوچھیں۔

''کیا بات ہے بابا جان میرا آرام آپ کو کھٹک رہا ہے کیا؟'' وہ ہنس دیا تھا۔

''ارے نہیں بیٹا ایسا کچھ بھی نہیں۔'' وہ خجالت سے بولے تھے، سمجھ نہیں آ رہا تھا کیسے پوچھیں۔

''بابا جان میں نے اب یہیں مستقل رہنے کا فیصلہ کیا ہے وہاں میرا دل نہیں لگتا تھا، اکیلا تھا، تنہائی تھی یہاں اپنا دیس ہے وطن ہے، وطن کی سوندھی مٹی کی مہک ہے میں اب واپس نہیں جانا چاہتا، میں چاہتا ہوں بس آپ سب کے ساتھ مل کر زندگی بسر کروں۔'' وہ اپنی ہی رو میں بولتا چلا گیا تھا، یہ دیکھے بغیر کے اس کے اس انکشاف کے بعد ریحانہ بیگم کا چہرہ فق ہو چکا تھا، روپے پیسے کی لت نے اب ان کے منہ کا ذائقہ بدل دیا تھا، اولاد کی محبت اپنی جگہ مستحکم تھی مگر وہ اب دوبارہ آرزوؤں کے لئے خود کو سسکتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی تھیں، دوبارہ غربت کے ہاتھوں زندگی کی آزمائشوں میں گرفتار ہونے کے لئے آمادہ نہ تھیں، اب جبکہ دولت نے ان کے آشیانے میں قدم رکھا تھا، ان کے ادھورے تشنہ خواب پورے ہوتے چلے گئے تھے، سبرینا کی شادی اور پھر اسد کی اعلیٰ تعلیم گھر کا حصول اور اب عابد صاحب کو بھی تو کسی قسم کے ذریعہ معاش کے لئے تگ و دو نہیں کرنی پڑتی تھی، سکون ہی سکون تھا، دوسروں لفظوں میں راوی چین ہی چین لکھتا تھا۔

''ارے یہ کہاں کی عقل مندی ہے دل کا کیا ہے لگ ہی جاتا ہے انسان کام کاج میں مصروف ہو تو پھر دل کا کیا سوچنا، پھر کون سا ساری عمر کے لئے تھے وہاں پردیس کاٹنا ہے چند برسوں کی بات ہے، اسد کی تعلیم مکمل ہو جائے، تب تک میں تم دونوں کی اکٹھے ہی شادی کر دوں گی، ابھی ہمیں تیری محنت و مشقت کی ضرورت ہے، اخراجات منہ کھولے کھڑے ہیں اور تو اب آرام کرنے کا سوچ رہا ہے۔'' ریحانہ بیگم تو ہتھے سے ہی اکھڑ گئی تھیں۔

''واہ اماں یہ ایک ماں کا جواب نہیں ہو سکتا، یقین نہیں آتا کہ ایک ماں اپنے بچوں میں یوں بعید بھاؤ بھی کر سکتی ہے، میں تب تک مشقت کروں دھوپ میں جھلسوں جب تک کہ اسد شادی کے قابل نہیں ہو جاتا، پڑھ لکھ کر اپنے

پیروں پر کھڑا نہیں ہو جاتا اور میں میرا کیا؟ کیا تب تک میرے خواب یوں ہی رلتے رہیں گے؟ کیا میں تب تک انتظار کی صلیب پر لٹکتا رہوں، کیا شادی اور خوشیوں پر میرا کوئی حق نہیں ہے، میں وہاں تنہائیوں کو گلے لگا لوں کیوں اماں؟ کیا یہ ناانصافی نہیں ہے۔'' وہ بس رو دینے کو تھا شاید، اس کا لہجہ تلخ ہو رہا تھا اور ماں کے انداز میں اس کے لفظ شادی کو سن کر ہی تیزی آ گئی تھی۔

''اوہ تو اب سمجھی یہ ساری کارگزاریاں محض شادی کے لئے ہیں، کوئی پسند آ گئی ہے کیا تجھے، بول بتا، کون ہے وہ چڑیل جو میرے سیدھے سادھے معصوم بچے کو غلط سلط پٹیاں پڑھا رہی ہے، بتا مجھے بتاتا کیوں نہیں۔'' ریحانہ بیگم ترشی سے بولی تھیں۔

''آپ کا مسئلہ میں سمجھ گیا ہوں آپ اس معاملے میں قطعی پریشان نہ ہوں کہ گھر کے اخراجات پورے نہیں ہوں گے، اس کے لئے میں نے حل تلاش کر لیا ہے، رہی بات میری پسند کی، وقت آنے پر وہ بھی بتا دوں گا آپ کو۔'' وہ مزید کچھ نہ بولا تھا، لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

☆☆☆

چراغ راہ بجھا کیا کہ رہنما بھی گیا
ہوا کے ساتھ مسافر کا نقش پا بھی گیا
میں پھول چنتی رہی اور مجھے خبر نہ ہوئی
وہ شخص آ کے مرے شہر سے چلا بھی گیا
بہت عزیز سہی اس کو میری دلداری
مگر یہ ہے کہ کبھی دل مرا دکھا بھی گیا
یہ غربتیں مری آنکھوں میں کیسی اتری ہیں
کہ خواب بھی مرے رخصت ہیں رتجگا بھی گیا

گھر کی فضا ایک دم ہی کشیدہ سی ہو گئی تھی، سب کے درمیان بھی سرمد کو یوں لگتا تھا جیسے وہ اجنبی ہو، وہ جو کسی اجنبی سے دیار سے اب اپنے وطن لوٹا تھا، اب اپنے ہی وطن میں اجنبی بن بیٹھا تھا، وہ جانتا تھا کہ حبیبن کو بطور خاص مشورے کے لئے بلوایا گیا ہے گھر کی کشیدہ فضا میں کیا کیا سازشیں جنم لے رہی تھیں وہ واقف تھا اور اس کے باوجود وہ چپ تھا، صبح بھوکا ہی نکل جاتا، اصل میں اس نے اپنا سارا بزنس سارا کاروبار بیرون ملک سے یہاں شفٹ کرنے کو ترجیح دی تھی، اس نے اپنا سارا کام وہاں سے وائنڈ اپ کر لیا تھا۔

شاید وہ اتنا بڑا فیصلہ نہ کر پاتا، مگر جب سے اس نے رشنا کو دیکھا تھا، اس اونچے گھرانے کی خوبصورت سی لڑکی کو پانے کا خواب اب اس کے لئے ایک چیلنج بن گیا تھا، وہ یوں خالی ہاتھ تو اس کا رشتہ نہیں مانگ سکتا تھا، وہ چاہتا تھا کہ پہلے اپنے آپ کو اس کے لئے قابل بنائے، پھر اس کے بعد اماں کو وہاں رشتے کے لئے باقاعدہ بھیجے۔

مگر اسے یہ جان کر دلی طور پر رنج پہنچا تھا کہ اماں تو اس کے یہاں رہنے کا سن کر ہی ناراض ہو گئی تھیں، ان کے انداز ایک دم بھی بیگانہ ہو گیا تھا۔

''میرا لال میرا بیٹا۔'' کہتے جن کی زبان نہ تھکتی تھی، اب ایک دم اس کے یہاں رہنے کا سن کر ان کی زبان سے ساری حلاوت ساری مٹھاس ہی ختم ہو گئی تھی۔

وہ رنجور سا تھا، اس کا اپنوں کے ہی اس طرح کے تلخ رویے سے اندرونی خلفشار تھا، وہ شدید مضطرب تھا، وہ گہری سوچ میں گم تھا کہ اس نے جو فیصلہ کیا کیا اس نے غلط سوچا کیا اس کا جی نہیں چاہتا کہ وہ اپنوں کی محبت کے سائے تلے جیون کے باقی تمام دن بسر کرے، زیست میں خوشیوں کو کشید کرے۔

"بھیا دیکھو ہم سب تمہارے بھلے کے لئے ہی کہہ رہے ہیں، یہاں رہو گے تو کیا کرو گے، کیا کماؤ گے، کیا مستقبل ہوگا، وہاں تمہارا درخشندہ مستقبل ہے، جو تمہارا منتظر ہے تم یہاں خود کو ہرگز برباد نہ کرو، ہم نے سب نے یہی سوچا ہے کم از کم چند سال تم وہاں ہی زندگی بسر کر لو، تاکہ اپنے روشن مستقبل کے لئے کچھ رقم جمع کر سکو، پھر سبرینا کی شادی میں جو قرض چڑھ گیا ہے اس کو ہم اتار سکیں۔" جبیں نے بھائی کو سامنے بٹھا کر اس کو قرینے سے اپنا اور سب اہل خانہ کا مطمع نظر واضح کیا تھا، قرض کا سن کر وہ بری طرح چونک گیا تھا۔

"قرض؟ کیسا قرض اور میں نے اب تک جو بھیجا وہ سب کیا ہوا، ایسا وقت آ گیا کہ آپ کو پھر سے قرض لینا پڑا اور مجھے تو کسی نے بھی اس بات کی مطلق خبر نہیں ہونے دی کہ قرض لیا گیا ہے۔" وہ تحیر سے دیکھتا رہ گیا، اور پریشانی اسی کے چہرے سے واضح طور پر عیاں تھی۔

"لو کرو اور بات یہ تو الٹا سوال کرنے لگا، ہم کیا بتاتے بچہ چار دن کے لئے آیا ہے یہ سوچ کر خاموش رہے اور بیٹا جی تم جو بھیجتے رہے ہو وہ سب ہمارے اپنے وجود پر تو نہ خرچ ہوا، سب اس گھر کو بنانے میں لگا، کیا اتنا اچھا گھر نظر نہیں آتا ہے اور پھر جبین کی شادی جس شاندار طریقے سے کی وہ سب اور اس کے بعد اسد کی تعلیمی اخراجات کا بوجھ، آئے دن کی فیس اور اب سبرینا کی شادی میں رقم کم پڑ رہی تھی۔" ریحانہ بیگم جو ایک جانب بیٹھی تھیں یہ سن کر دوبارہ بولنے لگ گئی تھیں، یہ سچ تھا کہ سرمد ایک معقول رقم ہر ماہ بھیجتا رہا تھا اور اس کے اعتبار سے اسے یہ گھر بہت معمولی سا لگا تھا، کشادہ تھا، مگر عالیشان نہیں، اس کی توقعات کے برعکس تھا، جیسا اس نے سوچا تھا ویسا نہ تھا پھر اس کے ساتھ اس نے سبرینا کی شادی کی غرض سے علیحدہ رقم جو جمع کی تھی وہ خرچ کی تھی، ساتھ بھیجتا بھی رہا تھا، بے تحاشا تحائف وہ خود وہاں سے لایا تھا، وہ تو اس وقت خاموش رہا کہ ماں اور بہنیں دل کے ارمان پورے کر رہی ہیں، مگر اب معلوم ہوا کہ یہ دل کے ارمان قرضے میں اسے ڈبونے کے بعد پورے ہوئے تھے۔

"تو یوں کہیں نا کہ پرتعیش زندگی کی لت لگ گئی ہے منہ کو، اب جتنا بھی ہو کم ہو جاتا ہے۔" وہ بے حد بدمزہ ہوا تھا، تلخی اس کے لہجے میں در آئی تھی، جبیں کو معلوم تھا کہ اب جو ریحانہ بیگم بولنے پر آمادہ ہوئیں تو معاملہ خراب ہو سکتا ہے تبھی ماں سے پہلے ہی بول پڑی تھی۔

"بہر حال جو ہونا تھا سو ہو گیا اب بات بڑھانے سے کیا حاصل؟ بہتر ہے کہ اب آئندہ کے لئے سوچا جائے، لائحہ عمل مرتب کیا جائے اور بہتر یہی ہے کہ تم باہر جاؤ، یہاں رہ کر سارے قرض نہیں اتر سکتے نہ ہی گھر کے اخراجات پورے ہونے کی توقع ہے۔" جبین نے لہجہ نرم ہی رکھا تھا، اسے معلوم تھا کہ گھر کا واحد کفیل اس کا بھائی ہے اس لئے اس سے منانے میں ہی بہتری ہے، بگاڑنے کی صورت میں خسارہ تھا اور اب خسارے کا سودا کیسے منظور ہو سکتا تھا۔

"میں آپ سب کو آخری مرتبہ کہہ رہا ہوں، دوبارہ میرے باہر جانے کا تذکرہ نہ ہو، میں نے جو طے کیا ہے اب اس پر عمل بھی کروں گا اور ہاں یہاں چند دن رہ کر میری آنکھیں سچ میں کھل گئی ہیں، روپے پیسے کی قدر آپ کہاں جان سکتے ہیں، کیا خیال ہے کہ وہاں میں نے روپے پیسے درختوں سے اتارے ہیں نہیں اپنے خون پسینے کی کمائی بھیجی ہے، اپنی جان لڑائی ہے، اپنا سکون تیاگ دیا ہے، راتوں کو بھی اوور ٹائم کیا ہے، تب جا کر اس قابل ہوا کہ بھیج سکوں بہر حال آپ

سب پریشان نہ ہوں میں جس طرح وہاں محنت کرتا تھا یہاں بھی کروں گا اور سارا قرض اتارنا میرا فرض ہے مگر میں اب کسی کو اپنی محنت کی کمائی کو بے دریغ لٹانے بھی نہیں دوں گا، ہر ماہ اپنی تنخواہ اماں کے ہی ہاتھ پر رکھوں گا۔" یہ کہہ کر اس نے سب کے چہرے دیکھے تھے، سب کے تاثرات بھانپ رہا تھا۔

"دوسری بات یہ ہے کہ میں نے اپنا آفس ورک یہاں شروع کیا ہے، آغاز ہے، اس لئے شاید اتنی کامیابی ایکدم نہ ملے، مجھے آپ سب کا ساتھ درکار ہوگا، میں چاہتا ہوں کہ کوئی خفا نہ رہے۔" اس نے بھی اب حتی المقدور اپنا لہجہ نرم کر لیا تھا، جو بھی تھا وہ ماں کو اور سب کو خفا نہیں کر سکتا تھا، سب سے محبت کا رشتہ تھا۔

"بیٹا میں ماں ہوں دعا ہی دوں گی۔" ریحانہ بیگم نے بھی اب اس کے فیصلے کو قبول کر ہی لیا تھا، جب بیٹا ایک بار فیصلہ کرے تو پھر جوان بیٹے کے سامنے ماں کو بھی ہمنوائی اختیار کرنی پڑھی جاتی ہے پھر بھی ان کے دل میں شک بیٹھ گیا تھا کہ ان سب کے پیچھے کچھ کارفرما ہے، دیر سویر پر وہ تو اٹھ ہی جانا تھا۔

☆☆☆

اسے مثبت سوچ رکھنے والے لوگ اچھے لگتے تھے، جو ہر رشتے میں اچھائی و خلوص رکھتے ہیں، وہ خود بھی بے حد مخلص تھی، تبھی ایک دوستی میں محبت کو ہار بیٹھی تھی اور اب تو اس نے لفظ محبت سے بھی نفرت کرنا سیکھ لی تھی۔

وہ اپنے آپ کو بہلانے کی خاطر انجانی سوچوں میں مگن رہتی تھی، کبھی تو کچن میں یا پھر اپنے کمرے میں رہتی تھی، اس کی کوشش ہوتی تھی کہ اس کا نیلم سے کم سے کم سامنا ہو، کیونکہ وہ نیلم کی سطحی ذہنیت سے بخوبی واقف ہو چکی تھی، اسے معلوم تھا کہ وہ محض اسے زچ کرنے کے لئے ہر طرح کے حربے آزمانے سے دریغ نہیں کرتی، ایک ایسا ہی دن تھا جب اس کو نیلم نے پکارا تھا۔

لاؤنج میں نیلم اور شاہ میر بیٹھے ٹی وی پر کچھ دیکھ رہے تھے نیلم شاہ میر کے پاس ہی صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی، خوب تیاری کے بعد نکھری سی لگ رہی تھی، خوبصورت تو وہ تھی ہی، جیسے ہی اس کی نگاہ وہاں سے گزرتی ہوئی رشنا پر پڑی اس نے اسے پکار لیا تھا۔

"رشنا بات سنو۔" نیلم کی آواز پر شاہ میر نے بھی ٹی وی اسکرین سے نگاہیں ہٹا کر ایک گہری نگاہ رشنا پر ڈالی تھی، روز اول کی طرح وہ سنجیدگی و وقار کا پیکر لگ رہی تھی۔

"جی فرمایئے۔" انداز بالکل اجنبیت لئے ہوا تھا، نیلم جانتی تھی کہ اب رشنا اور اس کے درمیان ایک ناقابل عبور فصیل کی باڑ کھڑی ہو چکی تھی، جسے اب وقت کی دھول بھی اڑا نہ سکتی تھی۔

"ہمیں چائے تو بنا دو، بچ ساتھ میں گرما گرم پکوڑے ہو جائیں تو کیا ہی کہنے سنا ہے کہ تم پکوڑے بہت مزے کے بناتی ہو، کیوں شاہ میر کہا تھا ناں آپ نے؟ مگر پہلے تو بنا فرمائش کے مل جاتے تھے آپ کو، ایسا ہی ہے ناں اب مسز آ گئی تو شاہ میر صاحب کی اہمیت ڈاؤن ہو گئی ہے۔" نیلم کا لہجہ تضحیک آمیز تھا، جس پر شاہ میر نے بھی سخت خفت محسوس کی تھی اور خود رشنا کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا عقب سے آنسہ بیگم نجانے کب آ گئی تھیں اور ساری بات سن بھی چکی تھیں، اس سے قبل کہ رشنا کچھ کہتی وہ بول اٹھی تھیں۔

"رشنا اس گھر کی ملازمہ نہیں ہے جو تم اس انداز سے اس سے مخاطب ہو دوسری بات اپنے من چاہے شوہر کی ناز برداریاں تم خود اٹھاؤ تو

بہتر ہے کیا محبت صرف لفاظی تک محدود رہ گئی ہے، منہ سے اعتراف محبت کرنا اور اگلے بندے کی پسند میں ڈھل جانا دو الگ الگ باتیں ہوا کرتی تھیں، تم کیسی بیوی ہو، جو صبح سویرے بہو کے بھیج دیتی ہو اور اب بھی بیٹھی حکم نامہ جاری کر رہی ہو، میں کہتی ہوں ندرت بھابھی سے اپنی بہو کو لگام دیں، جو زبان درازی کے سارے ریکارڈ توڑ رہی ہے۔" آنسہ بیگم کو تو یوں بھی وہ ایک آنکھ نہ بھائی تھی، اس کی وجہ سے ان کی اپنی بیٹی کی خوشیاں ادھوری رہ گئی تھیں اور اس پر بجائے احسان مند ہونے یا شرمندہ ہونے کے الٹا مذاق اڑایا جا رہا تھا، وہ یہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتی تھیں، شاہ میر کو بھی اب احساس ہوا تھا کہ وہ بہت غلط بول گئی ہے، تبھی معذرت کرنے لگا تھا۔

"میں معافی مانگتا ہوں چچی جان یہ تو نادان ہے۔" شاہ میر کا لہجہ ندامت سے پر تھا۔

"یہ نادان ہے مگر دودھ پیتی بچی نہیں جسے رشتوں کا لحاظ رکھنا نہ آتا ہو، بہرحال آئندہ تمہاری زبان پر میری بیٹی کا نام نہ ہو۔" آنسہ بیگم نے کہا تو نیلم کو شدید اشتعال نے گھیر لیا تھا۔

رشنا بالکل خاموشی سے وہاں سے آ گئی تھی، دل اداس تھا چلتے چلتے وہ ازمیر بھائی کے پورشن کی طرف نکل آئی تھی، زاہدہ پھپھو نے اسے آتے دیکھا تو گلے سے لگا کر بہت دیر تک پیار کرتی رہی دعائیں دیتی رہتی تھیں۔

"بہت کم آتی ہو آ جایا کرو۔" لان میں بہار ھولوں کو خیرہ کر رہی تھی، اس نے معطر ہوتی فضا و اپنی سانسوں سے اندر تک تحلیل کیا تھا، سبرینا ئے لے آئی تھی اور اب وہ ازمیر کو چائے کی لی تھما رہی تھی۔

ازمیر کے چہرے پر بہت اطمینان تھا، اس نے اس بے حد مکمل منظر کو جاذبیت سے دیکھا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے آج کل؟" ازمیر نے اسے مخاطب کیا تو وہ بھی پاس پڑی کین کی کرسی پر ٹک گئی تھی۔

"رشنا کو بھی چائے دو۔" پھپھو نے سبرینا کو مخاطب کیا تھا، سبرینا نے چائے کی پیالی رشنا کی طرف بڑھائی تھی، پھپھو اسے اصرار کر کے ایک ایک آئٹم پلیٹ میں ڈال کر پیش کرنے لگی تھیں، وہ بہت کم یہاں آتی تھی اور آج بھی قصداً نہیں آئی تھی، یوں بھی بلا ارادہ آ گئی تھی، سبرینا اسے گہری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی، مگر ان نگاہوں میں نفرت ہرگز نہیں تھی کچھ کھوجتی نگاہیں تھیں۔

تلاشتیں ہوئی اس کے اندر کا موسم جاننے کی تمنائی آنکھیں اور اسے پڑھنا کب آسان تھا، اس نے اپنی کتاب کے تمام صفحات اوروں کے لئے بند کر ڈالے تھے، خود کو ذات میں مقید رہنا اسے بے حد آسودگی دیتا تھا، خود سے خود تک کا سفر خود شناسی کا سفر کا تھا۔

تبھی اس نے پورچ میں گاڑی رکنے کی آواز پر چونک کر دیکھا تھا، سامنے سے گاڑی میں سے سرمد نکلا تھا، یہ تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا، اچانک بے تحاشا کوفت کو اس نے اپنے قلب و جاں میں سرائیت کرتا ہوا محسوس کیا تھا، وہ بشاش سا اندر داخل ہوتا سیدھا ادھر ہی آیا تھا، اس پر نگاہ پڑی تو نگاہوں میں محبت کی لہریں ٹھاٹھیں مارنے لگے تھے اور سرخوشی اس کی نگاہوں میں تیرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

"ارے ماشاء اللہ کیسا اتفاق ہے ابھی میں سبرینا سے تمہارے بارے میں ہی پوچھ رہی تھی۔" زاہدہ پھپھو نے اسے سر پر پیار دیا تھا، وہ

بالکل پاس والی کرسی جو رشنا کے دائیں جانب خالی تھی بیٹھ گیا تھا، رشنا کے دل میں اچانک ہی گھبراہٹ سی اٹھی تھی، اس کی کلون کی مہک نے اسے اپنے حصار میں لیا تھا۔

"میں بہت دنوں سے آنا چاہ رہا تھا مگر بس مصروفیات تھیں، سبرینا نے نہیں بتایا ہوگا کہ میں نے اپنا سارا بزنس بیرون ملک سے وائنڈ اپ کر کے یہاں از سر نو اسٹارٹ کرنے کا فیصلہ کیا ہے، اسی پر عمل پیرا ہوا ہوں اور اب دعاؤں کی اپیل ہے۔" وہ ہلکے پھلکے انداز میں بولا تھا اور پھر سبرینا کے چہرے پر رشنا کی نگاہ اٹھی جہاں ایک رنگ آ رہا تھا ایک جا رہا تھا، نجانے کیوں وہ گھبرا سی کیوں گئی تھی، ازمیر نے بھی حیرت سے سبرینا کو دیکھا تھا۔

"سبرینا نے تو ایسی کوئی بات نہیں بتائی، بہرحال اللہ کامیاب کرے آپ کو؟" ازمیر اپنی بیوی کی بدلتی رنگت سے معاملہ بھانپ کر بات سنبھال گیا تھا۔

"ہو سکتا ہے اسے بتانا یاد نہ رہا ہو۔" سرمد نے تبھی بات کا رخ تبدیل کر دیا تھا۔

"اور چائے پی جا رہی ہے اکیلے۔" اس نے قدرے بائیں طرف رخ کر کے کہا تو رشنا کو لگا جیسے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا ہو، تبھی سبرینا نے چائے کا کپ سرمد کو پیش کیا تھا، نجانے کیوں اس کا مزید وہاں رکنے کا بالکل جی نہیں چاہا تھا، اس لئے کپ خاموشی سے ٹیبل پر رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"اب میں چلتی ہوں۔" رشنا کا لہجہ بے حد سپاٹ تھا اور چہرے پر بھی گہری سنجیدگی مسلط تھی۔

"تھوڑی دیر تو بیٹھو تم کون سا روز آتی ہو۔" ازمیر نے حیرت سے پر لہجہ میں کہا تھا، مگر رشنا کا انداز قطعیت بھرا تھا۔

"نہیں پھر آؤں گی۔" وہ کہتے ہوئے واپس پلٹ گئی تھی اور رشنا کو اپنی پشت پر سرمد کی پرسوچ نگاہیں تادیر محسوس ہوتی رہی تھیں جب تک وہ اپنے پورشن میں نہیں آ گئی تھی۔

☆☆☆

وہ گھر میں جیسے ہی داخل ہوا تھا، اسے گھر میں گہری خاموشی محسوس ہوئی تھی اور وہ چونک پڑا تھا، سامنے ہی جبیں اور ریحانہ بیگم گہری سوچ میں گم تھیں۔

"آؤ رک کیوں گئے ہم تمہاری ہی بات کر رہے تھے۔" جبیں نے چہرے پر مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے کہا تھا، وہ گہری سانسیں لے کر ان کے سامنے ہی پڑے ہوئے موڑھے پر ٹک گیا تھا۔

"کیا بات ہے ایسا کیا ذکر خیر ہو رہا تھا میرا۔" سرمد نے قدرے تعجب سے دیکھا تھا۔

"یہ دیکھو۔" جبین نے ایک لفافہ کھول کر اس میں سے کئی خوش رنگ سی تصاویر اس کے سامنے لہرائی تھیں، وہ تصاویر تھامے کبھی بہن کو اور کبھی تصاویر میں بھانت بھانت کے چہروں والی لڑکیوں کی مسکراہٹ ملاحظہ کر رہا تھا اسے بالکل سمجھ نہ آ رہی تھی کہ جبیں کن لڑکیوں کی تصاویر اس دیکھا رہی ہے، تعجب اس کے انداز میں نمایاں تھا۔

"مجھے واقعی افسوس ہے کہ میں بہن ہو کر اپنی ہی دنیا میں مگن رہی، اپنے چہیتے لاڈلے بھائی کے ارمانوں کا سوچا ہی نہیں، مگر اب میں نے طے کر لیا ہے تمہاری شادی پوری شان و شوکت سے دھوم دھام طریقے سے کی جائے گی اور تم بس آرام سے ان لڑکیوں میں سے کسی ایک کو منتخب کر لو، ساری بہت اعلیٰ تعلیم یافتہ اور

خوشحال گھرانے سے ہیں، سب کو میں نے پسند کیا
ہے مگر کسی ایک پر انگلی رکھ کر آخری حامی تم نے ہی
تو بھرنی ہے میرے بھائی۔'' جبیں کی بات پر وہ
ہونق سا رہ گیا تھا اور ماں کے چہرے کو دیکھنے لگا
تھا، جہاں جبیں کی بات سے سو فیصد اتفاق رائے
لکھا ہوا تھا، یہی فیصلہ کی گھڑی تھی، اسے ابھی بھی
فیصلہ کرنا تھا، مگر بعد میں اس کے لئے دشواری ہو
سکتی تھی۔

''امی آپی میں ان میں سے کسی بھی لڑکی کو
اپنا جیون ساتھی نہیں بنانا چاہتا ہوں، میری شادی
کی فکر چھوڑ دیں، اگر فکر ہے ہی تو میری خوشی میں
خوش رہنا سیکھیں، میں نے اپنی عمر کا ایک حصہ
آپ سب لوگوں کی خوشی میں گنوا دیا اور آج جب
میرے دل نے ایک آرزو کی ہے آپ سب نے
اسے بالکل ہی غیر اہم جانا ہے، میری اتنی سی التجا
ہے کہ آج جب میرے دل نے ایک لڑکی کا
ساتھ مانگا ہے آپ اس لڑکی کو قبول کر لیں بنا کسی
بغض کے عداوت کے، کیونکہ مجھے وہ لڑکی ہر
صورت اپنانا ہے، اپنی زندگی کا حصہ بنا کر رہنا
ہے۔'' سرمد کا لہجہ دوٹوک تھا اور ماں اور بیٹی ایک
دوسرے کو دیکھ کر رہ گئی تھیں، سمجھ سے بالاتر تھا کہ
آخر وہ کیوں نہیں سمجھ پا رہی تھیں ان کا اپنا ہی
لخت جگر ایک لڑکی کی آرزو کر بیٹھا تھا، یہ وقتی
جذبات یا کسی بہاؤ کے تحت نہ تھا بلکہ یہ اس کے
دل کا معاملہ تھا اور اس نے دل کے ہاتھوں مجبور
ہو کر ہی اس وقت اپنے دل کا مدعا ماں اور بہن
کے گوش گزار کیا تھا۔

''رشنا ایک سلجھی ہوئی لڑکی ہے تہذیب یافتہ
تعلیم یافتہ اور میری پسند کے عین مطابق ہے،
آپ کو صرف مناسب وقت پر اس کا رشتہ لے کر
جانا ہے اس کے علاوہ تو کوئی تقاضا بھی نہیں ہے
میرا۔'' سرمد ماں اور بہن کو گہری سوچ میں گم دیکھ
کر مزید بولا تھا۔

''ٹھیک ہے جبین جب اس نے ماں اور
بہن کو ایک طرف کھڑا کر ہی دیا ہے تو اب کس حق
سے ہم کچھ کہیں، تم سب تصاویر کل ہی جو کو واپس
لوٹا دو اور اب اس موضوع کو یہیں ختم کر دو۔''
ریحانہ بیگم کا موڈ قدرے خراب سا تھا اور سرمد
گہری سانسیں لے کر رہ گیا تھا، یہاں مزید بحث
کا کوئی فائدہ نہ تھا، اس لئے اس نے خاموشی کو
بھی غنیمت جانا تھا اور جبین نے ساری تصاویر
واپس لفافے میں ڈال دی تھیں۔

☆☆☆

محبت کب سمجھتی ہے
کہ کوئی توڑ ڈالے گا
محبت کب سمجھتی ہے
کہ کوئی وحشت دشت ہے
جو خوابوں میں بسی
آنکھوں کو جانے کب
جھنجوڑ ڈالے گا
محبت کب سمجھتی ہے
کہ جو شفاف رستے ہیں
درمنزل پہ رکتے ہیں
تھکن تحقیر نہیں دیں گے
کہیں بھٹکا نہیں دیں گے
محبت کب سمجھتی ہے
کہ ان شفاف رستوں سے
کوئی دکھ نہ موڑ ڈالے گا
محبت کب سمجھتی ہے
کہ کوئی توڑ ڈالے گا

نیلم اس کو نیچا دکھانے کا کوئی بھی موقع ہاتھ
سے جانے نہ دیتی تھی، اس کے منظر پر آنے کے
بعد بھی نجانے اسے شاہ میر سے کون کون سے
التفات کا اظہار کرنا یاد آنے لگتا تھا، مگر وہ بہت

سخت جان بن چکی تھی، آنسہ بیگم نے بلوا بھیجا تھا،
وہ ان کے سامنے کمرے میں مودب کھڑی ہوئی
تھی، آج آنسہ بیگم کے چہرے پر تفکر کے سائے
نہیں تھے بلکہ سرخوشی کی کیفیت تھی۔

''ماشاء اللہ میری بیٹی کے بخت بہت ہی
بلند ہوں گے، تم شام کو تیار رہنا، سارے کام میں
خود دیکھ لوں گی، تم ایسا کرو ہو سکے تو پارلر کا چکر
بھی لگا آؤ۔'' ان کا موڈ بے حد خوشگوار سا تھا، وہ
تحیر زدہ ان کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

''تمہیں دیکھنے کے لئے آج لوگ آ رہے
ہیں، تمہیں بس اچھا سا تیار ہو کر ان کے سامنے آ
جانا ہے، باقی سارے معاملات میں سنبھال لوں
گی۔'' وہ پرسوچ سی واپسی کے لئے مڑ گئی تھی۔

''رکو ابھی میری بات مکمل کہاں ہوئی ہے وہ
جو فیروزی سوٹ ہے ناں نگوں والا وہ تم پہننا اور
ہلکا سا میک اپ بھی کر لینا۔''

وہ جانتی تھی کہ آنسہ بیگم ایک ماں تھیں، ان
کے محسوسات اور تفکرات کا اسے بخوبی اندازہ ہو
رہا تھا، ماں کے لئے اپنی بیٹی کو دوسرے گھر میں
آسودہ حال دیکھنا ہی سب سے بڑی خوش ہوا
کرتی ہے، وہ پرسوچ انداز میں واپسی کے لئے
مڑ گئی تھی، اسے پارلر تو جانا نہیں تھا، مگر الماری میں
سر دیئے انجانی سوچوں میں گھری ہوئی اپنا لباس
ضرور نکال کر پریس کرنے لگی تھی، اسے ماں کی
اس طرح کی خوشی کا کوئی بھی سرا نہیں مل رہا تھا۔

بھلا خوش ہونے کا کیا جواز تھا، ابھی تو
رشتے کی غرض سے وہ لوگ آ رہے تھے، بھلا ہاں
کب ہوئی تھی اور اس کے بعد کیا گارنٹی تھی کہ وہ
اسے دیکھتے ہی پسند بھی کر لیتے، حتیٰ کہ شام کو وہ
تیار ہو کر آئینے کے سامنے اپنا ہی عکس دیکھ رہی
تھی، خوبصورتی پر جیسے گرہن سا لگ گیا تھا، ورنہ
نین نقش تو وہی تھے، جو اس کے اپنے تھے اور
ہمیشہ سے ہی دوسروں کی توجہ کا مرکز رہے تھے،
اس نے بال بنائے اور اماں کا آرڈر یاد آنے پر
ہلکی سی پنک لپ اسٹک بھی لگا لی تھی، اس سے
زیادہ وہ کرنے کا نہ تو تصور کر سکتی تھی اور نہ ہی اس
کا جی چاہ رہا تھا، تبھی آنسہ بیگم نے اسے کمرے
میں جھانک کر دیکھا تو وہ چونکی تھی اور اس کے بعد
آنسہ بیگم کے ہمراہ ہی ڈرائنگ روم تک آئی تھی،
یہاں آ کر اس کا سارا تحیر اڑن چھو ہو گیا تھا۔

سرمد کی والدہ اور بہن وہاں تھیں اور وہ ان
کو جانتی تھی ان کے لئے سرے سے انجان تو نہ
تھی اور یوں بھی شادی پر ان سے ملاقات ہو چکی
تھی۔

آناً فاناً ہی رشتہ طے ہو گیا تھا اور پھر آنے
والے جمعے کو نکاح کا بھی طے ہو جانا سب ایک
دلفریب خواب کی مانند لگ رہا تھا، ایک ایسا
خواب جس کی تعبیر بھی مل تو رہی تھی، مگر اب تو اس
کی نگاہوں نے خواب بننا ہی چھوڑ دیا تھا، وہ اب
زندگی کے حقائق کو گلے لگا چکی تھی، نکاح کے
ساتھ ہی طے شدہ تھا کہ ایک ماہ بعد شادی ہو گئی۔

گھر میں جہاں اپنوں کے دلوں میں خوشی
کی لہر اٹھی تھی، وہاں پر کچھ غیروں کو جو اس کے
ساتھ حسد کینہ پالے رکھتے تھے، ان کو شدید
حیرت اٹھی۔

کچھ حسد ان کے دلوں میں آ گیا تھا کہ وہ تو
تمنائی تھے کہ وہ یونہی روتی رہے، مگر ہر وقت تقدیر
بدلتی ہے، ہمارے اعمال بھی ہمارے سامنے آ
جاتے ہیں یہ دنیا مکافات عمل ہے۔

ریحانہ بیگم نے اس کو اوپری دل سے ہی
سہی قبول کر لیا تھا، نکاح کی تقریب میں وہ خوش
تھیں، جو بھی تھا ان کے لخت جگر کی خوشیوں بھرا
دن تھا، انہوں نے رشنا کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا
دی تھی اور رشنا کو سرمد کے ساتھ بٹھا دیا گیا تھا،

نکاح کے بعد اور تصاویر فوٹو سیشن کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔

سرمد نے ایک نظر اس پر ڈالی تھی، جو صم بکم بیٹھی ہوئی تھی، نظریں جھکائے ہوئے لرزیدہ پلکوں سمیت شاہ میر اور نیلم بھی اس تقریب میں مارے باندھے بیٹھے تھے، شاہ میر نے جس خوبصورت لڑکی کو ٹھکرا دیا تھا آج وہ کسی اور کے نام سے منسلک ہو چکی تھی، شاہ میر کے دل میں نجانے کیوں افسوس در آیا تھا، ملال سا گھر گیا تھا اور خود نیلم کو یہ دیکھ کر سخت طیش آ رہا تھا کہ اسے ہر حال میں ہی اچھا شخص ملنا تھا سوچ کر رہا تھا۔

سرمد لاکھوں میں ایک تھا، کماؤ پوت اور وجیہہ صورت سب سے بڑھ کر اس کا بے حد محبت اور چاہت سے رشنا کا ہاتھ کا مانگنا اور رشنا کا ساتھ چاہنا یہ سب نیلم کے لئے اذیت ناک تھا، نجانے اسے رشنا کو دکھ دے کر کیا ملتا تھا۔

سنا تھا کہ سرمد نے یہاں اپنا کاروبار شروع کیا تھا، اس نے تمام جمع پونجی یہاں کاروبار پر لگا دی تھی اور اسی کی محنت جانفشانی تندھی کا نتیجہ تھا کہ اس کا کاروبار زوروں پر چل نکلا تھا اور نیلم کو یہ گوارا کب تھا کہ رشنا کی خوشیوں کو لوٹنے کے بعد اس کی خوشیوں کو دوبارہ اس سے بھی دوگنا دیکھے، اس کے اندر آگ سی بھرنے لگی تھی، تعصب کی آگ۔

وہ ہر حال میں رشنا کو ناخوش دیکھنے کی تمنائی تھی، بار بار سرمد کا رشنا کو والہانہ نگاہوں سے دیکھنا اس کی ساس کا رشنا کے رنگ وروپ کو سراہنا سب اسے سخت برا لگ رہا تھا اور اس کو نہ چاہ کر بھی یہ تقریب اٹینڈ کرنا تھی کہ یہ گھریلو فنکشن تھا، جہاں اس کا کوئی عذر اور کوئی بہانہ نہیں چل سکتا تھا۔

☆☆☆

نکاح کے بعد شادی کی تیاریوں کا سلسلہ چل نکلا تھا، گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی، نیلم دیکھ رہی تھی کہ رشنا کی شادی کی تیاری نہایت اعلیٰ پائے کی تھی۔

سرمد کے گھر والوں کی جانب سے آنے والے ملبوسات بھی بے حد نفیس تھے، ایک سے بڑھ کر ایک، سرمد کی پسند کے مطابق بھی ہر شے خریدی جا رہی تھی، رشنا نے اپنے نصیب کا ہر فیصلہ رب العالمین پر چھوڑ دیا تھا اور پھر رب پر جو فیصلہ سپرد کر دیا جائے تو پھر وہ کہاں اس میں کمی بیشی کرتا ہے وہ دونوں ہاتھوں سے نواز رہا تھا اور وہ اپنے رب کی کرم کی بارش میں بھیگ رہی تھی، رشنا کے چہرے پر پھیلی یاسیت نے آسودگی کی جگہ لے لی تھی۔

☆☆☆

رشنا کو اماں نے کہا تھا کہ شام کو تیار رہنا سرمد نے زیورات کے لئے اسے اپنے ہمراہ لے جانا ہے، وہ بوکھلا سی گئی تھی، سرمد سے اسے بے پناہ جھجک سی محسوس ہوئی تھی، وہ نجانے اب نکاح کے بعد بھی اس کا سامنا کرنے سے کترانے لگی تھی، گھبراتی تھی اس کا سامنا کرنے سے، مگر اب انکار کا کوئی جواز بھی تو نہیں تھا اور وہ انکار کرتی بھی کیوں اسی نے الماری میں سر دیئے اپنا لباس منتخب کرنا شروع کیا تھا اور پھر ایک لباس اس نے منتخب کر ہی لیا تھا، وہ خوش رنگ خواب بننے لگی تھی اور تیار بھی دل سے ہوئی تھی، وہ باہر لاؤنج میں بیٹھی سرمد کا انتظار کر رہی تھی جب وہاں سے نیلم کا گزر ہوا تو رشنا کو اس قدر نک سک سے تیار دیکھ کر ٹھٹک سی گئی تھی، آج بھی اگر رشنا تیار ہوتی تو نیلم پر بھاری پڑتا تھا اسی کا حسن۔

یا شاید اس کا اپنا ہی احساس کمتری تھا جو بار بار سر ابھار رہتا تھا۔

''کیا بات ہے کہیں جا رہی ہو کیا؟'' نیلم نے سرسری انداز اپنانے کی حتی الوسع کوشش کی تھی، مگر اس کا لہجہ پر تجسس ہی تھا اور اس میں کرید بھی تھی۔

''ہاں سرمد آ رہے ہیں ناں زیورات منتخب کرنے ہیں۔'' وہ واقعی خوش سی تھی، اس لئے بہت دن بعد اس نے مسکرا کر جواب دیا تھا، یوں بھی اس نے اب دل سے تمام گلے شکوے مٹا ڈالے تھے، اس کا دل اب نیلم کی جانب سے صاف تھا، زندگی نے اس کے دکھوں کے بعد اس کو بہت سی خوشیوں سے بھی دوچار کیا تھا۔

''اچھا مجھے تم سے کچھ کام تھا۔'' اچانک ہی نیلم کی بات پر وہ چونک گئی تھی۔

''اس دن تم نے جو فیروزی سوٹ پہنا تھا اس کا دوپٹہ مجھے چاہیے، میرے ایک لباس کے ساتھ بہت میچ کرتا ہے۔'' نیلم نے لجاجت سے کہا تو وہ حیران رہ گئی تھی کہ اب ان میں ایسا کوئی تعلق نہیں رہا تھا کہ وہ اس کی کسی بھی فرمائش کو پورا کرتی مگر اب مروت بھی کسی چڑیا کا نام تھا اور مروت تو اسی میں یوں بھی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، انکار کا بھلا کیا جواز تھا، اس نے تو اپنا منگیتر ہی اسے دان کر دیا تھا پھر اس سب کی کیا حیثیت تھی۔

''ٹھہرو وہیں لا دیتی ہوں۔'' وہ اٹھ کر کمرے میں چل دی تھی، تبھی نیلم نے سرمد کو دوسرے پورشن سے آتے دیکھا تھا، وہ شاید پہلے دوسری طرف چلا گیا تھا۔

''السلام علیکم کیسے ہیں بھائی؟'' نیلم نے خوش اخلاقی سے پوچھا تھا، سرمد نئے رشتے کے حوالے سے خوش تھا اور ان سارے رشتوں کو نبھانے کا ارادہ رکھتا تھا، تبھی اس نے بھی مسکرا کر سلام کا جواب دیا تھا۔

''مجھے بہت زیادہ خوشی ہے رشنا کی اس نے پہلے تو وہ بالکل ذہنی مریضہ جیسی ہو گئی تھی، شاہ میر کی محبت میں گوڈے گوڈے ڈوبی ایک مرتبہ تو اس نے جان تک دینے کی کوشش کر ڈالی تھی مگر خدا نے بچا لیا۔'' سرمد تحیر زدہ یہ سب سن رہا تھا۔

''جی۔'' وہ کچھ بول ہی نہیں پا رہا تھا، اس نے تو کبھی اس طرح سوچا بھی نہ تھا، یہ سچ تھا کہ رشنا کا اس کے ساتھ رویہ بالکل اجنبیوں جیسا ہی تھا، مگر وہ اس کو ایک فطری جھجک پر محمول کرتا تھا، مگر اس فطری جھجک کے پردے کی اوٹ میں یہ سب تھا اس کا اس کو قطعی ادراک نہ تھا۔

''جی جی میں کیا کروں یہ تو نصیب کی بات ہے ناں کہ شاہ میر مجھے چاہتے ہیں تو شادی بھی مجھ سے ہی ہو گئی، مگر وہ تو بچپن سے شاہ میر کو چاہتی تھی، اس بات کا ثبوت تو ہر جگہ سے خاندان سے مل جائے گا کسی سے بھی پوچھ لیں۔'' وہ روانی میں تیز تیز بول رہی تھی، مگر لہجہ بے حد دھیما سا تھا تاکہ کوئی اور اس کی یہ لب کشائی نہ سن لے، مگر وہ جس شخص تک اپنے خیالات اور اپنی ہی بنی ہوئی سازش کے تانے بانے پہنچانے کی تمنائی تھی اس تک پہنچا ہی چکی تھی، اسی وقت رشنا کمرے سے نکلی تھی سرمد کو دیکھ کر ٹھٹک سی گئی تھی۔

سرمد نے دیکھا کہ وہ آج عام کے دنوں سے زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی، مگر اب سرمد کا دل جیسے بجھ سا گیا تھا، وہ جس جوش وخروش کے ساتھ یہاں آیا تھا وہ سب جیسے ایک دم جھاگ کی مانند بیٹھ چکا تھا اور اس کا دل ایک دم چاہ اٹھا تھا کہ سب اسے اکیلا چھوڑ دیں، مگر وہ تو تیار کھڑی اس کے لئے منتظر تھی، وہ چار و ناچار اس کو ساتھ لے گیا تھا۔

وہاں بھی سرمد بالکل چپ تھا جبکہ وہ تو ویسے ہی نہیں بولتی تھی، اس کو اس قدر خاموش دیکھ

کہ رشنا کو ہی پہل کرنا پڑی تھی۔

"یہ کیسا رہے گا؟" اس نے ایک بے حد نفیس اور دیدہ زیب سیٹ کی طرف اشارہ کیا تھا، سرمد نے چپ چاپ وہ پیک کروا کر اسے تھما دیا تھا اور واپسی کا سفر بھی بے حد خاموشی سے کٹا تھا، نجانے کیوں کچھ چھن سے رشنا کے اندر ٹوٹ سا گیا تھا، کیا واقعی سرمد اسے چاہتے ہیں، نہ تو اسے دیکھ کر ان کی نگاہوں میں کوئی محبت کی جوت جلی تھی اور نہ ہی سرخوشی تھی، وہ اداس سی گھر آ گئی تھی۔

☆☆☆

زندگی میں انسان جیسا سوچتا ہے ویسا نہیں ہوتا ہے انسان بسا اوقات بہت ذہین بنتا ہے ہر طرح کے پینترے استعمال کرتا ہے تدبیریں کرتا ہے چال چلتا ہے مگر جب رب العالمین کوئی فیصلہ کر دے تو اس کے ایک کن کے سامنے ساری تدبیریں ہیچ ہو جاتی ہیں جیسا کہ اسی وقت ہوا تھا۔

نیلم نے پہلے تو شاہ میر پر نگاہ رکھی، مجسم حسرت کو حقیقت کا روپ بنا کر شاہ میر سے رشتہ ازدواج باندھ لیا گھر میں ایک جگہ بنا لی در در کی ٹھوکروں سے بچ گئی، مگر یہاں بھی دن رات ندرت بیگم کے طعنے اس کا مقدر بن چکے تھے، شاہ میر بھی اب جیسے اس سے اکتانے لگا تھا اور جس ہیرے کو اس نے گنوا دیا تھا اب ایسے اس ہیرے یعنی رشنا کی قدر و قیمت کا احساس ہونے لگا تھا۔

یہاں بھی اب نیلم اپنی سازشی طبیعت سے بعض نہ آ سکی تھی، اس نے یہاں بھی چال چلی تھی، کچھ دن تو سرمد پریشان رہا اور پھر ایک شام اس نے سوچا کہ شادی سے پہلے ایک بار بجائے اطراف سے معلوم کرنے کے کیوں نہ یہ بات وہ رشنا سے خود معلوم کر لے۔

اس لئے اس نے رشنا کو اکیلے کسی پارک میں بلایا تھا یہ کہہ کر کہ وہ گھر میں کسی سے اس بات کا تذکرہ نہ کرے پارک گھر سے بالکل قریب ہی تھا، سو مقررہ وقت پر وہ اور سرمد وہاں تھے سرمد کیا کہنا چاہتا ہے کیا بات کرنا چاہتا ہے، اس بات کی بے کلی بہت دنوں سے خلش بن کر اس کے اندر سر ابھارتی رہی تھی، مگر آج وہ معمہ حل ہی جانا تھا تب وہ دونوں وہاں ایک کونے والی بینچ پر بیٹھے ہوئے اپنے اطراف میں بچوں کو فٹ بال سے کھیلتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

"رشنا میں ایک بات بالکل واضح کر دوں، میں اردگرد کی سنی سنائی پر یقین کرنے سے پہلے مناسب سمجھتا ہوں کہ اس انسان سے براہ راست بات کر لوں جس کے حوالے سے وہ بات کی جائے میں نے بہت کچھ سنا تھا مگر اب اس کی میرے نزدیک کوئی وقعت نہیں مگر محبت میں دل میں ملال آ جائے ناں تو محبت کی خوبصورت عمارت کو زمین بوس ہو جانے میں لحہ نہیں لگتا ہے۔" وہ کہتے کہتے لحہ بھر کو رکا تھا اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے جہاں تاثرات پل پل میں تغیرات پذیر تھے۔

"آپ میرے اور شاہ میر کے حوالے سے کچھ کہنا چاہتے ہیں تو گھما پھرا کر مت پوچھیں براہ راست پوچھیں۔" اب کے رشنا نے اس کی نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر مضبوط لہجہ میں کہا تھا۔

"شاہ میر میرے نزدیک مٹی کے ایک تودے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا ہے جو کسی بھی جگہ ہو، جہاں بھی ہو، میرے لئے بالکل بے وقعت ہے۔" اس کا لہجہ اس کے الفاظ کا آئینہ دار تھا۔

"جانتے ہیں سرمد میں نے رشتوں کو پل پل بدلتے دیکھا ہے، سوائے میری ماں کے رشتے کے، اس رشتے میں منافقت نہیں طلب نہیں اور کوئی بھی بناوٹ نہیں ہے۔" وہ دلگیر لہجہ میں بولتی ہی چلی گئی تھی۔

"مجھے نیلم سے کوئی شکوہ نہیں کہ اس نے شاہ میر کو اپنا لیا، کہ اس کا اور شاہ میر کا ساتھ لکھا ہوا تھا آپ یقین کریں میرے لئے شاہ میر ایک کزن تھا، اس کی دلفریب باتوں کے جال میں میں کبھی نہیں آ سکی، ایسا ہوتا تو آج ٹوٹ کر بکھر چکی ہوتی، یہ بڑوں کا فیصلہ تھا، اس میں میری ذاتی خواہش کو کوئی دخل نہ تھا، ہاں میں راضی تھی کہ بڑوں کی رضا ہے، اس کے بعد جب شاہ میر نے نیلم کو چنا تو بھی میں راضی ہوں، ہاں دکھ تو مجھے تھا، اس بات کا کہ مجھے میری ہی دیرینہ دوست نے استعمال کیا اور اس کے لئے بھی میں نے خود کو بھی قصور وار گردانا ہے کہ میں کیوں استعمال ہوئی۔" وہ ٹوٹے لہجہ میں بولتی رہی، وہ کتنا خوبصورت بولتی ہے اس کا اندازہ آج پہلی مرتبہ سرمد کو ہوا تھا۔

"پھر جب آپ نے رشتہ طلب کیا تو بھی میں نے اپنا معاملہ رب کے سپرد کر دیا تھا، کہ میں اس کی رضا میں راضی اور اپنی تقدیر آزمانے کی خواہش مند ہوں۔"

سرمد کو فخر محسوس ہونے لگا تھا کہ وہ کس قدر بلند سوچ کی مالک ہے اس کا انداز فکر کس قدر مختلف تھا۔

وہ اس کی منکوحہ تھی اس نے اچانک ہی اس کا ہاتھ تھام لیا تھا، اس طرح پبلک پلیس پر اس کا ہاتھ تھامنا رشنا کو سرخ کر گیا تھا۔

"رشنا تم بہت اچھی ہو، میری محبت ہو اور مجھے فخر ہے کہ تم کتنا بلند تر سوچتی ہو، میں اس دن ہی سمجھ تو گیا تھا جب نیلم نے بے تکی چھوڑی تھی کیونکہ میں نے ایک عرصہ غریب الوطنی میں دشت کی سیاحی میں گزارا ہے تو چہرے پڑھنے کا فن آ ہی گیا ہے اور جانتی ہو تمہارے چہرے کی معصومیت نے مجھے گرویدہ بنا لیا تھا اور تم میری بنو یہی میری آرزو تھی، بس ایک بار کہہ دو کہ تم میری ہی ہو۔" سرمد نے شوخ لہجہ میں اس کے کان کے پاس جھک کر کہا تھا۔

وہ سر جھکا کر اثبات میں سر ہلا گئی تھی محبت اچانک ہی پنکھ پھیلائے ان پر مہربان ہو چکی تھی۔

اس سفر میں ملنے والا ہم سفر دونوں کے لئے من چاہا تھا۔

☆☆☆

رُت کے اُس پار کہیں

نایاب جیلانی

پچھلی قسط کا خلاصہ

جیسے پولو میچ کے دن قریب آ رہے تھے ویسے ویسے ہی نیل بر کا خوف بڑھتا جا رہا تھا، اس نے گلالئی سے جب ذکر کیا تو وہ بھی پریشان ہو گی، لیکن پھر وہ خود کو سنبھال کر نیل بر کی ہمت بندھاتی ہے۔

حمت کو بی جاناں واپس بلا لیتی ہیں تو فارم ہاؤس میں مکین باقی سب لڑکیاں اداس ہو جاتی ہے سباخانہ شاہوار کی بیوی کا ذکر کرتی ہے تو نثرہ پریشان ہو جاتی ہے، وہ شاہوار کا پوچھتی ہے تو اسے پتا چلتا ہے کہ اس نے عشیہ سے شادی کر لی ہے اور وہ بڑھ محل میں ہے پھر وہ سباخانہ کے اصرار پر بتاتی ہے کہ عشیہ اس کی نند ہے۔

ادھر ہیام کو پتا چلتا ہے کہ عشیہ صندیر خان کے پاس کیسے پہنچی، اسی غصے میں صندیر خان کی گاڑی پر فائرنگ کرواتا ہے جس سے صندیر اور اس کا ڈرائیور شدید زخمی ہو جاتے ہیں اس فائرنگ کا شک جہاندار پر کیا جاتا ہے۔

ہوسپٹل میں صندیر خان اور ڈاکٹر ہیام کی بحث ہوتی ہے جہاں ہیام اسے کہتا ہے کہ تم نے کسی کی بیوی کو اغواء کر کے اپنے گھر رکھا ہے جہاندار اور اس کی بات پر حیران رہ جاتا ہے۔



"اگر مجھے دھوکہ دیا ہے تو خود بھی بچ نہیں سکے گا، میں اس کی زندگی مشکل بناؤں گی اور اسے زبردستی حاصل کروں گی، اس لئے کہ میں اس سے محبت کرتی ہوں، میں اسے ضرور حاصل کرلوں گی، جب وہ میرا ہو گیا تو نشرہ کو بھول جائے گا۔" عروفہ نے آخری فیصلے پہ پہنچ کر خود کو پرسکون کرلیا تھا، پھر نیچے ہال میں جھک کر دیکھا۔

وہاں سب بہنوں کی محفل لگی تھی، گلالئی اور نشرہ بھی موجود تھی، کچھ دیر پہلے جہاندار اٹھ کر گیا تھا اور اب عنیہ، عمکیہ پیام کو گھیر کر بیٹھی تھیں، وہ کسی بھی قیمت پر نشرہ کو قبول نہیں کر رہی تھیں۔

مگر عروفہ جانتی تھی، عنیہ اور عمکیہ کا چلانا بیکار جانے والا تھا، جب جہاندار، عشیہ شاہوار اور گلالئی بھی ایک طرف تھے تو پھر عنیہ اور عمکیہ گلالئی کا مقدمہ نہیں جیت سکتی تھیں، عروفہ نے سر جھٹک کر ایک فیصلہ کیا اور مطمئن ہو گئی۔

اسے رات کے دوسرے پہر کا انتظار تھا، جب وہ چپکے سے اس گھر کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ جانے والی تھی، بے شک اس نے تباہی کی طرف جانے والے راستے پر پہلا قدم اٹھالیا تھا۔

☆☆☆

"صندیر خان؟" پلوشہ کی آواز حلق میں ہی گھٹ کر رہ گئی تھی، ٹیلی فون کی دوسری طرف کون تھا؟ صندیر خان؟ ایک خوف ایک ہراس جس کا نام صندیر خان۔

انہیں بہت سال پہلے کا ایک نوعمر چلاتا ہوا لڑکا یاد آنے لگا تھا، بہت تیز آوازیں، غصہ، گالیاں اور اس لڑکے کا بے قابو ہونا۔

"وہ دا مر گئی تھا، دھنس گئی زمین میں، ہر سرکشی کرنے والی بنوٹ محل کی بیٹی کا یہی انجام ہوگا، وہ حمت ہو یا کوے۔"

وہ نوعمر بری طرح سے وحشت کا شکار تھا۔

وہ دا کا معاشقہ، فرخزاد سے محبت گلی گلی کا افسانہ بن گئی تھی، صندیر خان کی غیرت کے لئے یہ تازیانہ تھا، وہ دا اس کی ٹھیکرے کی منگ بھی تھی، عمر میں بڑی تھی تو کیا تھا؟ عزت اور غیرت کے آگے ان خانزادوں کو کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔

پھر پلوشہ کا بھاگ جانا، اپنی جان اور اپنی بیٹیوں کی جان بچا کر، کوے ان کے ساتھ تھی مگر حمت رات کی تاریکی میں پیچھے رہ گئی تھی، حمت کھو گئی اور وہ کوے کو لے کر کیسے فرار ہوئی تھی، یہ ان کا خدا جانتا تھا، وہ اپنی بیٹیوں کو غلامی اور نام نہاد ریت ورواج کی سولی پہ چڑھانے سے بچانا چاہتی تھیں، مگر وہ حمت کو بچا نہ سکیں۔

بہت سال وہ اسے خوف کا شکار رہی تھیں کہ صندیر خان انہیں ڈھونڈ کر کوے کو ان سے چھین کر نہ لے جائے، بہت سال بعد ان کا خوف آج مجسم کھڑا تھا، صندیر خان نے انہیں ڈھونڈ بھی لیا اور کوے تک پہنچ بھی آ گیا، مگر اب وہ کوے کو کہاں سے لے گا؟ آج اس کا غرور کیسے تہہ خاک ہو گا؟ پلوشہ کے اندر بھانبڑ جلنے لگے تھے۔

"حمت کو چھین لیا تھا نا مجھ سے، اب کوے کو چھین کر دکھاؤ، صندیر خان، میں تمہیں چیلنج کرتی ہوں، اپنا برسوں پرانا عہد پورا کرو، کیسے للکار رہے تھے کوے کو زمین کے اندر سے بھی نکال لاؤں

گا، میں تمہیں چیلنج دیتی ہوں، کوے کو زمین کے اندر سے آج نکال کرلے جاؤ۔"

"وہ اسلام آباد کے مرکزی قبرستان میں دفن ہے، جاؤ اور لے جاؤ اس کی میت پہ اپنی فتح کے جھنڈے گاڑ کر اپنی زخمی اناؤں کی تسکین کرو جاؤ، کوے اور وہ دا کو ایک ساتھ قبر سے نکال لو۔"

پلوشہ کی زخمی پھنکارتی آواز پہ صندیر خان نے گہرا سرد اور بے جان سانس کھینچا تھا جیسے وہ بہت ہی تکلیف میں ہو، جیسے وہ دا کے ذکر نے اس کے زخم ادھیڑ دیئے ہوں، جیسے کوے کے نام نے اس کے اندر ٹھنڈک اتاری ہو۔

"خانم! اگر میں آپ کا چیلنج قبول کرلوں؟ اگر میں کوے کو زمین کے اندر سے نکال کر آپ کے سامنے لے آؤں، تو آپ مجھے بدلے میں کیا دیں گی۔" وہ بہت نرم اور شفاف انداز میں بول رہا تھا، وہ جلال اور غصیلا پن کہیں نہیں تھا، جو اس کی شخصیت کا خاصا تھا۔

پلوشہ کو ایک جھٹکا لگا اور پھر وہ کھوکھلی ہنسی ہنس پڑیں، پھر آنکھیں نم ہوتے ہوتے برس پڑی تھیں۔

"تو تم کوے کو ہی لے لینا، اس کی قبر پہ تمہارا ہی حق ہوگا، سردار کبیر نے وہ دا کے قتل پہ کوے کا نام تم سے منسوب کر دیا تھا نا، پھر اس کی قبر کے ساتھ زندگی گزارنا۔" پلوشہ نے کاٹ دار لہجے میں کہا تھا، لاکھ نفرت کے باوجود درد ان کے لہجے سے چھلک رہا تھا۔

"اس بات سے پھرنا نہیں، میں کوے کو آپ کے سامنے لے آؤں گا، زمین کے اندر سے نکالوں یا زمین کے اوپر سے، کوے آپ کے سامنے باحفاظت موجود ہوگی، مگر وہ میری امانت ہو گی، ایک بات اور کہتا ہوں، کوے ہی نہیں، آپ سے حمت کو بھی ملوا دوں گا، یہ صندیر خان کا وعدہ ہوا۔" صندیر خان کی بات کے اختتام پر پلوشہ غش کھا کر گر پڑی تھیں، شکر ہے، عینی پاس تھی، وہ بھاگتی ہوئی ہمان کو لے آئی، پلوشہ کو بمشکل ہوش دلوایا، پھر صندیر خان کی کال پہ بحث ہونے لگی، ہمان نے امام کو فون کھڑکایا۔

وہ سب شاک کے عالم میں بیٹھے تھے، ہمان اور عینی ہکا بکا تھے، نومی اس سچویشن سے مزہ لے رہا تھا، شانزے کی فیملی بھی پہنچ گئی۔

مری ہوئی کوے کی زندگی کی اطلاع ملی تھی، وہ لوگ شاک میں نہ جاتے تو کیا کرتے؟

"کیا کوے زندہ ہے؟ یا صندیر خان ہمارے ساتھ کوئی بھیانک مذاق کر رہا ہے؟" ہمان نے دھڑکتے دل کے ساتھ امام سے پوچھا تھا، سب کی نگاہیں ہمان پر جمی تھیں اور جو کچھ امام بتا رہا تھا وہ ان سب کو دنگ کر دینے کے لئے کافی تھا۔

"خالہ کو بتا دو، کوے زندہ ہے، اور صندیر خان کے ہی پاس ہے، حادثے میں کسی اور کی جلی لاش کو کوے سمجھ کر دفنا دیا گیا تھا، جبکہ کوے شدید زخمی حالت میں صندیر خان کو ملی تھی، وہ ٹھیک ہے اور محفوظ ہے، جبکہ خالہ کو یہ بھی بتا دو، ان کی ایک نہیں دوسری بیٹی حمت بھی وہیں ہے، خالہ کو خوشخبری سنا دو اور تمہیں بتا دوں، ہمارے بابا کا سب سے چھوٹا بھائی جہاندار بھی زندہ ہے اور مجھ سے مل چکا ہے اور ہماری پھپھو کی فیملی بھی یہیں ہے، تم سب لوگ یہیں آ جاؤ۔" امام نے ایک ایک کرکے انکشاف کے بارود گرا دیئے تھے، وہ سب لوگ شاک، خوشی، مسرت اور انہونی ہو جانے کی کیفیت

میں جتلا تھے۔

ان سب میں سب سے پہلے شانزے نے ہوش سنبھال کر مبارک باد بلند کی تھی اور پھر ایک بلند شور سنائی دینے لگا، تب ہی اسامہ بھی آ گیا تھا، وہ پلوشہ کے قریب بیٹھا اور بہت نرمی اور سکون سے انہیں بتانے لگا۔

''صندیر خان امن اور صلح کے پیام کے ساتھ آگے بڑھنا چاہتا ہے، اس کی خواہش ہے، امام اور ہمان جاہندار کو سمجھائیں، وہ بدلے اور انتقام کی فضا کو ختم کرنا چاہتا ہے، اک نئے دور کا آغاز کرنا چاہتا ہے۔''

''ہم اسے مایوس نہیں کریں گے۔'' صدیوں سے تھکن زدہ دکھوں، غموں اور خوف و ہراس کا شکار پلوشہ سر ہلا کر کہہ رہی تھیں، ہمان ان کی تائید کر رہا تھا، جبکہ فون پر موجود امام نے بھی بے آواز پلوشہ کے فیصلے کی تائید کی تھی۔

''میں نیل بر کو خوشخبری سناتا ہوں، ہم امن اور صلح کے ساتھ آئیں گے، سردار بٹو کے خاندان سے دوستی کا ہاتھ بڑھائیں گے، ہم نفرت کی فصیلوں کو گرا دیں گے، اب کوئی خون کی ہولی نہیں کھیلے گا۔'' امام نے دل کے ساتھ عہد کیا اور اپنے عہد پر قائم ہو گیا۔

☆☆☆

''تم کیا سمجھتے ہو، میں تمہاری سازش کو جانتی نہیں۔'' بہت دن بعد کوے پر پھر سے لڑائی کا بھوت سوار ہوا تھا، صندیر خان کو دیکھ کر اس کے غصے کا گراف بڑھ گیا، ویسے بھی صندیر خان کو دیکھ کر اسے خواہ مخواہ غصہ آنے لگتا تھا۔

''افسوس ہوا سن کر، کاش تم سازش کو نہیں محبت کو جانتی۔'' صندیر خان نے تاسف سے کہا تھا، کوے کی آنکھوں میں ناگواری ابھری۔

''محبت اور تم سے کروں، بھول ہے تمہاری، مجھے یہاں قید کر رکھا ہے۔''

''میں تو عمر بھر کے لئے تمہیں قید کرنا چاہتا ہوں، مگر تمہاری مرضی کے ساتھ، زبردستی نہیں۔'' صندیر خان نے نرم گرم نگاہوں سے اسے دیکھا تھا، اس کی آنکھوں میں چاہتوں کا ایک جہان آباد تھا، اگر کوے سمجھ لیتی تو، صندیر خان جیسا انسان اتنے ہفتوں، دنوں، لمحوں، گھنٹوں، ساعتوں سے اگر کوے جیسی نخریلی لڑکی کے نخرے اٹھا رہا تھا، تو اس کے پیچھے صاف محبت کی کہانی تھی، اگر کوے جیسی کند ذہن کو بات سمجھ میں آ جاتی، کوے اپنی جھوٹی انا اور ضد کے پیچھے تن کر کھڑی تھی تو صندیر خان کی یہی خواہش تھی، وہ اس پر اپنا اعتماد اور اعتبار بحال کر لے۔

دونوں اپنی اپنی خواش اور ضد کے پابند تھے۔

کوے کو لگتا تھا صندیر خان نے جان بوجھ کر اسے قید کر رکھا ہے، جبکہ صندیر خان کو لگتا تھا، کوے اس پہ اعتبار نہیں کرتی، وہ سمجھتی ہے کہ صندیر خان نے اسے بری نیت سے پابند سلاسل کیا ہوا ہے۔

''تمہاری نیت ہی ٹھیک نہیں۔''

اور کوے کو پتہ نہیں تھا کہ صندیر خان کی نیت پہ شک کرنا کوئی اچھا شگون نہیں تھا، وہ اچھا بھلا موم کی طرح پگھل رہا تھا، پھر سے فولاد میں ڈھل گیا۔

''اچھا تو میری نیت ٹھیک نہیں۔'' وہ شدید ڈسٹرب ہو گیا۔

''صد افسوس کوے کو اتنے ہفتوں کے میرے حسن عمل کا صلہ تم نے مجھے یہ دیا ہے، محبت کی مجھے امید ہی نہیں تھی، میں چاہتا تھا، تمہارا دل تمہارے اپنوں کے پاس جانے سے پہلے میری طرف سے صاف ہو جائے، مگر میری یہ کوشش ناکام ہو چکی ہے، میں تمہارے دل میں جگہ بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکا، اس بات کا مجھے افسوس رہے گا، انی وے، تمہاری یہ قید و بند بہت جلد رہائی میں بدل جائے گی، ہو سکے تو میری پچھلی کوتاہیوں کو درگزر کر دینا۔'' صندیر خان اپنی بات کے اختتام پہ رکا نہیں تھا، جبکہ کوے ہکا بکا رہ گئی تھی، پھر جب بات اس کی سمجھ میں آئی تو وہ اندھا دھند صندیر خان کے پیچھے بھاگی تھی۔

پتہ نہیں صندیر خان کے موم جیسے لفظوں میں کیا جادو تھا، کوے کا دل جیسے کسی نے بدل کر رکھ دیا تھا، شہر دل کی بستی میں اچانک شور سنائی دینے لگا تھا، یہ شور یہ آواز یہ شاید ''اعلان محبت'' تھا۔

رات تاریکی کی طرف بڑھتی جا رہی تھی۔

بڑھتی تاریکی نے سردار بٹو کا ہراس لمحہ بہ لمحہ اور بڑھایا تھا، وہ خوفزدہ نظروں سے گھڑیال کی طرف دیکھتے تھے، گھڑیال کی سوئیاں معمول کے مطابق چل رہی تھیں، مگر سردار بٹو کو لگتا تھا کہ وقت رک گیا ہے۔

بہت سے ماہ و سال ان کی نظروں کے سامنے گھوم رہے تھے، بہت سے بچے، ننھی منی گڑیائیں، جو وقت کے ساتھ ساتھ کہیں گم گئی تھیں، ان ننھی منی تتلیوں میں ایک نوعمر لڑکی بھی تھی، جو ان کے پیچھے بھاگ بھاگ کے ہلکان ہوتی تھی۔

وہ پیاری سی لڑکی ودھا تھی، گلفام کی بیٹی، آہ سردار بٹو کے بدنصیب بھائی کی بدنصیب بیٹی، مقتولہ ودھا بنت گلفام خان۔

سردار بٹو کو لگا، خون کی بہت سادی دھاریاں ان کی آنکھوں میں اتر آئی ہوں۔

اور یہ خون بوندوں کی شکل میں مینہ کی طرح برس رہا تھا، دیکھتے ہی دیکھتے سرخ گاڑھے خون کی برکھا نے ایک نوخیز دلنشین وجود کو اتنا بھگویا کہ سردار بٹو کو اس وجود کی پہچان ہی مشکل ہو گئی تھی، وہ جیسے ہانپتے کانپتے اس خون میں ڈوبے وجود کی طرف بڑھے تھے، انہوں نے کانپتے ہاتھوں سے اوندھے منہ پڑے اس وجود کو سیدھا کیا تھا، ان کا عین گمان تھا کہ خون میں لت پت وجود ودھا کا ہی تھا۔

یہ ودھا آج کل ان کے خوابوں میں اس قدر تسلسل سے آ رہی تھی کہ سردار بٹو کو اس کے زندہ ہونے کا گمان ہونے لگا تھا، انہوں نے جیسے ہی چیچپے وجود کو ہاتھ لگاتے ہوئے اس کے ٹھنڈے چہرے سے بالوں کو ہٹایا، چیچپے بالوں کے جھاڑ کو ہٹایا تو سردار بٹو کے وجود کو زوردار جھٹکا لگا تھا، ان کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی، ان کے اوپر بٹو محل کی دیواریں گر گئی تھیں۔

وہ خون میں ڈوبا وجود ودھا کا ہرگز نہیں تھا، وہ ودھا کیسے ہو سکتی تھی، ودھا گلفام خان کو تو

سردار بٹو نے محبت کرنے کے جرم میں خود اپنے ہاتھوں سے قتل کر کے زمین کے اندھے گڑھے میں دفنا دیا تھا، پھر وہ ودھا کیسے ہو سکتی تھی، ودھا قبر سے کیسے نکل سکتی تھی؟ انہوں نے اپنی نم، شرمسار پیشانی پر ہاتھ پھیرا اور آنکھیں رگڑ رگڑ کر دیکھا تھا، انہیں ایک مرتبہ پھر زوردار جھٹکا لگا۔

خون میں لت پت وجود ودھا بنت گلفام خان کا نہیں تھا، بلکہ نیل بر کبیر خان کا تھا۔

سردار بٹو نے اپنے خون آلود ہاتھ دیکھے اور ان کا پورا وجود تھرتھراتا ہوا مٹی کا ڈھیر بن گیا تھا، وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اپنے بستر سے اٹھے تھے، ان کا پورا جسم پسینے سے شرابور تھا اور سانس دھونکنی کی مانند چل رہی تھی، اتنا بھیانک خواب؟

''شکر خدایا، یہ خواب ہی تھا، کیا یہ واقعی خواب ہی تھا، میری نیل بر تو ٹھیک ہے؟ کہاں ہے؟ کس حال میں ہے؟'' تسلسل سے آتے اس خواب نے سردار بٹو کے اندر بے بس تڑپتی پدرانہ شفقت و محبت کو انگڑائیاں لے کر جگا ڈالا تھا۔

ان کا بس نہیں چلتا تھا، ان کو پنکھ لگتے اور وہ شاہوں کی اس منحوس حویلی جو گلگت کی ایک وادی میں تھی جس پہ نحوست کا سایہ تھا، وہ پالکیوں والی اس شام سے پہ حویلی کی قید سے اپنی نیل بر کو نکال کر دوبارہ بٹو محل کی روشنیوں میں لے آتے، انہوں نے اپنی نم ناک آنکھوں کو چھوا، انہیں ایک اور دھچکا لگا تھا، وہ خواب میں بھی رو رہے تھے؟ اور وہ اب تک بھی رو رہے تھے؟

''نیل بر!'' ان کے اندر سے کراہ نکلی۔

''تو میرا سرمایہ حیات ہے، میں تمہیں جھوٹی عزت، انا اور اندھی روایتوں کی بھینٹ چڑھا دیا، میں تمہیں یورپ کی جہنم زدہ زندگی سے اس لئے نہیں نکال لایا تھا کہ تمہیں دوبارہ کسی برزخ میں پھینک دوں؟ میں تمہیں جہاندار شاہ اور صندیر شاہ کے کسی انتقام کا حصہ بننے نہیں دوں گا؟ میں تمہیں جہاندار شاہ کی وحشتوں کا حصہ بننے نہیں دوں گا میری بیٹی! مجھے گلفام خان کی طرح کمزور نہ سمجھنا مجھے پلوشہ کی طرح بزدل بھی نہ سمجھنا، جو ودھا کی موت کے خوف سے اپنی ایک بیٹی کو لے کر اور دوسری کو بلکتا چھوڑ کر بھاگ گئی تھی، میں سردار کبیر خان ہوں نیل بر! میں کمزور نہیں ہوں، تم میری زندگی ہو، میری آتی جاتی سانسوں کی ضمانت ہو، میری چھ اولادوں میں ایک صرف تم ہی تو ہو، ہاں بس تم ہو، جو میری جان عزیز ہو، نیل بر! میں بہت اداس ہوں، میرے پاس آؤ، لوٹ آؤ، میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا، میں تمہیں اندھی روایات کی جیل میں ڈال کر ایک دن بھی سکون سے نہیں سویا، میں تمہیں صندیر خان کے فیصلوں کی وجہ سے ہارا ہوں، میں تمہیں دوبارہ جیت کے واپس لاؤں گا، میں تمہیں جہاندار شاہ کی قید سے چھڑواؤں گا، میری بیٹی! میرا انتظار کرنا، میں ان بوسیدہ فیصلوں سے ٹکرا کر اک نئی روایت قائم کر دوں گا، تم میری بیٹی ہو، میری زندگی ہو، میرے اندر بقا کا جو شور ہے وہ صرف تمہاری وجہ سے ہی ہے۔'' وہ نیل بر کے تصور سے مخاطب تڑپتے ہوئے اپنے عہد کو دہرا رہے تھے اور ان کا یہ عہد کمزور نہیں تھا، انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا، اس فیصلے نے سردار بٹو کے بیمار وجود میں طاقت بھر دی تھی۔

شام کے وقت غریب خان سردار کی خدمت میں ایک پیام لے کر حاضر ہوا تھا، وہ دہشت خان کا پیام لے کر آیا تھا، دہشت خان سردار کبیر خان کا خاندانی سیاسی اور روایتی حریف تھا۔

میں دے دیا ہے، اسی وجہ سے جہاندار شاہ نے کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی، ورنہ اب تک جہاندار شاہ خون کی ندیاں بہا ڈالتا۔'' غریب خان کے اگلے الفاظ نے سردار بٹو کا فشار خون بڑھا دیا تھا۔

''میری بیٹی کسی خون بہا میں نہیں گئی۔'' سردار کی جوانی کا جوش اور غراہٹ لوٹ آئی تھی۔

''میں دہشت خان کی زبان کھینچ لوں گا۔'' سردار کے اندر جلال بول رہا تھا۔

''اور میں نیل بر خان کو واپس لاؤں گا، میں دیکھتا ہوں، کون صندیر خان میرے راستے کی دیوار بنتا ہے، میں ہر دیوار کو پاؤں کی ٹھوکر سے اڑا دوں گا۔'' بہت سالوں بعد سردار کبیر بٹو اپنے پرانے جلال میں لوٹتے دکھائی دیئے تھے، شاید بٹو محل میں کچھ ہونے والا تھا، کچھ ایسا انہونا جو صدیوں سے نہیں ہوا تھا۔

☆☆☆

اداسی زنجیر بنی اس کے گرد گھوم رہی تھی۔

رات بھر جو باہر مینہ برسا تھا اب اندر برس رہا تھا، وہ انگیٹھی میں چھوٹی لکڑیوں کے ساتھ اپنے ننھے منے خواب بھی جھونک رہی تھی، شاید اس کے نصیبے میں کوئی خوشی کوئی رنگ کوئی خواب کوئی جگنو تھا ہی نہیں۔

وہ اتنے سالوں سے ایسے ہی بھٹک رہی تھی، اس کے کانوں میں عنیہ اور عروفہ کی زخمی پھنکار گونجتی تھی، وہ اپنے بھائی کو پرانے عہد یاد دلاتی شاید اپنے آپے میں نہیں تھیں، وہ مورے پہ بھی برس رہی تھیں۔

''کہاں گئے آپ کے وعدے؟ کیا بولا تھا آپ نے؟ جہاندار نہ لوٹا تو اس کی جگہ ہیام گلالئی کو بیاہے گا، آپ کا جہاندار لوٹا، مگر پلٹا نہیں، وہ آیا اور ہمارے شریکوں کی لڑکی بیاہ لایا، اسے حویلی کی زینت بنایا، اس حویلی کی زینت بنایا جس حویلی کو اس کے باپ نے سالوں پہلے اجاڑ ڈالا تھا، کدھر ہے جہاندار کی غیرت؟ کہاں گئے انتقام کے وعدے؟ کچھ نہیں ہونے والا میری ماں؟ گلالئی کو کون بیاہنے آئے گا؟ وہ جہاندار کے نام پہ بوڑھی ہو کر ایک دن پرانا قصہ بن جائے گی اور وہ نیل بر ہمیشہ بخت آور رہے گی، اس کے بخت سے کسی گلالئی یا کسی عنیہ، عمکیہ، عروفہ یا ہیام کا کیا مقابلہ؟ ہم آپ جیسی بدبخت عورت کی اولاد تھے، ہمارے نصیب نیل بر جیسے کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور وہ کرسچین کی اولاد تھی، ہمارے باپ کا پہلا اور آخری عشق، تو پھر اس عشق کا موازنہ یا مقابلہ کسی مجبوری کے رشتے سے کیسے ہو سکتا ہے؟ ہم آپ مجبوریاں تھیں، مجبوری کے رشتے تھے، وہ عشق کا بندھن تھا، جو اب بھی قائم ہے، ہم مجبوری کے تعلق تھے، ہمیں سالوں پہلے توڑ دیا گیا، کل ایک انگریز عورت آپ سے جیت گئی تھی مورے، آج اسی انگریز عورت کی بیٹی سے ہماری گلالئی ہار گئی ہے، اس کو بتا دیں کہ کوئی جہاندار گلالئی کے راستے میں نہیں آئے گا، گلالئی کا انتظار رائیگاں چلا گیا، آبلہ پائی کا سفر اس کا نصیب تھا، اس کا نصیب رہے گا۔'' عنیہ کی آواز درودیوار کو بھی سرتاپا لرزا رہی تھی، نشرہ نے اتنے مہینوں کے اس سفر اور قیام میں پہلی مرتبہ عنیہ کو اتنا دکھی دیکھا تھا، وہ رو رہی تھی، وہ تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی، شاید گلالئی کی مانگ سونی رہ جانے کے غم میں، یا شاید اپنی بدنصیبی یا ماں کی کم بختی کے صدمے سے۔

''گلگت کی حویلی میں نیل بر کا راج ہے مورے، وہ حویلی جو کبھی آپ کا میکہ تھی، آج بھی اس حویلی میں فرخ زاد اور شیر شاہ ماما کے خون کی خوشبو محسوس ہوتی ہے مجھے۔''

''گلگت میں دل نہیں لگتا مورے، وہاں سسرال نہ ہوتی تو کبھی لوٹ کر ہی نہ جاتے، نانا کی برباد حویلی کو رقیب آباد کر لیں گے، یہ کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔'' یہ عمکیہ کی آواز تھی، ہمیشہ کی طرح صلح جو نرم دل، معاملہ فہم عمکیہ بھی کسی کرب میں مبتلا تھی، ان سب کا دکھ مشترکہ تھا، نیل بر ان سب کے لئے روگ تھی، درد تھی، دکھ تھی، غم تھی، ان کا احساس زیاں تھی، نیل بر ان سب کا مشترکہ غم تھی۔

ان کی سوتیلی بہن، سردار کبیر بٹو کی پہلی اور آخری من چاہی اولاد، وہ پانچ لوگ تو نہ کل سردار بٹو کے لئے کچھ اہمیت رکھتے تھے نہ آج۔

یہ روایت رقابت نہیں تھی، یہ دکھ تھا، یہ صدمہ تھا، یہ اپنے وجود کی نفی کیے جانے کا دکھ تھا۔

''تو آپ کو جس جہاندار کا انتظار تھا مورے، وہ لوٹ آیا ہے، کیا خوب ہوتا کہ وہ لوٹتا ہی نا، ہمارے زخموں پر جو نمک پاشی وہ کر رہا ہے، اس سے بہتر تھا کسی گمنام شہر کا حصہ بنا رہتا، کیا ضروری تھا، گلگت کی حویلی میں ہمارے لئے برزخ سلگا کر بیٹھنا کیا ضروری تھا۔'' یہ کراہتی آواز عشیہ کی تھی، وہ موم سی عشیہ پگھل رہی تھی، پگھل پگھل کر آنسو بن رہی تھی۔

''نانا کی جس حویلی میں سالوں بعد جس کے آنے کا انتظار تھا، وہ آیا، اور ہمارے سارے زخم ادھیڑ گیا، کون ہے، جو فرخ زاد اور ودھا کے خون کا بدلہ لے گا؟ کون ہے جو ہیام کو اس کا حق لے کر دے گا؟ کون ہے جو ہمارے نانا کی برباد زمین پر نئی فصل اگائے گا؟ جہاندار کو نیل بر کے عشق کے اندھا کر دیا، اسے کوئی انتقام کوئی فرخزاد کوئی شیر شاہ اور اپنی اجڑی برباد ہوئی کوئی بہن یاد نہیں ہے، وہ اپنی اجڑی بہن کی سوت کے جگر کا ٹکڑا اپنے سر پہ سجا کر بیٹھا ہے، وہ نیل بر کی صبح سے لے کر شام تک پرستش کرتا ہے، وہ کیا لے گا انتقام؟ جسے محبت اور عشق کی مورت نیل بر کبیر خان کو دیکھنے سے فرصت ہی نہیں ہے، وہ کیا خوب لے گا انتقام؟'' دھیمی سلگتی یہ آواز عمکیہ کی تھی، جس کی پلکوں پر شبنمی آنسو اٹک کر گر رہے تھے۔

وہ سب بہن بھائی اپنے احساس زیاں پہ ماتم کر رہے تھے، وہ سب غم زدہ تھے اور ہارے ہوئے لگتے تھے، شاید آج ان کی سب امیدیں ٹوٹ گئی تھیں، وہاں گلالئی بھی موجود تھی، مگر یوں لگتا تھا وہ وہاں موجود نہیں ہے، ان سب کے بیچ تین لوگ بہت ہی خاموش تھے، ہیام، مورے اور گلالئی، اور نشرہ جو تکون کمرے میں موجود ہی نہیں تھی، وہ ان لوگوں کی محفل کا حصہ نہیں تھی۔

''آپ کی یہ خاموشی ہماری موت ہے مورے، آپ کو آج فیصلہ کرنا ہی ہوگا، اگر جہاندار گلالئی کا سائبان نہیں بنتا تو ہیام کو یہ بار اٹھانا ہوگا۔'' عنیہ کی گرج دار آواز نے پورے ماحول میں ایک بے چینی سی بھر دی تھی، سب ایک دوسرے کو دیکھنے لگے تھے، نشرہ نے دیکھا، ہیام کے چہرے پہ شدید اضطراب پھیل گیا تھا۔

''ہیام اور گلالئی کا نکاح کرنا ہوگا، ہمیں اپنے شوہروں کے سامنے جوابدہ ہونا ہے۔'' عنیہ نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا، نشرہ نے دیکھا، مورے اور گلالئی شدید ہراساں ہوئے تھے اور ہراس تو اچانک نشرہ کے وجود سے بھی بھاپ کی مانند اٹھ رہا تھا، اس نے ہیام کی طرف دیکھا، نشرہ جیسی بے چینی

ہیام کے چہرے سے بھی مترشح تھی۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ عنیہ! تمہارے حواس ٹھکانے پہ نہیں ہیں، نیل بر کو نانا کی حویلی میں دیکھ کر تم سب صدمے سے ذہنی طور پر مفلوج ہو چکی ہو۔'' یہ آواز ہیام کی تھی، وہ بری طرح برہم دکھائی دیا تھا۔

''ہاں، صدمے نے ہمارے حواس چھین لئے ہیں، ہمیں جہاندار سے یہ امید نہیں تھی، اس نے ہمارے زخم ادھیڑ دیئے ہیں۔'' عمکیہ نے نمناک آواز میں کہا تھا۔

''تو جہاندار کا بدلہ مجھ سے لینے کی کوشش نہیں کرو، گلالئی کی میں بہت عزت کرتا ہوں، مجھے اپنی ان چار بہنوں کی قسم، مجھے گلالئی اپنی ان چار بہنوں کی طرح ہی عزیز ہے، میں نے نشرہ سے نکاح نہ بھی کیا ہوتا تب بھی آپ کا یہ فیصلہ مجھے منظور نہیں تھا، اس لئے نہیں کہ گلالئی میں کوئی کمی ہے، اس لئے کہ میں گلالئی کے قابل نہیں ہوں، میں آپ چاروں سے التماس کرتا ہوں، آپ نشرہ کو میری منکوحہ کے روپ میں قبول نہیں کرتیں نہ کریں، مگر گلالئی اور میرے حوالے سے ایسا کبھی سوچا تو آپ مجھے ہمیشہ کے لئے کھو دیں گی، یہ میری دھمکی نہیں، یہ میرا فیصلہ ہے اور میرا فیصلہ اٹل ہے، میں نشرہ کو لے کر یہاں سے چلا جاؤں گا، کسی گمنام بستی کا حصہ بن جاؤں گا، مجھے رشتوں کے پل صراط پر مت گھسیٹیں آپ ہیام کو کھو دیں گی، آپ بہت سارے رشتوں کو کھو چکی ہیں، آپ اپنا آخری رشتہ بھی کھو دیں گی، سردار بٹو سے لے کر شیر شاہ ماما، فرخزاد ماما اور جہاندار ماما کے بعد آپ اپنا بیٹا بھی کھو دیں گی، اس لئے فیصلوں میں جذباتیت کا سہارا مت لیں۔''

''اگر جہاندار نہیں ہے تو دنیا...... ہاں، گلالئی کی دنیا ایک جہاندار پہ ختم نہیں ہوتی، آپ اللہ کی رحمت سے مایوس ہونے کی بات نہیں کریں، گلالئی کے لئے دنیا وسیع ہے، مگر نشرہ کی دنیا مجھ پر ختم ہو جاتی ہے، میں نہ ہوا تو وہ بھٹک جائے گی، کھو جائے گی، اس کے پیچھے کوئی بھی نہیں، میں نے ہاتھ چھوڑا تو وہ دنیا چھوڑ دے گی، اس لئے میں رشتوں میں میانہ روی کرتے ہوئے کسی بھی انتہائی فیصلے سے گریز کرتا بس اتنا کہنا چاہوں گا، مجھے نشرہ کے معاملے میں مجبور مت کریئے گا۔'' ہیام کے دوٹوک الفاظ نے نیم مردہ کھڑی نشرہ کے مردہ تن میں جان ڈال دی تھی۔

وہ اکیلی نہیں تھی، ہیام اس کے ساتھ ساتھ تھا، کیا یہ احساس اس کی بلند بختی کے لئے کافی نہیں تھا؟ نشرہ کا رواں رواں ہیام کا مشکور ہو گیا تھا، اس نے ایک ہی لمحے میں نشرہ کو فرش سے عرش پہ بیٹھا دیا تھا، نشرہ کو لگا، وہ بے مول ہوتی ہوتی انمول ہو گئی ہے۔

تکون کمرے میں ایک مرتبہ پھر موت کی خاموشی رقص کرنے لگی تھی، ایک مرتبہ پھر چہروں پہ اضطراب بڑھا تھا، بس گلالئی تھی، جو پر سکون ہو چکی تھی، جیسے اسے ہیام کا فیصلہ دل و جان سے پسند ہو، اب وہ سکون میں تھی، اور وہ سکون اس کی آنکھوں سے چھلکا پڑ رہا تھا۔

''تمہارا کوئی قصور نہیں میرے بھائی، تمہاری رگوں میں سردار کبیر خان کا لہو ہے، عشق محبت میں اس نے اپنے پانچ معصوم بچوں اور ایک مظلوم بیوی کو نہیں دیکھا تھا، یورپ سے حسن و جمال میں کمال یہ پہنچا ہوا پتلا اٹھا لایا تھا، تم سردار کبیر خان کے بیٹے ہو، عشق میں اپنے باپ سے پیچھے کہاں رہو گے۔'' عنیہ کی آواز میں غصہ اور لفظوں میں کٹیلا پن جھلک رہا تھا۔

”آپ کچھ بھی کہہ لو، حقیقت سے نگاہ کیسے چرائی جا سکتی ہے، اگر آپ میری نیکی یا میرے سچ فیصلے کو میرے سنگ دل باپ کے غلط اور خود غرضانہ فیصلے سے مماثل سمجھتی ہیں تو میں آپ کی سوچ کو بدل نہیں سکتا، مگر اتنا ضرور کہوں گا ہر انسان اپنے ماں باپ سے کچھ نہ کچھ وراثت میں ضرور لیتا ہے، کچھ چیزیں، عادتیں، فطرت کی طرف سے نہیں موروثی ہوتی ہیں، کچھ چیزیں اپنے والدین سے جبر میں لیتا ہے، میں نے اپنے باپ سے ایک چیز ضرور لی ہے، عہد کی پاسداری، اس نے میری ماں کو میری پاک باز ماں کو خاندانی جھگڑوں، شقاوت، رقابت کے تحت طلاق دی تو پھر پلٹ کر دیکھا نہیں، اس نے کہا تھا، اپنے بھائیوں کے جنازوں پہ جاؤ گی تو واپس لوٹنا نہیں، میں تمہیں نہیں لاؤں گا، وہ نہیں لایا، اس نے ایک انگریز عورت سے محبت کی اور اسے اس کی موت تک نباہ دیا، اس کی بیٹی کو اپنا پہلا اور آخری عشق کہا، اسے حویلی کا وارث بنا دیا، عہد کی پاسداری میں سردار بڑو بھی پیچھے نہیں رہا، لاکھ برا سہی لاکھ بد بخت سہی، تو پھر میں کیسے پیچھے رہوں گا؟ میں سردار کبیر خان کا بیٹا ہیام خان ہوں، سینکڑوں لوگوں کی موجودگی میں ایک عزت دار شریف لڑکی کو نکاح کر کے لایا ہوں، میں آخری سانس تک اپنا عہد نبھاؤں گا۔“ ہیام کے دوٹوک الفاظ نے حاضرین محفل پر سکتہ طاری کر دیا تھا۔

اس کی بہن نے اپنی آنکھوں کے سامنے دم توڑتی امید کو دیکھا تھا، وہ کسی طور پر بھی ہیام کو اس کے فیصلوں سے ہٹا نہیں سکتی تھیں، اسی پل ہر ایک کی سوچ کا زاویہ کچھ اور تھا، عیشہ کو اس لمحے ہیام پہ فخر محسوس ہوا تھا، اس کا بھائی اپنے ارادوں میں چٹان کی مانند تھا، عنیہ کو ہیام کا فیصلہ پسند نہیں آیا تھا مگر وہ اس کے فیصلوں سے ٹکرا نہیں سکتی تھی، عمکیہ اور عنیہ کی سوچوں میں مماثلت تھی، جبکہ عروفہ کی باقی سوچوں کا رخ کوئی اور تھا۔

”عنیہ اپنی مرضی سے بیاہ کرلے اور ہیام اپنے عشق کو ان کے سامنے لا کھڑا کرے۔“

”کوئی ان کو پوچھنے والا نہیں ہے، تو پھر میں اپنی مرضی کا فیصلہ کیوں نہیں کر سکتی؟ میں اپنی محبت کو کیوں نہیں پا سکتی؟“

”میں ولید سے ملنے نہیں جاؤں گی، میں ہمیشہ کے لئے اس کے ساتھ اس کے پاس جاؤں گی، اس گھر اور ان رشتوں نے مجھے کیا دیا ہے؟ نفرت؟ حقارت؟ اور بے عزتی؟ یہ سب اپنی من پسند زندگی گزاریں اور میں؟ میں کیوں گھٹ گھٹ کر جیوں؟ میں اب یہاں نہیں رہوں گی، ہیام اور نشرہ، ہونہہ، کیا اس دو ٹکے کی نشرہ کو اس گھر پہ راج کرتے دیکھتی رہوں؟ اس کو راج کرتے دیکھنا ہے میری جوتی؟ میں ان سب پر لعنت ڈال کر چلی جاؤں گی، مجھے کل ہی حتمی فیصلہ کرنا ہو گا۔“ عمکیہ، عنیہ اور عشیہ کو باتیں کرتا دیکھ کر عروفہ نے حتمی انداز میں سوچا تھا، کیونکہ مورے نے اچانک ہی ایک عجیب بات کر کے حاضرین محفل پہ سکتہ طاری کر دیا تھا۔

”ہیام میرا اکلوتا بیٹا ہے، میں اس کا روایتی بیاہ کروں گی، جس میں، گیت، شہنائی اور رقص بھی ہو گا، اس گھر میں کبھی کوئی خوشی کا سورج نہیں اترا، میں بیال سے لے کر گلگت تک ساری بستیاں سجاؤں گی، میرے بیٹے کی شادی پہ پورا بیال رقص کرے گا۔“ مورے کی لرزیدہ آواز نے ہیام کی بہنوں پر سکتہ طاری کر دیا تھا وہ حیرت اور بے یقینی سے مورے کی طرف دیکھ رہی تھیں، ان

میں سے عشیہ ہی حواسوں میں لوٹ کر مورے سے لپٹی تھی۔

”انشاء اللہ ہمارے ہیام کی شادی کو ایک عالم دیکھے گا۔“

اچانک منظر میں بہت سارے رنگ بھر گئے تھے، نشرہ نے دیکھا، بہت سارے ستارے آسمانوں سے اتر کر اس چھوٹے سے مکان میں اتر آئے تھے۔

دیکھتے ہی دیکھتے یہ ستارے ہیام کی بہنوں کے گرد بھی چمکنے لگے، نشرہ نے ایک معجزہ ہوتے دیکھا تھا، اس نے عنیہ اور عمکیہ کو اٹھ کر اپنے گرد حصار بناتے دیکھا، اس نے عشیہ کو اپنے گال کھینچتے دیکھا اور مورے کے گرم لبوں کا بوسہ اپنی پیشانی پہ محسوس کیا تھا، اس نے ہیام کی آنکھوں میں سکون اترتے دیکھا تھا، اس جامع اور مکمل منظر میں عروفہ کہیں نہیں تھی، اسی شب عروفہ اپنے اس چھوٹے سے مکان کی دہلیز پار کرتے ہوئے سوالیہ نشان چھوڑ گئی تھی، عروفہ رات کی تاریکی میں اپنا محبتوں بھرا سائبان چھوڑ گئی تھی۔

☆☆☆

سنہری دھوپ نے انگڑائی لی اور نرم سی کرن نے نیل بر کے گلابی گالوں پہ بوسہ دیا تھا۔

وہ تکیہ دبوچ کر آنکھوں پہ رکھنا چاہتی ہی تھی جب جہاندار نے اس کی یہ کوشش ناکام بنا دی تھی۔

”کیا ہے سونے دو نا۔“

”میری جان، رات بھر کیا آپ کھیتوں میں پانی لگاتی رہی ہیں؟“ جہاندار نے اس کا خوبصورت گداز وجود اپنے بازوؤں میں لے کر تکیہ صوفے پہ اچھال دیا تھا، نیل بر جز بز ہونے لگی۔

”رات کو میں دیر سے سوئی تھی، تم تو اللہ جانے پوری رات کہاں تھے؟“ ناراضگی کا فوری اظہار بھی کر دیا گیا تھا۔

”دیر سے کیوں سوئی تھی؟“ جہاندار متفکر ہوا، اس کی گلابی آنکھیں روئی روئی بھی لگ رہی تھیں۔

اب کے جہاندار بہت ہی متفکر ہوا تھا، نیل بر روئی تھی مگر کیوں؟ اور اس پل جہاندار کا دل لمحے بھر کے لئے ڈوب گیا تھا۔

”کیا ہوا ہے؟“ اس نے نیل بر کا چہرہ بے چینی سے اپنی طرف موڑا تھا، جہاندار کی آنکھوں میں اتری بے قراری نیل بر تک پہنچ سکی تھی، اس نے پلکوں کی چلمن گرا رکھی تھی۔

”بولو نیل بر۔“ اس کا اصرار اور پیار بڑھنے لگا تھا، نیل بر پیچھے ہوئی۔

”چھوڑ دو تو۔“

”چھوڑنے کے لئے نہیں پکڑا، یہ بات بہت مرتبہ بتا چکا ہوں۔“ اس نے نیل بر کی ملائم ناک دبائی تھی، اس کے رس بھرے گالوں کو سہلایا تھا، اس کی صبیح پیشانی کو چوما تھا، اس کے پیار کرنے کے سارے انداز جدا ہوتے تھے۔

”تم روئی ہو؟“ جہاندار کے بڑھتے اصرار پر نیل بر نے سر ہلایا۔

”کیوں؟“ وہ بے قرار ہوا تھا۔

"ڈر گئی تھی کیا؟"

"ہاں..... نا۔" نیل بر اچانک پریشان ہو گئی۔

"مگر کیوں؟ اتنی دفع بولا ہے، بے فکر ہو کر سویا کرو، یہاں کوئی خطرہ نہیں۔" اس نے نیل بر کا گداز ہاتھ سہلاتے ہوئے یکے بعد دیگرے بہت دفع چوما، شاید وہ رات والے اس کے خوف کا ازالہ کرنا چاہتا تھا، یا وہ اسے سوئی جاگی لگ ہی اتنی خوب صورت رہی تھی، وہ اپنی نگاہیں ہٹا نہیں پا رہا تھا۔

"میں ڈر گئی تھی خواب میں۔" نیل بر کی آواز مدہم ہو گئی تھی، شاید وہ خواب کے اثر میں چلی گئی تھی۔

"اوف..... خواب میں؟" جہاندار نے سر جھٹکا، جیسے اس کے ذہن سے کوئی بوجھ سرک گیا تھا۔

"ہاں..... بہت برا خواب تھا جہاندار، اور بہت تسلسل سے آ رہا ہے، ہر روز، ایک ہی وقت میں، بار بار ڈسٹرب کرتا ہے بار بار۔" وہ الجھتے ہوئے بتا رہی تھی۔

"اور میں خواب میں روتی ہوں اور جب آنکھ کھلتی ہے تو میرے آنسو نکل رہے ہوتے ہیں، ایسا کبھی نہیں ہوا جہاندار۔" نیل بر نے گھبرا کر اس کا بازو تھام لیا۔

"ایسے ہی خیال ہوتے ہیں خواب، وہم نہیں کرو۔" وہ اس کا خوف کم کرنا چاہتا تھا۔

"وہم نہیں، کوئی حقیقت ہے جہاندار، اتنی تسلسل سے خواب نہیں آتے اور ایسے خواب؟" اس نے زوردار جھرجھری لی تھی۔

"کیسے خواب؟" شاید وہ تفصیل پوچھنا چاہ رہا تھا۔

"جہاندار!" وہ اس کا بازو پکڑ کر بے قراری سے بولی تھی۔

"بہت عجیب خواب ہے، میں بابا کو دیکھتی ہوں، پریشان، دھول اڑے، گرد سے بھرے، جیسے آندھی چلتی ہے اور بہت سی مٹی اور کاغذ اڑتے ہیں، اتنی مٹی کوئی منظر واضح نہیں ہوتا، میں گولیوں کا شور سنتی ہوں، بہت سا غبار اور بہت سی مٹی ہے، گرد کی مٹی دیوار کے پیچھے بس گولیوں کا شور ہے اور اس کے بعد طویل سناٹا، اچانک میں خود کو خون آلود دیکھتی ہوں اور چلاتی ہوں کہ میرے اوپر اتنا خون کہاں سے آتا ہے؟ پھر گرد کی دیوار ہٹ جاتی ہے، مجھے بابا اپنی طرف بھاگتے ہانپتے دکھائی دیتے ہیں، ان کے ہاتھ میں بندوق ہے اور وہ ایک ہی بندوق ہے، وہ کبھی مجھے دیکھتے ہیں، کبھی بندوق کو دیکھتے ہیں، اس میں کوئی اور گولی نہیں، اس لئے کہ اس بندوق کی ساری گولیاں میرے وجود میں اتر چکی ہوتی ہیں جہاندار! اور بابا مجھے زخمی دیکھ کر ڈھے جاتے ہیں اور روتے ہیں اور پھر ایک دم شور اٹھتا ہے، نیل بر مر گئی اور بستی میں یہی اعلان ہوتا ہے۔" نیل بر کے کپکپاتے ہونٹ نیلے ہونے لگے تھے، جہاندار نے یکدم اس کے ہونٹوں پہ اپنے ہاتھ رکھ دیئے تھے۔

جہاندار پوری جان سے کانپ گیا تھا۔

"اتنا بھیانک خواب؟" اسے جھرجھری سی آئی۔

"ایسا کچھ نہیں، تمہیں کچھ نہیں ہوا، تم ٹھیک ہو خواب، خیال ہوتے ہیں، وہم نہیں کرتے۔" وہ

اس کو اپنے بازوؤں میں دبوچ کر اس کی کمر پیار سے سہلا رہا تھا، جیسے کوئی چھوٹے بچے کو خوف سے چھٹکارا دلانے کے لئے تسلی دیتا ہے، اس کا تسلی دینے کا انداز بہت پیار بھرا تھا۔

"جہاندار..... یہ وہم ہے تو بہت ہی بھیانک، خواب ہے تو انتہائی ڈراؤنا، اتنی تسلسل سے کیوں آتا ہے۔" وہ کانپتے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"اس خواب کو سوچ کے مت سویا کرو۔" وہ نرمی سے اسے چومتا ہوا تسلی دے رہا تھا۔

"میرے ہوتے ہوئے تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔"

"مگر میرا دل بجھ کیوں رہا ہے جہاندار، جیسے جیسے ڈلیوری کا ٹائم نزدیک آ رہا ہے، میرا دل بجھتا جا رہا ہے۔" وہ شدید الجھن اور خوف کا شکار تھی، جہاندار خود پریشان تھا، وہ اس قدر زود رنج کیوں ہے، حالانکہ اب تو وہ نیل بر کے سامنے بدلے اور انتقام کی بات بھی نہیں کرتا تھا۔

"ہم نے تو پولو میچ بھی نہیں کھیلا، تمہارے اسی خوف کے سبب۔"

"جہاندار ہم کہیں دور چلے جائیں۔" اس نے اچانک ایک عجیب فرمائش کر دی تھی، جہاندار اس کی ہرنی جیسی آنکھوں میں خوف ہی خوف دیکھ رہا تھا، اس نے نیل بر کا خوف مزید نہیں بڑھایا، بلکہ اسے تسلی دی۔

"ٹھیک ہے، چلیں گے، مگر تم پریشان نہ ہو، اگر تم پریشان ہو گئی تو میں الجھ جاؤں گا، میں مینٹلی ڈسٹرب ہو جاؤں گا، تم شاید کبھی نہ سمجھو، میں تمہیں پریشان نہیں دیکھ سکتا۔" وہ ہاتھوں کو مسلتا خود بھی الجھن زدہ لگ رہا تھا، ہاں نیل بر کی اداسی اور رنج جہاندار کو بے قرار کر دیتے تھے، وہ اسے کیسے بتا پاتا، وہ اس کے دل اور روح میں سرائیت کر چکی تھی، وہ اس کی محبت میں بہت آگے تھا، شاید نیل بر کبھی سمجھ ہی نہ پاتی۔

"جہاندار! میں اپنے بابا کو بہت مس کرتی ہوں، مجھے لگتا ہے، میرے بابا مجھے ملنا چاہتے ہیں، وہ مجھ سے اداس ہیں، ان کی آنکھوں میں میرے لئے انتظار ہے، وہ میری یاد میں ہیں۔" جہاندار کی بے انتہا نرمی اور پیار محسوس کر کے نیل بر نے بہت دنوں سے دل میں مچلتی بات کہہ رہی تھی، جہاندار ایک دم خاموش ہو گیا تھا، اتنا خاموش کہ نیل بر کو گمان ہوا، جیسے اس میں سانس اور آواز نہیں رہی۔

"جہاندار!" نیل بر نے اسے ڈرتے ڈرتے پکارا تھا۔

"میں جانتی ہوں، تمہارے لئے مشکل ہے، مگر میں دل کے ہاتھوں مجبور ہوں، میں اداس ہوں، میں بابا سے ملنا چاہتی ہوں، وہ میرے لئے تڑپ رہے ہیں۔"

"ہاں، دل کے ہاتھوں بندہ مجبور ہو ہی جاتا ہے، جیسے میں مجبور ہو جاتا ہوں، ایسے ہی رقیب، شریک اور دشمن کی بیٹی سے دل نہیں لگا لیا، بندہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو جاتا ہے۔" وہ شاید خود کلامی کر رہا تھا، اس کے الفاظ اتنے مدہم تھے کہ نیل بر سن نہیں سکی تھی۔

"جہاندار..... بہت مشکل ہو گا تمہارے لئے، مگر میرے بابا ہیں نا وہ..... چاہے تمہارے دشمن ہی سہی، جانتی ہوں، تمہارے گھر کو انہوں نے اجاڑ دیا تھا، مگر میرے تو بابا ہیں وہ، مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں، پیار نہ کرتے ہوتے تو میرا نکاح تم سے نہ کرواتے، دہشت خان کے کسی

بیٹے سے کروا دیے، انہیں لگا ہو گا میرے لیے تم کتنے بہترین ہو، اس لیے صندیر خان کے فیصلے پہ خاموش رہے، ورنہ صندیر خان جتنا بھی جرأت مند بن کر فیصلے کرتا رہے، میرے بابا سے ٹکرا نہیں سکتا۔" وہ بھی دھیمی آواز میں بول رہی تھی یا شاید اپنے قرب اور محبت سے جہاندار کو رام کرنا چاہتی تھی، جیسے اسے یقین تھا، وہ رام ہو جائے گا اور وہ مان جائے گا۔

"تمہارے بابا کی اس ایک مہربانی کے صدقے کچھ گناہ اس کے معاف کر دوں۔" اچانک اس کی خوبصورت آنکھوں میں چمک سی اتری تھی۔

"یہ مہربانی کیا کم ہے؟ جو سردار کبیر بگٹو نے نیل بر کبیر خان مجھے عنایت کر دی؟ اس مہربانی کے صدقے میں ان کے کچھ گناہ تو کم کر سکتا ہوں۔" اس کی آنکھوں میں ہچکولے لیتی چمک اب جم رہی تھی، نیل بر نے بے یقینی سے اسے دیکھا اور پھر یک ٹک دیکھتی رہی، جہاندار کا وجیہہ چہرہ اس کے دل میں قطرہ قطرہ اتر گیا تھا، وہ آج سے پہلے نیل بر کو اتنا حسین اتنا حسین کبھی نہیں لگا تھا۔

نیل بر ایک ٹرانس میں اسے دیکھ رہی تھی، جیسے اتنا پیارا چہرہ کبھی دوبارہ دیکھنا نصیب ہی نہ ہو، وہ اسے عمر بھر کے لئے بس آج ہی دیکھنا چاہ رہی تھی اور اس کا دل اچانک بھر بھر آیا تھا، دیکھتے ہی دیکھتے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

اسے تو آج ہی پتہ چلا تھا، جہاندار سے اسے اتنی شدید محبت تھی، اتنی شدید۔

"کیا تم میرے بابا کو معاف کر سکتے ہو؟" نیل بر کے ہونٹ التجا بن گئے تھے۔

"ان کے کچھ گناہ، بس کچھ گناہ، انہوں نے مجھے نیل بر عنایت کر دی، یہ کیا کم مہربانی تھی؟ جانتے بوجھتے انہوں نے مجھے نیل بر عنایت کر دی، کیا انہیں یقین تھا میں اتنا رحم دل ہوں جو ان کی بیٹی سے کوئی انتقام نہیں لوں گا؟ یا انہیں یقین تھا، نیل بر مجھے موم کر دے گی؟" وہ شاید خود کلامی کر رہا تھا، نیل بر اب بھی ایک ٹرانس کے عالم میں اسے دیکھ رہی تھی، اس کا دل جہاندار کو دیکھ دیکھ کر نہیں بھر رہا تھا، وہ اس کی باتیں کہاں سن رہی تھی۔

"وہ چاہتے تو میرے ساتھ خون بہا کا معاملہ کر سکتے تھے، دیت، معافی یا خون بہا، انہوں نے میرے ساتھ خون بہا میں تمہیں دینے کا فیصلہ نہیں کیا؟ کیا میں مان لوں کہ سردار بگٹو کو خبر ہی نہیں تھی کہ میں کون ہوں؟" جہاندار کے اگلے الفاظ نے نیل بر کا ٹرانس توڑ دیا تھا، وہ جہاندار کی باتوں کو سمجھتے ہوئے بے خیالی میں بولی تھی۔

"شاید انہیں خبر نہیں ہو گی۔"

"یہ ابہام دور نہیں ہو سکتا، میں اس چالاک سردار کو جانتا نہ ہوتا تو اس کی بے خبری کو سات سلام کرتا، اپنے دشمن کو اپنا دست راست بنا کر اتنے سال اپنے گھر میں رکھا، جاتے جاتے اپنا قیمتی سرمایہ میرے ہاتھ تھما دیا، کیا انہیں یقین تھا، نیل بر کو معافی کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے؟" جہاندار کا انداز ہنوز خود کلامی والا تھا، نیل بر نے بے ساختہ نفی میں سر ہلایا۔

"تم ان کے گمان سے بہت آگے کی باتیں کر رہے ہو۔"

"شاید ایسا ہی ہو۔" اس نے بحث نہیں کی تھی۔

"میں چاہتا تو بہت کچھ کر سکتا تھا، نیل بر ایک ایسا طوطا ہے جس کے اندر سردار بگٹو کی جان بند

... گردن دبا دوں تو سردار خود بخود اپنی موت ہی مر جائے، مگر سردار اتنی آسان ... مرے، یہ میں نے کبھی خیال میں بھی نہیں سوچا، سردار کو مرنا ہی نہیں چاہیے، اسے سسک سسک کر زندہ دیکھنا میری خواہش ہے اور یہی میرا انتقام بھی ہے، بگٹو محل والوں نے سوچا ہو گا، جہاندار یہاں خون کی ندیاں بہا دے گا، آگ لگا دے گا، تباہی لے آئے گا؟ جتنے چھوٹے ان لوگوں کے ظرف ہیں، اتنی چھوٹی ان لوگوں کی سوچ ہے، جہاندار ایسا کبھی نہیں کرے گا اور راقم ہماری تاریخ سنہرے حرفوں میں رقم کرے گا، ہماری کہانی عام کہانی نہیں ہو گی، یہ عام محبت انتقام، جنگ اور نفرت کی کہانی نہیں ہے، یہ کہانی بہت انوکھی ہو گی اور اس کا انجام لوگوں کے تصور اور خیالوں سے الگ ہو گا۔" جہاندار کی روشن آنکھوں میں قندیلیں جل اٹھی تھیں۔

"آؤ نیل بر میں تمہیں تمہارے باپ سے ملوا لاتا ہوں۔" اس نے اپنا ہاتھ پھیلا کر نیل بر کی طرف دیکھا تھا، اس پر جیسے شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی۔

جہاندار اس کے باپ کے خون کا پیاسا تھا، نفرت، آگ اور انتقام کے بیچ جہاندار کچھ الگ کرنے جا رہا تھا؟ وہ کیا الگ کرنے جا رہا تھا؟ کیا واقعی راقم ان کی کہانی کے اختتام پہ الجھ جائے گا؟ اور اس کہانی کو عام انداز میں لکھتے لکھتے ٹھٹک جائے گا؟

یہ کہانی ایک عام اور روایتی انجام سے دوچار ہوتے ہوتے بے مثال لاجواب بن جائے گی؟ جسے مدتوں یاد رکھا جائے گا۔

حیرت بھرے انداز میں وہ چینی کی گڑیا سوچ رہی تھی، جو ایک الگ قوم، نسل، معاشرے اور وطن سے تعلق رکھنے کے باوجود پربتوں میں بسنے والی بیٹیوں سے الگ نہیں لگتی تھی۔

وہ یہاں آ کر ان کے جیسی بن گئی تھی، محبت پرست، رشتوں پہ جان دینے والی، وفا اور عزت کی لاج رکھنے والی؟ وہ نیل بر کبیر خان نہیں، وفا کی مورت بن گئی تھی۔

"اگر تم مشکل میں ہو تو یہ فیصلہ واپس لے لو جہاندار۔" اس کی جہاندار سے محبت کی انتہا کا تقاضا یہی تھا، وہ اسے تکلیف سے نہ گزارتی، جہاندار لحہ بھر کے لئے رک گیا، ایک پیار بھری نگاہ سے نوازا اور بولا۔

"میری جان نیل بر، جہاندار کو ہمیشہ مشکل کام پسند آتے ہیں، مشکلات سے کھیلتا آیا ہوں، ایک اور مشکل کھیل سہی۔" اس نے نیل بر کا ہاتھ پکڑا اور حویلی کی راہداریوں میں چلنے لگا، ہر قدم پہ اسے فرخزاد یاد آتا تھا، ہر قدم پر اسے شیر شاہ یاد آتا تھا۔

"واہ، جہاندار بڑے وفادار ہو، بڑے عہد دار ہو؟ اتنا ہی پیار تھا ہم سے بس، اپنے دشمن اور ہمارے قاتل سے ملنے جا رہے ہو، کس جگرے سے سردار کبیر بگٹو کے سامنے کھڑے ہو گئے؟ کیسے اس سے نظر ملاؤ گے، اس کی آنکھوں میں ہمارا ناحق خون تمہیں دکھائی نہ دے گا؟ آہ...... جہانی...... میں تمہیں روک نہیں سکتا۔"

ہر راہداری میں بھی فرخزاد کی جاگتی بولتی تصویر جہاندار کے قدم روک لیتی تھی، وہ رکتا، ٹھہرتا اور پھر چل پڑتا تھا۔

"آہ...... جہانی؟ میں تمہیں روکنے کی طاقت نہیں رکھتا، سالوں پہلے جب ہمیں بے گناہ

موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا، جب تم لاپتہ تھے، جب تم واپس آئے اور پھر پلٹ گئے تھے، پھر بھی ہم تمہیں روک نہیں سکے تھے، ہم اب بھی تمہیں روکنے کی قدرت نہیں رکھتے۔'' فرخزاد کے ساتھ ساتھ اب شیر شاہ لالا کی بازگشت بھی سنائی دینے لگی تھی۔

''اپنے پیچھے ہم نے تمہیں اپنا وارث چھوڑا تھا جہاندار، تم ہمارے وارث ہو، چاہو تو دیت لو، خون بہا لو، انتقام لو، یا معاف کردو، وارثوں کی صوابدید پہ مقتولوں کے فیصلے چھوڑ دیئے جاتے ہیں، تم بدلہ لو گے تو تم پر گناہ نہیں ہوگا، بس ایسا کرنا بدلہ لیتے ہوئے حد سے تجاوز نہ کرنا اور اگر دیت لو گے تو ان کے گناہ جھڑ جائیں گے، اگر خون بہا میں قتل کا بدلہ قتل کرو گے تو ترازو میں توازن آجائے گا اور ان سب سے بہت آگے بہت بلند، بہت اونچا ایک اور عمل بھی ہے، اگر تم ہمارے خون کے بدلے ''معاف'' کر آؤ گے، تو اس جہان اور اس جہان میں ہمارے اور تمہارے لئے انعامات اور اجر وثواب خدا کی طرف سے ہوگا، اب چاہو جو مرضی فیصلہ کرو۔''

''ہم نے تمہیں اپنا وارث مانا ہے، اپنے پیچھے صدقہ جاریہ چھوڑا ہے، تم جو چاہو ہمارے لئے فیصلہ کرو، ہم تم سے خفا نہیں ہیں، ہم تم سے راضی ہیں جہاندار۔''

شیر شاہ کی بازگشت نے جہاندار کے اندر بھونچال لا کھڑا کیا تھا، اس کے اٹھتے قدم من من بھر کے ہو گئے تھے، اس نے حویلی کی دہلیز پہ کھڑے ہو کر مغرور بالکونیوں والی اس خالی حویلی کو آخری مرتبہ دیکھا تھا، اسے ہر بالکونی میں ایک اپنا پیارا جان عزیز چہرہ دکھائی دیا۔

وہ الوداعی انداز میں ہاتھ ہلا رہے تھے، شیر یار لالا اور فرخزاد، ان کے روشن مسکراتے چہرے اس نے پہلے قدمچے پہ دیکھا، وہاں اماں اور بابا کھڑے تھے، یوں لگ رہا تھا، اسے اللہ کی امان میں دے رہے ہیں۔

''جاؤ جہاندار، ایسا فیصلہ کر کے آؤ، جو مومنوں کا شیوہ ہے، جو جگر دار لوگ کرتے ہیں، جو ظرف والے کرتے ہیں، جو اللہ والے کرتے ہیں، جو نرم دل والے کرتے ہیں۔''

''اے ہمارے وارث! ہمیں تھوڑی سی شاباشی اور ذرا سے دنیاوی فائدے اور خوشی کے لئے شرمسار نہیں کرنا، ہمیں سرخرو کرنا، دونوں جہانوں میں اللہ کی رحمتیں تم پر ہوں، ہم تمہارے فیصلے کے انتظار میں ہیں۔'' جہاندار نے اماں اور بابا سے نگاہ ہٹا کر اور پرمغرور بالکونیوں میں اپنے شیر جوان بھائیوں کو دیکھا تھا، اسے لگا، ان دونوں کو اماں اور بابا سے کوئی اختلاف نہیں ہے، وہ دونوں بھی چاہتے تھے، جہاندار فریدے شاہ بڑے دل اور بڑے ظرف والے لوگوں کی طرح ایک بڑا اور عظیم فیصلہ کر کے آئے۔

تو پھر جہاندار نے اپنے دل جذبات اور دنیاوی شاباشی سے قطع نظر بڑے دل اور بڑے ظرف کے ساتھ ایک بڑا فیصلہ کرنے کا سوچ لیا تھا، اس نے بہت مضبوطی کے ساتھ نیل بر کا ہاتھ تھاما، نیل بر کو جہاندار کی گرفت میں بہت گرمی بہت سختی محسوس ہوئی تھی، اس نے چونک کر جہاندار کی طرف دیکھا اور دھک سے رہ گئی تھی، اس نے جہاندار کے چہرے پہ زلزلہ دیکھا تھا، ایک حشر تھا، ایک قیامت تھی، جو اس کی لہو رنگ آنکھوں میں برپا تھی، نیل بر کو جہاندار کا چہرہ، آنکھیں، تاثرات بہت غیر معمولی لگے تھے، اس کا خوف سے پھڑکتا دل سکڑ گیا تھا، جہاندار آج کیا کرنے جا

رہا تھا؟

''فکر نہ کرو نیل بر، جہاندار آج تمہارے سارے خوف ساری فکروں کا خاتمہ کرنے جا رہا ہے، جہاندار ایک بڑا فیصلہ کرنے جا رہا ہے۔'' نیل بر کو جہاندار کی آواز سنائی دی تھی اور پھر اس کے اردگرد روشن جگنو چمکنے لگے تھے، نیل بر کو لگا تھا، اس کے پیروں کے نیچے سرخ گلاب بچھ گئے ہیں، اسے لگا وہ ہوا کے رتھ پہ سوار ہو کر اپنے بابا کی اونچی حویلی کی طرف محو سفر تھی، وہ بے خیالی اور بے یقینی کے سفر میں تھی۔

''تو کیا جہاندار بڑے محل والوں کے سارے گناہ معاف کرنے جا رہا تھا؟ تاریخ چلا اٹھے گی، کبھی ایسا بھی ہوا ہے، مقتولین کے ورثا، اپنے پیروں سے چل کر جائیں اور قاتلوں کو اللہ اور اس کے رسول کی خاطر معاف کر آئیں؟''

راقم تاریخ لکھتے ہوئے چلا اٹھے گا۔

یہ نیل بر کا خیال تھا، یہ نیل بر کا بہت قوی خیال تھا۔

اس لمحے وہ پربتوں میں بھٹک کر آئی دور دیس کی شہزادی جانتی ہی نہیں تھی کہ راقم تاریخ لکھتے صرف چلائے گا ہی نہیں، آنسوؤں سے روئے گا بھی، اپنے دامن کو اشکوں سے بھگوئے گا بھی، کیونکہ نیل بر کے صدقے دی جانے والی یہ معافی خون آلود قلم سے لکھی جانے والی تھی۔

☆☆☆

ولید اسے اپنے سامنے دیکھ کر ششدر رہ گیا تھا۔

''تم اس پہر کیوں آئی ہو؟''

''تو پھر گھر سے کیسے نکلتی؟'' عروفہ نے تنک کر کہا تھا۔

''تو نہ نکلتی، تمہارا دماغ خراب ہے۔'' ولید دانت کچکچا کر رہ گیا تھا۔

''میرا دماغ تمہیں ٹھیک کب لگا ہے؟ میرا واقعی دماغ خراب ہے۔'' عروفہ نے غصے میں تلملا کر جواب دیا تھا۔

''مگر تم یہاں کیوں آئی ہو؟'' ولید کا دماغ بھک سے اڑ رہا تھا۔

''تم جانتی ہو، تمہارا یہاں آنا کتنا خطرناک ہے؟'' اس کا بس نہیں چل رہا تھا عروفہ کی گردن مروڑ دیتا۔

''اور میرا واپس جانا کتنا خطرناک ہے، تم یہ نہیں جانتے؟'' وہ زہر خند ہوئی تھی۔

''دن کو مل جو لیتے ہیں، اب رات کے اس پہر آنا ضروری نہیں تھا۔'' ولید کو اپنا لہجہ بدلنا پڑا تھا، اب وہ اسے رام کر کے واپس بھیجنا چاہ رہا تھا، اگلی صبح اس کو نکلنا نہیں، اب وہ اس مصیبت سے جان چھڑوانا چاہ رہا تھا، اسے عروفہ اپنے گلے پڑتی نظر آ رہی تھی، کہاں نشرہ جیسی پری پیکر اور کہاں یہ بدتمیز جنگلی پہاڑی ان پڑھ لڑکی، وہ دوبئی کی چکاچوند چھوڑ کر اس لئے نہیں آیا تھا کہ یہ بیوقوف لڑکی اس کے گلے پڑ جائے۔

''میں واپس جانے کے لئے نہیں آئی، میں نے تمہیں بتایا تو ہے۔'' اس نے ضدی انداز میں کہا تھا۔

"تو پھر کس لئے آئی ہو؟" ولید نے تنگ کر پوچھا۔

"تمہارے ساتھ جانے کے لئے۔" عروفہ نے بے خوفی سے جتایا تھا، ولید کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔

"تم اپنے حواسوں میں نہیں ہو، بہتر ہے، اپنے حواسوں میں آ جاؤ، میں نے کب کہا، تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گا۔" وہ آگ بگولہ ہو گیا تھا۔

"تو پھر مجھے فون کیوں کرتے تھے؟" عروفہ اب کے مدہم ہوئی تھی۔

"تمہارے عشق میں نہیں کرتا تھا، فضول عورت۔" وہ بھنایا۔

"تو کیا تمہیں مجھ سے محبت نہیں۔" عروفہ کو دھچکا لگا تھا، اس کے خوابوں کا شیش محل گر پڑا، وہ ولید کی لمبی کالز، پیار بھری باتیں، اس کے پیچھے یہاں آنا، تعریفیں، ملنا ملانا، تحفے دینا، یہ سب کیا تھا؟

"میں پاگل ہوں جو تم سے محبت کروں گا؟" ولید نے آنکھیں ہی ماتھے پر رکھ لی تھیں، اب اس بلا سے جان بھی تو چھڑوانی تھی، عروفہ کو ایک مرتبہ پھر دھچکا لگا۔

"شہروں میں لڑکا لڑکی کے ملنے، تعریف کرنے، فون پر بات کرنے کا یہ مطلب نہیں ہوتا، لڑکا لڑکی سے محبت کرتا ہے، یا لڑکی اس لڑکے کے ساتھ بھاگ جائے، چھوٹی سی بستی میں رہنے والی جاہل لڑکی، ان باتوں کا یہ مطلب نہیں ہوتا، میں ضرور تم سے رابطہ کرتا تھا، میری ضرورت ختم ہو چکی ہے، میرا کام ہوا نہیں، اس لئے تم سے رابطہ بھی ختم، بہتر ہے مجھے برا خواب سمجھ کر بھول جاؤ، ویسے بھی میں نے تم سے شادی کا کوئی وعدہ نہیں کیا ہوا، اب تم جاؤ، مجھے نیند آ رہی ہے، جاؤ گی نہیں تو میں سیکورٹی کو بلا لوں گا۔" بہت نرمی سے سمجھاتے ہوئے اس نے عروفہ کی خوش فہمیوں کے بت کو پاش پاش کر دیا تھا، وہ منہ کھول کر اسے دیکھتی جا رہی تھی۔

اس کے پاس اب کہنے کے لئے کچھ نہیں تھا، اس کا غرور اور عزت نفس کا بت بکھر گیا تھا، اس کے حواس اڑ گئے تھے، اس کا دل بھر گیا تھا، ولید اس سے چند ہی لمحوں میں دور ہو گیا تھا، جبکہ عروفہ واپس آتے ہوئے اپنے حواسوں میں نہیں تھی، اس کا دل چاہا، وہ ولید کو مار ڈالے مگر ولید اس کی پہنچ سے بہت دور ہو چکا تھا۔

واپسی کے راستے ہمیشہ دشوار ہوتے ہیں، وہ بھی انہی دشوار رستوں پہ چل رہی تھی، اسے ولید کا دھوکہ مار رہا تھا، کیسے وہ ہر چیز سے مکر گیا تھا، پہلے اسے چاند کا ٹکڑا کہنے والا اب اسے سو سو باتیں سنا گیا تھا، ہاں اس نے شادی کا کوئی وعدہ نہیں کیا تھا، مگر خواب بہت اونچے دکھائے تھے، وہ اسے برزخ میں سے نکالنے کے دعوے کرنے والا اندھی کھائی میں جھونک کر بھاگ گیا تھا۔

پل پر چلتے ہوئے اپنے گھر والوں سے خوف آیا تھا، اسے اپنا بھائی یاد آیا، اس کی غیرت یاد آئی، اس کا تن کر چلنا یاد آیا، وہ اونچی آواز میں رونے لگی تھی، وہ پاگلوں کی طرح رونے لگی تھی، پل کے کنارے پہ کھڑے ہو کر وہ اپنا سارا کرب سارا درد یہاں اس دریا میں بہا دینا چاہتی تھی، اسے روز گل کی محبت اور وفا کا خیال آیا۔

عروفہ کو خود سے نفرت ہونے لگی تھی، اپنی خودی، غرور اور انا کے پیچھے وہ اپنوں سے اتنا دور تھی

کہ آج اس تاریک گڑھے کے کنارے آ چکی تھی، اسے نشرہ کو گھر سے نکالنا یاد آیا، وہ سر پٹخ کر رونے لگی، اپنے گناہ اور نامہ اعمال یاد آتے ہی دل کی بے قراری بڑھ گئی تھی۔

ولید کی بے وفائی نے اسے بے حواس کر دیا تھا، وہ پل پر اندھا دھند بھاگنے لگی، پاگلوں کی طرح روتے چلاتے وہ ہیام کو آوازیں دے رہی تھی، پھر اسے دور سے ایک لائٹ اپنی طرف آتی دکھائی دی تھی، کوئی ہیولا اس کی طرف بھاگ رہا تھا، عروفہ نے سنا، وہ ہیام تھا، جو اسے آوازیں دے رہا تھا، عروفہ نے آواز پہچان لی تھی، اب وہ ہیام کی طرف اندھا دھند غلط سمت میں بھاگ رہی تھی، رات کی تاریکی میں بے حواس عروفہ کو سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی۔

"ہیام میں ٹھیک ہوں میرے پاس آؤ۔" وہ ہیام کے پوچھنے پر "عروفہ تم ٹھیک ہو، کہاں ہو، رکو میں آ رہا ہوں" کے جواب میں چلا رہی تھی، اسے خبر ہی نہیں ہوئی کہ پل کب ختم ہوا، اس کا پاؤں کیسے رپٹا اور وہ کس طرح دریا میں جا گری، اس کی آخری چیخ درد بھری وادی میں سنائی دی تھی اور اس کے بعد دریا کی شوریدہ لہروں میں عروفہ ہمیشہ کے لئے ڈوب گئی، ہیام کے پہنچنے تک عروفہ کا نام بھی مٹ چکا تھا۔

☆☆☆

"مجھے تم پر اعتبار نہیں۔" یہ الفاظ نہیں تھے چابک تھے، جو یکے بعد دیگرے صندیر خان کے وجود پر لگے تھے، وہ دم بخود سا کوے کو دیکھنے لگا، اتنی بے یقینی کے ساتھ کہ کوے کو بھی خیال آیا، اپنے لفظوں پہ غور کرنے کا اور اس کے بعد بھی کوے کی ڈھٹائی قائم تھی۔

جو کام کوے کی اتنے ہفتوں کی منتیں نہیں کر سکی تھیں، وہ کام دو لفظوں نے کر دیا تھا، کوے کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔

"تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں، تو تم جا سکتی ہو کوے، اب تم ایک لمحے کے لئے بھی یہاں نہیں رک سکتی، اس لئے کہ تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے، صندیر خان سب کچھ برداشت کر سکتا ہے مگر بے اعتباری نہیں۔" کچھ دیر بعد صندیر خان نے بہت فیصلہ کن انداز میں کہا تھا، کوے پر تو شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔

"میں اپنے گھر جا رہی ہوں۔" وہ بے یقینی سے چلا اٹھی تھی۔

"چاہتا تو تم کہیں بھی نہیں جا سکتی تھی، اپنے گھر کا تو تصور ہی بہت دور ہے، میں اگر چاہتا تو تمہیں دو لمحوں میں بے بس کر ڈالتا اور اگر چاہتا تو قانونی و شرعی طور پر بھی تمہیں اپنا بنا لیتا، تمہارا اعتبار جیتنے کے لئے ہی تو میں نے اتنی محنت کی، اتنا تردد کیا، اپنوں کی نظروں میں مشکوک ہوا۔" صندیر خان دھیمی پرسوز آواز میں کہہ رہا تھا، حالانکہ یہ نہ تو اس کا انداز تھا نہ مزاج تھا۔

کوے کی ساری طراری ہوا ہو گئی تھی، وہ جو ہمیشہ کی طرح اسے برا بھلا کہتے لڑائی کر رہی تھی، اچانک ہی اسے بدنیتی کے طعنے دے بیٹھی، جس پر صندیر خان نے اچانک اسے واپس جانے کا عندیہ سنا دیا تھا۔

"یہ جو تم نے میرے لئے کیا۔" ابھی وہ کچھ بولنا چاہتی تھی کہ صندیر خان اسے روک دیا تھا۔

"میں نے تمہارے لئے کچھ نہیں کیا، جو کچھ کیا ہے، اپنی محبت کے لئے کیا ہے، یا انسانیت

کے ناطے بجھ لو اور میں اس کا کوئی ریوارڈ نہیں چاہتا، تمہارے پاس آدھا گھنٹہ ہے تیار ہو جاؤ، میں تمہیں اپنے ڈرائیور کے ساتھ نہیں بھیجوں گا، نہ تمہیں خود چھوڑنے جاؤں گا، چاہوں تو تمہیں جانے ہی نہ دوں، مگر اب کوئی فائدہ نہیں، میں تم پر اپنا اعتبار بحال نہیں کر سکا، اس بات کا مجھے افسوس رہے گا، کہ مجھ میں اتنے گٹس ہی نہیں کہ کسی کومل لڑکی کو اپنا بنا سکوں، شاید تمہارے خیال میں یہ تھا، میں تمہیں کسی انتقام کی وجہ سے اپنے پاس قید میں رکھ رہا ہوں، ایسا نہیں ہے کوے، اگر میں چاہتا تو تمہیں امام کے کیئے کی ہی سزا دے دیتا، مگر امام کے کیے کی سزا میں تمہیں کیوں دیتا؟ تمہارا اس میں کیا قصور تھا؟ جو کچھ امام نے کیا، میں نے اسے تمہارے صدقے معاف کر دیا، حالانکہ سردار بٹو کی بیٹی کو گھر سے بھگا کر لے جانے کا جرم اتنا معمولی نہیں تھا، جس کی سزا ٹانگیں توڑنا ہی ہوتی، میں چاہتا تو اسے موت کے گھاٹ اتار دیتا، مگر میں نے ایسا نہیں کیا، کر ہی نہیں سکتا تھا، اس لئے نہیں کہ تم امام فریدے شاہ کی بہن ہو، اس لئے نہیں کہ تمہارا حوالہ امام سے جڑا ہے، اس لئے کوے گلفام خان کہ تم میرا اپنا خون ہو، تم گلفام خان کی بیٹی ہو، اگر تم گلفام خان کی بیٹی نہ بھی ہوتی، میں تب بھی تمہیں اتنی ہی عزت دیتا اور اتنی ہی عزت و آبرو کے ساتھ رخصت کرتا، مگر اب معاملہ جدا ہے، اب یہ بھی نہیں کہ مجھ پر راتوں رات کوئی وحی اتری ہے اور میں اس انکشاف سے ابھی باعلم ہوا ہوں، ایسا بھی نہیں تھا جب تم پر دل آیا، وہ ایک چیریٹی شو تھا جس میں تمہیں دیکھا اور اسیر ہوا اور یہ کوئی عام بات نہیں تھی، صندیر خان کسی کا اسیر ہوا تھا، اگلے چند گھنٹوں میں شجرہ کھنگال ڈالا، پہلے تو یہ انکشاف ہوا تک تم ہمارے جدی پشتی حریفوں کی بیٹی ہو، ہماری طرف تمہارا بڑا نقصان ہے، مگر کچھ تفتیش کی تو پتہ چلا، تم تو ہمارا اپنا ہی خون ہو، تب سے لے کر اب تک تم پر اپنی نظر رکھی ہے، تمہیں اپنے حصار اپنی حفاظت میں رکھا ہے، تم پر آنچ نہیں آنے دی اور تم نے دو لمحوں میں مجھے بے اعتبار کر دیا۔" صندیر خان کے انکشافات نے کوے کو ہلا کر رکھ دیا تھا، ایک دم اتنے بڑے بڑے انکشافات نے اسے چکرا دیا۔

"یہ تم کیا اول فول بک رہے ہو، لگتا تم حواسوں میں نہیں ہو۔" کوے چلا اٹھی تھی۔

"میں شیر شاہ فریدے کی بیٹی ہوں، امام کی بہن ہوں۔"

"امام کی بہن ہو، خالہ زاد بہن، مگر بیٹی تم گلفام خان کی ہو، اگر یقین نہیں آتا تو جا کر اپنی والدہ پلوشہ سے پوچھ لینا۔" صندیر خان نے اس کے اڑی رنگت والے چہرے کو دیکھ کر نرمی سے کہا۔

"پلوشہ؟ وہ میری خالہ ہیں، امی نہیں ہیں۔" کوے کا دماغ بھک سے اڑ گیا تھا، اس کے حواس کھونے لگے تھے۔

"تم پاگل ہو چکے ہو، پتا نہیں کیا اول فول بک رہے ہو۔"

"پلوشہ تمہاری امی ہیں، تمہاری خالہ امام اور ہمان کی امی تھیں، جن کا انتقال ہو چکا ہے، چلو کیا یاد کرو گی، تمہیں تفصیل بتا دیتا ہوں، ورنہ یہ سب تمہیں اپنی والدہ سے پوچھنا چاہیے تھا، جن کی ایک خالی قبر ہم نے بھی گنہ گار پہاڑی کے پیچھے بنوا رکھی ہے، جس پر حمت ہر جمعرات کو نیاز بانٹتی اور چراغ جلاتی ہے۔" صندیر خان نے کہنا شروع کیا، تو پھر بولتا ہی چلا گیا۔

"ودھا اور فرخزاد کا قتل، تمہارے خالو یعنی امام اور ہمان کے والد شیر شاہ کے قتل پر دونوں حویلیوں میں آندھی اور طوفان اٹھ آیا تھا، چند سال پہلے گلفام چچا نے شیر شاہ کی سالی پلوشہ سے دوسری شادی کر لی تھی، بعد ازاں ان کو بٹو محل میں لے آئے تھے، ودھا ان کی یعنی گلفام چچا کی مرحومہ بیوی میں سے پہلی پلوٹھی کی اولاد تھی، اپنی بیوی کی وفات کے بعد بہت سال انہوں نے شادی نہیں کی تھی، یہ تو پلوشہ کی ان سے شدید محبت تھی، جو انہوں نے شادی کر لی، گلفام چچا بہت امن پسند، صلح جو اور درویش منش انسان تھے، پلوشہ سے ان کی دو بیٹیاں تھیں، جڑواں بیٹیاں، حمت اور کوے، ودھا کے قتل نے بٹو محل کے مکینوں کو بھی ریزہ ریزہ کر دیا تھا، بستی والوں کا ہی ودھا درد نہیں تھی، وہ بٹو محل والوں کا بھی درد تھی، وہ عمر میں مجھ سے کافی بڑی ہونے کے باوجود میری منگیتر تھی اور منگ چاہے چھوٹی ہو یا بڑی، منگ عزت اور غیرت ہوتی ہے، ودھا کا نام جب بستی والوں کی زبان پہ فرخ زاد کے حوالے سے آیا تو مت پوچھو کہ کیسی کیسی اذیت، درد اور بے عزتی سے گزرنا پڑتا تھا، ودھا کے قتل نے بٹو محل میں سوگ، غم کے ساتھ ساتھ ہراس پیدا کر دیا تھا، تب خانم کی بھی طلاق ہو گئی، خان بابا نے اپنی بیوی کو چار بیٹیوں سمیت طلاق دے کر گھر سے نکال دیا، خانم کے دو بھائیوں کا قاتل ہونے کے ناطے وہ اس رشتے کو مزید قائم بھی نہیں رکھ سکتے تھے، ادھر پلوشہ کی بہن اجڑ گئی تھی، شیر شاہ اس کے بہنوئی تھے، پلوشہ یہاں ہم جیسے جانوروں اور جنگلیوں میں رہنا نہیں چاہتی تھیں، ایک شب انہوں نے اپنی دونوں بیٹیاں اٹھائیں اور گھر سے بھاگ گئیں، حمت کو کیسے ان سے ہتھایا گیا، اس بات کی خبر نہیں، البتہ حمت کی جڑواں کوے کو کسی نہ کسی طریقے وہ اپنے ساتھ لے گئی تھیں اور اس کے بعد شیر شاہ کی بیوی ان کے دو بیٹوں امام اور ہمدان کے ساتھ پلوشہ اور کوے ہمیشہ کے لئے روپوش ہو گئے تھے، شاید وہ کسی ایسے گوشے میں چلے گئے تھے، جہاں قتل، دشمنی، بدلے یا انتقام کی بھاپ بھی ان کے بچوں تک نہ پہنچ پاتی، پلوشہ نے کوے کے چھن جانے کے خوف سے اسے اپنی بھانجی کے نام سے ہی متعارف کروایا، شاید انہیں خوف تھا کہ سردار بٹو کسی نہ کسی طریقے اپنی بھتیجی تک پہنچ کر کوے کو پلوشہ سے دور کر دیں گے، ماضی کے اوراق نے ہر راز کو ڈھانپ دیا تھا، ادھر سردار بٹو نے بھی پلوشہ کی قبر بنوا کر فاتحہ خوانی کروا دی اور حمت کو بتا دیا اس کی ماں مر چکی ہے، یہی اس کہانی کی سچائی ہے، یہی حقیقت ہے، جو تم لوگوں سے چھپائی گئی ہے، ماضی کے پردے میں بہت سی کریہہ سچائیاں ہیں، بہت دردناک حقیقتیں ہیں، بہت کچھ ایسا ہے جو اب خواب اور خیال لگتا ہے، ہم نے بہت کچھ کھو دیا، گلفام چچا اور سب سے بڑھ کر ودھا کو، وہ جو صبیح صبح کی مانند تھی، رات کی تاریکی کا حصہ بن گئی، جس کا نام بھی گناہ تصور کیا جانے لگا، جس کی قبر گنہ گار پہاڑی کے پیچھے بنائی گئی کہ لوگ اسے دیکھ دیکھ کر عبرت پکڑیں، ودھا چلی گئی، مگر اپنے پیچھے بہت سارا درد چھوڑ گئی، اب سوچتا ہوں تو احساس زیاں بڑھنے لگتا ہے، وہ میری ہوتی یا نہ ہوتی مگر زندہ تو ہوتی، وقت نے بہت ساری گرد اڑا دی، کتاب زندگی پہ لکھے بہت سارے لفظ مٹ گئے، باقی کچھ نہیں بچا، جو بچا ہم نے اپنی جھوٹی ضد، انا اور ظاہری شان و شوکت بچانے پہ خرچ کر دیا، تم تک آنے سے پہلے میری زندگی میں کچھ بھی نہیں تھا، شاید بے ثباتی سے بے سبب ہی گزر جاتی، مگر تمہارا آنا، میری زندگی کے بدلاؤ کا سبب بنا ہے، میں تم میں ودھا کو دیکھتا ہوں، وہ

تمہارے جیسی تھی، وہ بے خوف تھی، وہ کمزور نہیں تھی، حمت تم دونوں سے مختلف ہے، حمت ڈرپوک ہے، شاید میں بہت برا ہوں، بہت برا، مگر اتنا بھی نہیں کہ ودھا کو قتل کر دیتا، اتنا بھی نہیں کہ کوے کو قید کر کے اس کی زندگی سزا بنا دیتا، اس لئے ودھا بھی میری محبت کی قید سے آزاد تھی اور تم بھی اس قید سے آزاد ہو، اس لئے کہ محبت قید نہیں ہوتی، میں نے یہاں امام کو بلوایا ہے، جیسے پیام کو بلوایا تھا، یہ پیام نشرہ کو لے گیا ہے ایسے ہی امام تمہیں لے جائے گا، مجھ سے انجانے میں کوئی غلطی ہوئی تو معاف کرنا، تمہاری عزت اور قدر میں کوئی فرق نہیں آنے دیا، وہ لوگ تمہیں مردہ تصور کر چکے تھے، ان کے لئے یہ انکشاف معمولی نہیں تھا۔" صندیر خان کے خاموش ہونے پر کوے بے قراری سے بول اٹھی تھی۔

"تو کیا تم نے میرے گھر اطلاع دے دی؟"

"ہاں، میں نے امام کو سب کچھ بتا دیا۔" صندیر خان نے گہرا پرسکون سانس تازہ فضا کے سپرد کیا تھا، وہ ایک دم ہلکا پھلکا اور شانت ہو گیا تھا۔

"امام بھائی کو سب کچھ پتا چل گیا، سب کچھ؟" کوے حیرت و بے یقینی سے نکل کر پوچھ رہی تھی، خوشی تعجب، میں سب سے بڑھ کر ہیجان آمیز مسرت تھی۔

"اور حمت میری بہن ہے واللہ۔" کوے پہ دیوانگی سوار ہو گئی تھی۔

"مجھے پہلے ہی یقین تھا، حمت میری کھوئی ہوئی بہن لگتی ہے۔" صندیر خان اسے بچوں کی طرح اچھلتے دیکھ کر خوش ہو رہا تھا، اسے ایک گونا اطمینان نے گھیر لیا تھا۔

اس نے پلوشہ کو بھی فون پہ خود بتایا تھا اور پھر ایک ملاقات بھی کی تھی، کیونکہ بہت ساری باتیں فون پر نہیں بتائی جا سکتی تھیں۔

اس کے بعد تو پلوشہ سے ایک منٹ رہا نہیں جا رہا تھا، وہ کوے اور حمت دونوں سے ملنا چاہتی تھیں ایک جسے رو لیا تھا اس کی زندگی کی اطلاع ملی تھی اور جسے سالوں پہلے کھو دیا تھا، وہ اچانک مل گئی تھی، پلوشہ پر تو شادی مرگ کی کیفیت طاری تھی، انہوں نے امام کو فون کیا تھا۔

"تم کوے کو لینے اکیلے نہیں جاؤ گے، میں آ رہی ہوں، ہمان کے ساتھ، میں حمت اور کوم سے ایک ساتھ ملوں گی۔"

اور امام زندگی میں اچانک در آنے والے ان زِگ رشتوں پہ چلتا حیران پریشان اور دم بخود رہ گیا تھا اور ابھی امام کی زندگی میں صرف یہی انکشاف بھونچال بن کر نہیں آیا تھا، ابھی کچھ انکشافات اور بھی تھے، ابھی تو امام اس جھٹکے سے ہی نہیں سنبھلا تھا کہ کوے کے ساتھ ساتھ حمت بھی اس کی خالہ زاد تھی، یعنی حمت اس کی کزن تھی، اس کی پہلی خوشی؟ اولین محبت، وہ حمت کر پاسکتا تھا، وہ جو اس کے اور بٹو محل کے سرداروں کے بیچ اونچی دیواریں تھیں، وہ اچانک گر گئی تھیں، حمت اسے اچانک مل گئی تھی، تو کیا صبر کرنے والوں کو اتنا عظیم اجر ملتا ہے؟ اور پھر وقت نے وہ عظیم لمحہ بھی دیکھا تھا۔

جب برسوں سے بچھڑے لوگ مل رہے تھے، جب ایک ترسی ہوئی ماں نے اپنی دونوں بیٹیوں کو اپنے سینے سے لگایا تھا، پھر وقت نے وہ عظیم ملن کا لمحہ بھی دیکھا تھا، جب دو حریف ایک

دوسرے سے بغلگیر ہوئے تھے، جب دونوں نے ایک دوسرے کو سلام کیا تھا اور ایک دوسرے سے ہاتھ ملایا تھا، صندیر خان اور امام فریدے شاہ پلوشہ کا سر اس عظیم ساعت پہ اللہ کے حضور سجدے میں جھک گیا تھا، وہ خدا کے حضور سر بسجود ہو کر بلک پڑی تھیں۔

"میرے مولا میں نے سوچا بھی نہیں تھا، صندیر خان میرے امام کو اپنے گلے سے لگا کر پہلو میں بٹھائے گا، میرے مالک، میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا، قاتل اور مقتولوں کا خاندان ایک جگہ اکٹھا ہو گا۔" وہ روتے روتے سجدہ ریز ہو رہی تھیں، ان کے پورے وجود پر لرزہ طاری تھا، ان پر خوشی اور خوف کی یلغار تھی۔

"اور جب امام کو پتہ چلا، اس کے باپ کو قتل کرنے والوں میں صندیر خان شامل تھا؟"

اور اس کے ساتھ ہی پلوشہ کا دل بند ہونے لگا تھا، وہ ایک لمحے کے لئے بھی یہ بات نہیں سوچنا چاہ رہی تھیں، پھر منظر بدل گیا تھا، انہیں حمت اور کوے چہکتی دکھائی دے رہی تھیں، سباخانہ ابھی تک انگشت بدنداں تھی، ہمان کوے کو بتا رہا تھا، اس کے مرنے کے بعد ان لوگوں نے اس کا کتنا سوگ منایا تھا، اسے کتنا روئے تھے اور کتنا یاد کیا تھا، ہمان کا بیٹا حمت کی گود میں چہلیں کر رہا تھا، صندیر خان اور امام باتیں کر رہے تھے، پلوشہ اس بھرپور منظر کی نظر اتار رہی تھیں، ان کا دل ابھی تک خدا کے حضور سجدہ ریز تھا، وہ چاہتی تھیں، پلکیں موندے ہی عمر بیت جائے اور یہ منظر ایسا ہی رہے، ان کے کانوں میں امام اور صندیر خان کی آواز ایسے ہی رس گھولتی رہی۔

مگر بعض خواہشیں پوری کہاں ہوتی ہیں؟ اس بھرپور منظر کو ایک فون کال نے اچانک پلٹ دیا تھا اور ایک دم پورے منظر میں کہرام مچ گیا۔

صندیر خان نے موبائل فون کان سے ہٹا کر اک نظر حمت اور سباخانہ کو دیکھا تھا، انہوں نے صندیر خان کے کندھے جھکتے دیکھے تھے، کسی انہونی کے احساس نے امام اور پلوشہ کو بے قرار کر دیا تھا، وہ مضطرب نظروں سے صندیر خان کے بولنے کا انتظار کر رہے تھے۔

"جہاندار نے نیل بر کو قتل کر دیا ہے، بٹو محل میں یہ اطلاع ابھی پہنچی ہے، خان بابا بندوق لے کر نکل چکے ہیں، وہ شاید جہاندار کو قتل کرنے گے ہیں، میں ان کے پیچھے جا رہا ہوں، امام تم ان عورتوں کو سنبھال لو۔" اس نے غش کھا کر گرتی حمت اور سباخانہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا اور پھر اسلحہ اٹھا کر نکل گیا، امام نے ہمان کی طرف اشارہ کیا۔

"تم ان کو سنبھالو، میں بھی صندیر خان کے ساتھ جا رہا ہوں۔" اور ان کے جاتے ہی پلوشہ لہرا کر زمین پہ گری اور بے ہوش ہو گئی تھیں، انہیں یقین ہو چکا تھا، خوشیاں انہیں کبھی راس نہیں آتیں۔

☆☆☆

ولید نے ویگن میں بیٹھتے ہی اپنی ماں کو اطلاع دی تھی۔

"ممی میں واپس آ رہا ہوں۔"

"اور تمہارے ٹارگٹ کا کیا ہوا؟" فرح نے بیزاری سے پوچھا تھا۔

"فلاپ ہو گیا ہے۔" ولید نے کڑوے انداز میں بتایا۔

"کہا تھا، نہ جاؤ، کچھ حاصل نہیں ہوگا، مگر تم پر نشرہ کو ذلیل کرنے کا بھوت سوار تھا۔" فرح کو تو آگ ہی لگ گئی تھی۔

"اب بھوت اتر گیا ہے، بلکہ ایک اور چمٹ رہا تھا، مشکل سے جان چھڑوا کر آ رہا ہوں۔" ولید نے غصیلے انداز میں بتایا۔

"اب واپس آ جاؤ، تمہارے پپا بہت غصے میں ہیں، اتنا ٹائم ویسٹ کر دیا ہے تم نے، اس لڑکی کے پیچھے۔" فرح نے تپ کر کہا تھا۔

"آ تو رہا ہوں، پر تو نہیں ہیں میرے، اڑ تو سکتا نہیں۔" اس نے جل بھن کر جواب دیا تھا۔

"آ جاؤ، ویسے بھی بزنس خسارے میں ہے اوپر سے تمہارے پاپا کی لاپرواہیاں اور تمہاری غیر حاضری فٹ پاتھ پہ آتے دیر نہیں لگے گی۔" فرح نے کسل کر فون رکھ دیا تھا، ولید بھانت بھانت کے لوگوں سے بھری ویگن میں بیٹھا ویسے ہی بیزار تھا، اوپر سے ڈرائیور کی لاپرواہی، دو دفع تو ویگن ٹھوکنے لگا تھا، مسافروں کے چلانے پر نسوار زدہ دانت نکوسنے لگا، ولید نشرہ کو جی بھر کے کوسنے کے بعد عروفہ کو یاد کرنے لگا۔

"احمق لڑکی، بھاگے گی میرے ساتھ، شکر ہے جان چھڑوا کر بھاگ آیا ہوں، کسی مصیبت میں نہیں پھنس گیا۔" وہ اپنی چالاکی کو داد دینے لگا تھا۔

اسے اندازہ ہو چکا تھا، کہ نشرہ کو نقصان پہنچانا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا، اس لئے وقت ضائع کیے بغیر واپس آ رہا تھا۔

وہ اتنا پاگل نہیں تھا نشرہ کی اس نند کو اٹھا لاتا جس سے اس کے اپنے گھر والے بھی گوڈے گوڈے تنگ تھے اور ابھی وہ عروفہ سے جان چھڑوانے پہ ٹھیک سے خوش بھی نہیں ہو پایا تھا کہ ویگن اچانک ہی الٹ گئی تھی، مسافروں کی چیخ و پکار میں اب کہ ولید کی اپنی چیخیں بھی شامل تھیں۔

☆☆☆

نیم تاریکی کیتلی کیفے کا ماحول پرسکون اور خاموش تھے۔

راؤنڈ ٹیبل کے گرد دو نفوس موجود تھے اور دونوں ہی خاموش تھے، اس خاموشی کو اسامہ کی آواز نے توڑا تھا۔

"اس کافی شاپ میں آپ کو انوائٹ کرنے کا ایک مقصد تھا شانزے، صرف آپ کو دیکھنا ہی مقصود نہیں تھا، مجھے آپ سے کچھ باتیں بھی کرنا تھیں۔" اسامہ کو تنگ آ کر بولنا ہی پڑا تھا، شانزے ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی تھیں۔

"جانتا ہوں کوے کی عالم بالا سے تشریف آوری نے پورے گھرانے کو بے حواس کر رکھا ہے، مگر میری خاطر اپنے حواسوں کو ذرا واپس لے آیئے۔" اسامہ کی التجائیہ انداز نے شانزے کو قدرے شرمندہ کر دیا تھا، گو کہ وہ جانتی تھی، اسامہ نے کیا بات کرنا تھی۔

اب تک کی ساری ملاقاتوں کا لب لباب یہ تھا، کہ اسامہ کو شانزے دل و جان سے پسند آ چکی تھی، دوسری طرف بھی معاملہ یہی تھا، شانزے کی فیملی بھی رضامند تھی اور اسامہ کی والدہ کو کوئی اعتراض نہیں تھا، یہ تو ایک فارمل سی ملاقات تھی۔

اسامہ اس سے چند باتیں کرنا چاہتا تھا، جن کا لب لباب یہ تھا کہ اس کی زندگی میں بھی عشیہ نام کا ایک جھونکا آ چکا تھا اور شانزے بھی امام کو کھو چکی تھی۔

سو ان دو مخلص اور دکھی لوگوں کو ایک دوسرے کا ساتھ دوام بخش سکتا تھا، وہ ایک دوسرے کے ساتھ مخلص تھے اور فیوچر میں بہترین ہم سفر ثابت ہو سکتے تھے۔

اسامہ نے کھل کر اپنا موقف پیش کر دیا تھا، شانزے صلح جو اور معاملات سمجھنے والی لڑکی تھی، وہ جانتی تھی کہ امام کے نام پر بیٹھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور اس صورت میں جب امام کا اپنے پیاروں سے ناتا جڑ چکا تھا، وہ جس لڑکی کو پسند کرتا تھا، وہ پلوشہ کی بیٹی تھی، اب تو امام کی واپسی کا خیال بھی غلط تھا۔

اسے یقین تھا، امام اپنی محبت کو پالے گا اور اس کی دعا بھی یہی تھی، یہ ٹوٹے بکھرے لوگ کہیں نہ کہیں سے مکمل ہو جاتے۔

اس سفر میں اگر اسامہ جیسے خوبرو اور مخلص انسان کا ساتھ مل جاتا تو اور کیا چاہیے تھا اور اسامہ تھا کہ اپنی خوبیاں بتاتے نہیں تھک رہا تھا۔

"اچھا تو میں اتنا ہوں کہ آپ کو میرے جیسا بہترین انسان مل ہی نہیں سکتا تھا۔" پورا گھنٹہ اپنے سگھڑاپے کے تعریفیں اور اپنی اچھائیاں بیان کرنے کے بعد اسے اپنی ایک برائی بھی یاد آ ہی گئی تھی۔

"میری بس ایک ہی برائی ہے، میں خانہ بدوش ہوں، ایک خانہ بدوش کے ساتھ گزارہ کر لو گی۔" وہ بہت سارا پیار آنکھوں میں لئے منتظر نظر آ رہا تھا۔

شانزے نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا تھا، اسامہ جو جینے دونوں جہاں کی خوشیاں مل گئی تھیں، اسے امید تھی، اگلا سفر خوشی اور مسرت کا سفر ہوگا، اسے عشیہ سے بچھڑنے کا کوئی غم نہیں تھا، اللہ نے کچھ لیا تھا تو اس سے بہترین عطا کر دیا تھا، یقیناً شانزے کی محبت میں زندگی کا سفر سہل ہونے والا تھا اور یہی باتیں شانزے بھی سوچ رہی تھی۔

اس کی ماں کی جلد بازی اور عجلت نے اس کی اولین خوشی کو اس سے دور کر دیا تھا، شاید قسمت میں ایسے ہی لکھا تھا اور یہ لوگ میانہ روی پسند کرنے والے معتدل مزاج لوگ تھے، جو چیزوں کو جلدی سمجھ کر ایڈجسٹ کر لیتے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے کوئی بھی سچویشن اور حالات مشکل نہیں ہوتے، وہ اپنی زندگی کو اپنی کوشش سے خوشگوار بنا لیتے ہیں، یہ دو ایسے ہی لوگ تھے۔

☆☆☆

عروفہ کی حادثاتی موت کے بعد زندگی جلد ہی اپنے معمول پر آ گئی تھی۔

اپنے نصیب سے آگے چلنے والے لوگ اسی طرح منہ کے بل گر جاتے ہیں، انہیں سمجھ تب آتی ہے جب زندگی ان کے ہاتھوں میں نہیں رہتی، گو کہ بھولنا آسان نہیں ہوتا مگر وقت مرہم ہوتا ہے۔

ہیام کے بروقت پہنچنے کے باوجود بھی عروفہ کی جان بچانا ناممکن ہو گیا تھا، وہ خوف، دکھ اور کسی گہرے صدمے کی وجہ سے پانی میں گرتے ہی دم توڑ گئی تھی۔

ہیام ڈاکٹر ہونے کے باوجود بھی اسے بچا نہیں پایا تھا، اس بات کا اسے ہمیشہ دکھ رہا تھا، عنیہ،

عکیہ اور عشیہ اپنے کمروں میں مصروف تھیں، ایک مورے تھیں جو عروفہ کو یاد کرتی تھیں، مگر جلد ہی عروفہ ایک یاد کا حصہ بن گئی تھی، مورے، عشیہ کے مشورے پہ نشرہ اور ہیام کی شادی کرنا چاہتی تھی، مگر یکے بعد دیگرے ہونے والے حادثوں کی وجہ سے ہیام شادی سادگی سے چاہتا تھا مگر اس کی عشیہ اور جہاندار نے ایک بھی نہیں چلنے دی تھی، مورے کی خواہش کے مطابق ہیام اور نشرہ کی شادی کا بڑا جشن ہونا قرار پایا تھا، مگر اس سے پہلے ان کی زندگیوں میں بہت بڑا بھونچال آ کر گزر گیا تھا، اگر کوئی اس صدمے کے اثر سے نکلا تھا، تو وہ پہلا انسان بھی جہاندار ہی تھا، اگر سوچیں تو بہت دور جانا نہیں پڑتا، عروفہ کی وفات کے پہلے ہی روز، پوری بستی میں ایک سوگوار نقارہ گونج اٹھا تھا، ایک ایسا اعلان جس نے بچے بچے کو خوف اور صدمے کا شکار کر دیا تھا۔

"نیل بر کا جہاندار کے ہاتھوں قتل۔" پوری بستی میں دور دور تک خبر آگ کی طرح پھیل گئی تھی، امام نے سنا اور چکرا کر رہ گیا، اگر وہ ان دونوں کو دیکھ کر نہ آیا ہوتا تو شاید مان لیتا۔

کیا خبر ایسا ہی ہوا ہو، جہاندار شاہ نے اپنے بھائیوں کے خون کا بدلہ لے لیا ہو، مگر ایک عورت سے؟ اور اپنی محبوب بیوی سے؟ جبکہ وہ اس کے بچے کی ماں بننے والی تھی، مورے تو دھک سے رہ گئی تھیں، نشرہ خوف زدہ تھی، عروفہ کے بعد ایک اور جوان موت؟ جبکہ ہیام معاملے کی کھوج میں نکل پڑا تھا، آخر ہوا کیا تھا؟

☆☆☆

جیپ میں بیٹھتے ہی جہاندار کا موڈ خوشگوار ہو گیا تھا، نیل بر نے اسے اب تک کے ساتھ میں پہلی مرتبہ اتنا خوش دیکھا تھا۔

"تم چاہتی ہو نا، خون کی ہولی نہ کھیلی جائے؟" جہاندار کے اچانک کہنے پر نیل بر حیران ہو گئی تھی۔

"ہاں نا۔"

"تو پھر میں تمہاری ساری فکریں آج مٹا دوں گا۔" اور اس نے یہ بات کسی مذاق یا وقتی جذباتیت میں نہیں کی تھی، وہ سنجیدہ تھا۔

"کیا تم بابا سے صلح کرنے جا رہے ہو۔" اس انکشاف نے نیل بر کو پھول کی طرح مہکا دیا تھا۔

"میں بولوں، ہاں تو بدلے میں کیا دو گی؟" جہاندار نے اک دل نواز مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا، پورے سفر میں نیل بر نے اس کا ہاتھ تھامے رکھا، وہ اسے چپکے چپکے دیکھ دیکھ کر دل میں اتار رہی تھی، یوں لگ رہا تھا جیسے آخری مرتبہ دیکھ رہی ہو۔

"ساری عمر تمہاری رہوں گی۔" اس نے ایک جذب کے عالم میں کہا۔

"اور اس کے علاوہ؟" جہاندار نے اک بھوں اچکا کر اسے دیکھا۔

"اور ساری عمر تمہیں صرف اور صرف اپنا بنائے رکھوں گی، بولو منظور ہے۔" اس نے اپنی دوسری ہتھیلی بھی اس کے سامنے پھیلا دی تھی۔

"جہاندار کی جان، دل و جان سے منظور ہے۔" اور جہاندار نے نیل بر سے آخری عہد بھی کر

لیا تھا۔

اور نیل بر اس دن بے پناہ خوش تھی، اس کے چہرے پر فرشتوں جیسی معصومیت تھی، وہ بچوں کی طرح کھلکھلاتی اور خوش ہوتی تھی، وہ بٹو محل میں جا رہی تھی، وہ محل جس کی نیل بر ہی شہزادی تھی، جو عزت، جو محبت اور جو آزادیاں نیل بر کے حصے میں آئی تھیں، وہ بٹو محل کی کسی بیٹی کو نصیب نہیں ہوئی تھیں، وہ بٹو محل کی سب سے چھوٹی بیٹی ہونے کا بھی اعزاز رکھتی تھی، اگر ودھا عمر میں سب سے بڑی تھی تو نیل بر عمر میں سب سے چھوٹی تھی، بٹو محل کی سب سے بڑی اور سب سے چھوٹی بیٹی نے موت کے وقت ایک جیسا نصیب پایا تھا، ودھا کو بھی قتل کیا گیا، نیل بر کا بھی قتل ہی ہوا اور سب سے خوفناک پہلو یہی تھا کہ دونوں کا قاتل بھی ایک تھا، پربتوں کی یہ کہانی بڑی روایتی سی کہانی تھی، جس میں محبت، نفرت، خاندانی اور موروثی دشمنیاں انتقام اور صلح کے بعد زندگیوں میں ٹھہراؤ آ جاتا تھا۔

یہ بھی عام سی کہانی تھی، جس میں اکثر فریقین صلح اور معافی نامی کا معاہدہ کر لیتے ہیں، شاید یہاں بھی یہی ہونے والا تھا۔

مقتولین کا وارث اپنے پیاروں کے قتل کو معاف کرنے والا تھا، یہ بھی تاریخ میں کوئی انوکھا واقعہ نہیں تھا، آج سے بیشتر ایسے عظیم کارنامے بہت سارے سردار اور بہت سارے لوگ پہلے بھی کر چکے تھے، خوخون بہا یا دیت کے بغیر صلح کرتے ہیں۔

یہ صلح بھی ایک ایسی ہی صلح ہونا تھی، عام انداز سے کی جانے والی صلح، اک عام سی کہانی جس میں مقتولین کا وارث خدا کی رضا کے لئے اپنے وارثوں کے قاتل کو معاف کرنے والا تھا، مگر یہاں قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

دہشت خان نے غریب خان کو مہرہ بنا کر پورے منصوبے کے ساتھ سردار بٹو کو فون کیا اور اس پر نیل بر کے جہاندار کے ہاتھوں قتل کی اطلاع پہنچائی، یہ عام خبر نہیں تھی، یہ ایک قیامت تھی، جو ایسے برپا ہوئی جس کا اختتام کسی زلزلے سے کم نہیں تھا۔

سردار بٹو اس اطلاع پر جنونی اور دیوانہ ہو گیا تھا، اس پر ایسا ہی جنون سوار ہوا جیسے ودھا اور فرخ زاد کو قتل کرتے وقت سوار ہوا تھا، اس نے اپنی بندوق اٹھائی اور پورے حشر کے ساتھ جہاندار کے تعاقب میں بھاگا، جیپیں آگے پیچھے بھاگ رہی تھیں، گارڈ، اسلحہ اور اور وفادار ملازم ساتھ تھے، سردار پر جنون طاری تھا، اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔

"تو جہاندار نے اپنا بدلہ اتار لیا، ارے مرد تھا تو مجھے مارتا، میری بیٹی کا ناحق خون کیوں کیا؟ میرے جگر پہ ہاتھ ڈالا؟ یہ میرے قتل سے بھی بدتر ہے۔" وہ جیپ میں اونچی آواز میں روتا، سر پٹختا اور جہاندار کو گالیاں بکتا تھا، اس کے ملازم اندھادھند ہوائی فائرنگ کر رہے تھے۔

یہ فائرنگ کی آواز جہاندار نے بھی سنی تھی، اور اس نے اپنی بندوق سیدھی کر لی، نیل بر خوفزدہ ہو گئی تھی، جہاندار نے خطرہ محسوس کیا اور جیپ کو فوری طور پر واپس موڑ لیا، اس کا ارادہ نیل بر کو کسی محفوظ مقام پر چھوڑنے کے بعد صورت حال کا جائزہ لینے کا تھا، اگر تو یہ صندیر خان کی کاروائی تھی تو پھر جہاندار اسے آج چھوڑنے والا نہیں تھا، فائرنگ کی آواز اس کے اپنے علاقے میں آ رہی تھی،

جہاندار نے جیپ کی اسپیڈ بڑھا دی اور جیپ کے کالے شیشوں کو چڑھا دیا۔

وہ جلد از جلد نیل بر کو واپس حویلی چھوڑنا چاہتا تھا، مگر کچھ ہی لمحوں میں اس کی جیپ کو کالی گاڑیوں نے گھیرے میں لے کر اندھا دھند فائرنگ کرنا شروع کر دی تھی اور صرف تین سیکنڈ میں کھیل تمام ہو گیا تھا۔

جہاندار کی جوابی فائرنگ سے پہلے ہی نیل بر کو پہلی گولی سر میں لگی تھی اور اس کے ساتھ ہی جہاندار نے بندوق پھینک دی اور خود جیپ سے اتر کر سامنے آ گیا، وہ شاید نیل بر کو گولی مارنے والے کو اپنے ہاتھوں سے ہی چیر ڈالتا مگر سردار بٹو کو دیکھ کر چکرا گیا تھا۔

سردار بٹو جہاندار کو پیچھے دھکیلتا جیپ کی طرف پاگلوں کی طرح بڑھا تھا اور پھر نیل بر کو خون میں لت پت دیکھ کر چلا اٹھا، صدمہ، سکتہ، حیرانی اور غم نے اسے دیوانہ کر دیا تھا۔

"میری بیٹی تو زندہ تھی، کیا اسے میں نے ہی مار ڈالا ہے۔" اچانک فضاؤں میں کہرام مچ گیا تھا، اور پھر پتھروں سے ٹکریں مارتا وہ پاگلوں کی طرح چلانے لگا۔

جہاندار جو اس ساری سچویشن میں بالکل پتھر کا ہو چکا تھا، اس وقت بھی نہ چونکا جب امام اور صندیر خان کے ساتھ جائے وقوعہ پر شاہوار خان بھی پہنچ گیا تھا، وہ لوگ نیل بر کو فوراً اٹھا کر ہسپتال لے گئے تھے، مگر ان کا جانا بے سود تھا، نیل بر کو ایک ہی گولی لگی تھی، جو اس کے سر میں لگی تھی اور اس کے بعد نیل بر نے آنکھ نہیں کھولی، جب وہ آخری سانسیں لے رہی تھی تب بھی جہاندار کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا، وہ عہد جو کچھ دیر پہلے اس نے جہاندار سے لیا تھا، اس عہد کو جہاندار نے نبھاہ دیا، عمر گزار دی پر عہد نہیں توڑا۔

نیل بر جہاندار اپنے ظالم اور قاتل باپ کے ہاتھوں ماری گئی۔

قدرت کے اس عظیم انتقام کو بہت عرصہ بعد بھی جہاندار سمجھ نہیں پایا تھا، وہ اپنے زیاں پر اس قدر سکتے میں تھا، وہ کسی بھی انتقام کو سمجھ نہیں پایا۔

نیل بر کا جانا طے تھا، نیل بر نہ جاتی تو سردار بٹو کا انتقام اور بدلہ کیسے پورا ہوتا؟ نیل بر کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر کے اسے خیال آیا، جب ودھا کو مارا تھا، تو اس کے بھائی کے دل پر کیا گزری تھی؟ ودھا کا باپ کیسے تڑپا ہوگا؟ ودھا کی جوانی کو مٹی میں رولا تھا تو نیل بر کی جوانی کیسے نہ رلتی؟ کبھی کبھی اولاد کو اپنے والدین کے حساب اور قرض اتارنے پڑتے ہیں، نیل بر کی جان نے سارے قرض اتار دیئے تھے جو اس پر فرض بھی نہیں تھے، نیل بر کے قتل نے پتھر دلوں کو موم کر دیا تھا۔ جن ہاتھوں سے ودھا کو قتل کیا تھا، انہی ہاتھوں سے اپنے جگر کے ٹکڑے کی زندگی کا چراغ گل کر دیا، دہشت خان نے پرانی دشمنی اور بدلے ایسے پورے کیے کہ سردار کے حواس ہی جاتے رہے، کوئی سردار کے ساتھ بڑی گیم کر گیا۔

نیل بر کی موت نے اسے نیم پاگل کر دیا، وہ گلیوں میں صدائیں لگاتا اور اونچی آواز میں ہنستا تھا۔

"لوگو! میری بیٹی مجھ سے ملنے آ رہی تھی، میں نے اسے مار دیا، میں جہاندار کو مارنے گیا تھا، مگر مر نیل بر گئی۔" پھر وہ قہقہے لگاتا خاک اڑاتا اور پاگلوں کی طرح روتا تھا۔

جہاندار چاہتا تھا، وہ سسک سسک کر جیئے، خدا نے سردار بٹو کو ایسی زندگی دی جو ذلت سے بھی بدتر تھی، وہ قیامت تک کے لئے نشان عبرت بن گیا تھا، نیل بر کے جنازے پہ اپنے پرائے سب آئے، خانم نے اپنی قسم تک کو توڑ دیا اور نیل بر کا آخری دیدار کرنے اپنے بابل کی سونی حویلی میں آ گئیں، جہاندار نے انہیں ہمیشہ کے لئے روک لیا تھا۔

سنسان حویلی آباد ہو گئی تھی، خانم، ہیام اور نشرہ نے اسے آباد کر دیا تھا، حویلی کے پچھواڑے میں پولو گراؤنڈ بھی آباد ہو گیا، یہاں ہر سال میلہ لگتا اور پولو کا میچ کھیلا جاتا تھا۔

نیل بر کے بعد جہاندار بس نیل بر کا ہی رہا، اس نے کہا تھا۔

"تمہیں عمر بھر کے لئے اپنا بنا لوں گی۔" وہ اسے عمر بھر کے لئے اپنا ہی بنا کر گئی تھی، وہ اس کے بعد کسی اور کا ہو ہی نہیں سکا، اس کے بعد جہاندار کی زندگی میں سے امنگ اور ترنگ نکل گئی تھی، پھر مورے کے لاکھ اصرار کے بعد بھی اس نے گلالئی سے شادی نہیں کی تھی اور گلالئی نے بھی جہاندار کے انکار کے بعد شادی نہیں کی۔

ہیام اور امام کی پر زور کوششوں ضد اور اصرار پر بھی جہاندار کی ناہاں میں نہیں بدلی تھی، گزرتے وقت میں صندیر خان اور کومے کی شادی ہو گئی تھی، جبکہ امام اور رحمت نے اسلام آباد کو آباد کر لیا تھا، پلوشہ نے اپنی دونوں بیٹیوں کو ایک ساتھ رخصت کر دیا تھا۔

ہمان اور عینی نے گھر بسا لیا تھا، ہمان کا بیٹا عینی کا عادی ہو گیا تھا، سو ہمان نے عینی سے شادی کر لی۔

ولید اپنی دونوں ٹانگیں تڑوانے کے بعد وہیل چیئر پہ زندگی گزار رہا تھا، فرح نے اپنے لالچ کی یہ سزا پائی کہ شوہر کے مرنے اور بزنس ختم ہونے کے بعد نوکری کر کے معذور بیٹے کا اور اپنا پیٹ پال رہی تھی، کومے صندیر کی پہلی بیٹی ہوئی تو اس کا نام نیل بر رکھا گیا۔

ایک مرتبہ پھر بٹو محل میں نیل بر کے نام کی گونج اٹھی تھی، ایک مرتبہ پھر نیل بر کی ہنسی کی جھنکار سے بٹو محل کے در و دیوار جھوم اٹھے تھے۔

بی جاناں فالج اور دل کے دورے سے جاں بحق ہو چکی تھیں، سباخانہ کی جہاندار نے اشعر کے ساتھ شادی کروا دی تھی، وہ اپنی چھوٹی سی فیملی کے ساتھ اسلام آباد مقیم تھے، سردار بٹو نیم پاگل آج بھی گلی کے آوارہ لڑکوں کے ہاتھوں خوار ہوتا تھا، جو اسے ودھا اور نیل بر کے طعنے مارتے تھے اور پھر سردار بٹو اپنی داڑھی نوچتا ہذیان بکنے لگتا تھا۔

ہر ویک اینڈ پر صندیر خان کی فیملی، شاہوار خان کی فیملی اور اشعر، سباخانہ گلگت کی حویلی آباد کرنے آتے تھے۔

پھر یہاں محفل عروج پہ ہوتی، باربی کیو، قہوے اور مونگ پھلی اڑائی جاتی، شاہوار کے بیٹے سوریز کی صندیر کی بیٹی نیل بر سے بالکل نہیں بنتی تھی، ان دونوں کی لڑائی جہاندار کو بہت لطف دیتی تھی، وہ جان بوجھ کر ان دونوں کو چھیڑ دیتا تھا اور پھر ان دونوں کی نوک جھونک سے لطف اٹھاتا تھا۔

کبھی کبھار اسامہ اور شانزے بھی لاہور سے گلگت رونق لگانے پہنچ جاتے تھے، جہاندار کی

حویلی اب نیل بر کے نام سے جانی جاتی تھی، یہاں پورا سال مہمانوں کی آمد و رفت رہتی تھی، یوں کسی دن بھی تنہائی کا احساس نہیں ہوتا تھا۔

جہاندار نے یہاں بڑے بڑے پکنک پوائنٹ، سوئمنگ پول اور جم خانے بنوا دیئے تھے، بہت دور دور سے یہاں سیاح بھی آتے تھے۔

مگر یہاں سب سے خوبصورت جگہ دیکھنے کی سب سے خوبصورت جگہ ایک ہی تھی، ندی کے اس پر ایک خوبصورت جھکے برآمدے والی تربت اور اس کی بغل میں انتہائی عالیشان مسجد بنائی گئی تھی۔

یہ تربت نیل بر کی تربت تھی، یہاں رات کے وقت آسمانوں سے عشقیہ گیت سنانے پریاں اترتی تھیں، رات کے دوسرے پہر یہاں جہاندار آتا تھا، وہ نیل بر سے باتیں کرتا اور اسے اپنی دن بھر کی مصروفیت بتاتا تھا، کبھی کبھی نشرہ اور ہیام کی بیٹی ورشیہ بھی اس کے ساتھ آتی تھی۔

گنہ گار پہاڑی کا نام بدل کر جبل نیل بر رکھ دیا گیا تھا، جس کی دوسری طرف فرخزاد اور ودھا تھے اور دائیں جانب نیل بر کی آخری آرام گاہ تھی اور ساتھ ہی ایک چھوٹی سی پانی کی ندی بہتی تھی پربت کے اس پر کہیں، پانی کی ندیا بہتی تھی، جہاں اک چھوٹی سی لڑکی رہتی تھی۔

پربتوں کے اس پار دور دیس سے آئی ایک خوبصورت سی شہزادی نے گلگت کا یہ سونا کونا آباد کر رکھا تھا، یہاں دور دور سے سیاح نیل بر کی تربت کو دیکھنے آتے تھے، ایک انگریز بے وفا عورت کی انتہائی وفادار بیٹی کی آخری آرام گاہ بہت سارے لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جاتی تھی۔

کبھی امام حویلی کی مغرور بالکونی میں کھڑا، مزار یار کو دیکھتا تھا، کبھی اسے جہاندار تربت پہ گلاب ڈالتا اور فاتحہ پڑھتا دکھائی دیتا تھا۔

تب اسے بہت کچھ یاد آنے لگتا، لاپرواہی سے گلگت کی ٹیڑھی میڑھی پگڈنڈیوں پر چلتی اک البیلی سی لڑکی، جسے اپنے شوہر کی خاندانی دشمنیوں سے خوف آتا تھا، وہ الجھے انداز میں اسے بتاتی تھی۔

''کیا ایسا نہیں ہو سکتا، جہاندار اپنے پیاروں کے قاتلوں کو معاف کر دے۔''

امام تب خاموش ہو جاتا مگر اب اس کا جی چاہتا، وہ اونچی بالکونیوں میں کھڑا ہو کر اونچی آواز میں نیل بر کو بتائے۔

''جہاندار تمہاری محبت کے صدقے اپنے پیاروں کے قاتلوں کو معاف کر دیا ہے نیل بر، مگر کیا کیا جائے ان لوگوں کو جو اپنی لگائی آگ میں جل رہے ہیں۔''

کبھی کبھار امام نیل بر کے باپ کو جبل نیل بر کے اردگرد پاگلوں کی طرح چکر لگاتے دیکھتا اور تاسف اس کی آنکھوں میں دور دور تک بھر جاتا تھا، قدرت کے اس انتقام پہ امام کا دل تھرا اٹھتا۔

''بھتیجی کو قتل کرنے کے بعد کیا اس شخص کے غرور و تکبر میں کوئی فرق آیا تھا؟ کاش ایسی عاجزی انکساری اس وقت اس متکبر شخص کے اندر آجاتی تو شاید اس کا انجام اتنا بھیانک نہ ہوتا، شاید تب نیل بر اپنے باپ کے ہاتھوں ماری نہ جاتی، شاید تب قدرت کا انتقام ایسا دل خراش نہ ہوتا، شاید اللہ سودار بٹو کو معاف کر دیتا۔''

ایک عرصہ دل ہی دل میں خدا کی ذات سے خفا ہونے شکوے کرنے کے بعد جہاندار کو بھی اپنے رحیم رب کی حکمت اور مصلحت کی سمجھ آ گئی تھی۔

اپنے سارے پیارے کھو دینے کے بعد وہ رب سے کس قدر شکوہ کناں رہنے لگا تھا، جب اسے سردار بٹو گلیوں میں خاک اڑاتا دکھائی دیتا تو اسے قدرت کے عظیم فیصلوں پہ پیار آ جاتا، جو ہتھیاروں سے نہیں مرتے انہیں صبر مار ڈالتا ہے، خدا طاقت وروں کو ان کی اپنی ہی تدبیروں میں جکڑ کر منہ کے بل گرا دیتا ہے۔

جہاندار نے ایک طویل عرصہ سردار بٹو کو سسکا سسکا کر مارنے کی خاطر تدبیریں کی تھیں، وہ اپنی خوش رنگ زندگی کو ٹھوکر مار کر بٹو محل کے راز لینے آیا تھا۔

اپنے بھائیوں کے قاتلوں تک پہنچنے کے لئے اس نے اتنا طویل سفر طے کیا، اسے ایک ڈگر پر بھاگتے بھاگتے کبھی اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ اپنے ہی حریف کی بیٹی سے اسے عشق ہو جائے گا، نیل بر کا اس کی زندگی میں آنا بھی ایک حادثہ تھا اور جانا بھی ایک حادثہ تھا، وہ ہوا کے جھونکے کی طرح آئی اور چلی گئی تھی۔

بعد ازاں غریب خان نے جہاندار کو دہشت خان کے منصوبے اور شیطانی چال سے آگاہ کر دیا تھا، جہاندار شاہ چاہتا تو دہشت خان کے پرخچے اڑا دیتا مگر اس نے ہر فیصلہ اللہ پہ چھوڑ دیا تھا اور اللہ نے اسے طویل انتظار سے گزارا ہی نہیں، دہشت خان کا پورا خاندان آگ لگنے سے مارا گیا تھا، نیل بر کے جانے کے بعد بہت سارے اس کے کھوئے رشتے اسے مل گئے تھے۔

خانم اور اس کا بھانجا اور بھانجیاں، اس کے بھائی شیر شاہ کے دونوں بیٹے، اس کی حویلی کے وارث امام اور ہمان، ان دونوں کے بچوں کی قلقاریوں سے صدیوں سے خاموش حویلی جھوم اٹھی تھی، اگر خدا نے کچھ لیا تھا تو بہت کچھ دیا بھی تھا، اس کی سونی حویلی آباد ہو گئی تھی۔

صندیر خان نے جہاندار کی تمام اراضی اور ملکیت واپس کر دی تھی، وہ خون بہا میں دیت دینے کو بھی تیار تھا اور سردار بٹو کے ورثا ہونے کے ناطے اس نے بدلے کے لئے بھی خود کو پیش کر دیا تھا، جہاندار نے بہت سوچا، بے پناہ سوچا اور پھر بٹو خاندان کو اپنے پیاروں کا خون ہمیشہ کے لئے معاف کر دیا تھا، جب جہاندار نے قانونی طور پر صلح کی تو پھر پلوشہ اور امام نے بھی سب کو معاف کر دیا، ان کا اصل مجرم اور بہت سارے گھروں اور خاندانوں کو اجاڑنے والا اپنی سزا بھگت رہا تھا، سو انتقام اور بدلے کا کوئی جواز نہیں رہتا تھا۔

صلح کے بعد صندیر خان کی خواہش پر پلوشہ نے کومے کو اس کے ساتھ رخصت کر دیا تھا، حمت کی امام سے شادی ہو گئی، زندگیوں میں ٹھہراؤ آ گیا تھا، سب کو اپنی اپنی منزل مل گئی تھی۔

بس جہاندار تھا، جو پربتوں میں بھٹک رہا تھا، نیل بر کی یاد نے اسے اپنا اسیر کر رکھا تھا، وہ نیل بر کی نیلی آنکھوں کے سحر سے کبھی نکل ہی نہیں سکا تھا، اس کی محبت نے جہاندار کے اندر ایک شمع جلا رکھی تھی، اس کی روشنی سے آگے کا سفر بہت روشن تھا، اس روشنی میں وہ پربتوں کا باسی پربتوں کے اس پار جینے کا آگے بڑھنے کا حوصلہ رکھتا تھا۔

وہ نیل بر کو سوچتا تو اچانک وہ اس کے پہلو میں آ بیٹھتی، اس کے شانے پہ سر رکھ دیتی اور وہ

اس کی نیلگوں آنکھوں میں ڈوب جاتا تھا کون کہتا تھا نیل بر مر گئی ہے، نیل بر جہاندار کی آنکھوں میں زندہ تھی۔

گلاب آنکھیں، شراب آنکھیں
یہی تو ہیں لاجواب آنکھیں
انہیں تو ہوش و حواس چھینیں
گریں تو کر دیں کمال آنکھیں

ہے جینے کا اک بہانہ یارو
یہ روح پرور جمال آنکھیں

نیل بر جہاندار کی آنکھوں میں ہمیشہ کے لئے زندہ تھی، جو یادوں میں زندہ رہتے ہیں، انہیں موت کبھی نہیں آتی، پھر نیل بر کو موت کیسے آتی؟

محبتوں کے سفیر صدا سفر میں رہتے ہیں، ان کی کوئی منزل نہیں ہوتی، وہ زندگی کی آخری سانس تک سفر کرتے ہیں اور پھر ایک وقت ایسا آتا ہے جب عارضی دنیا سے دائمی دنیا کی طرف سفر کا سلسلہ بڑھتا ہے، یہاں تک کہ خدا زمین پہ جدا ہوئے لوگوں کو اوپر آسمانوں پہ اپنی قدرت اور محبت سے ملوا دیتا ہے۔

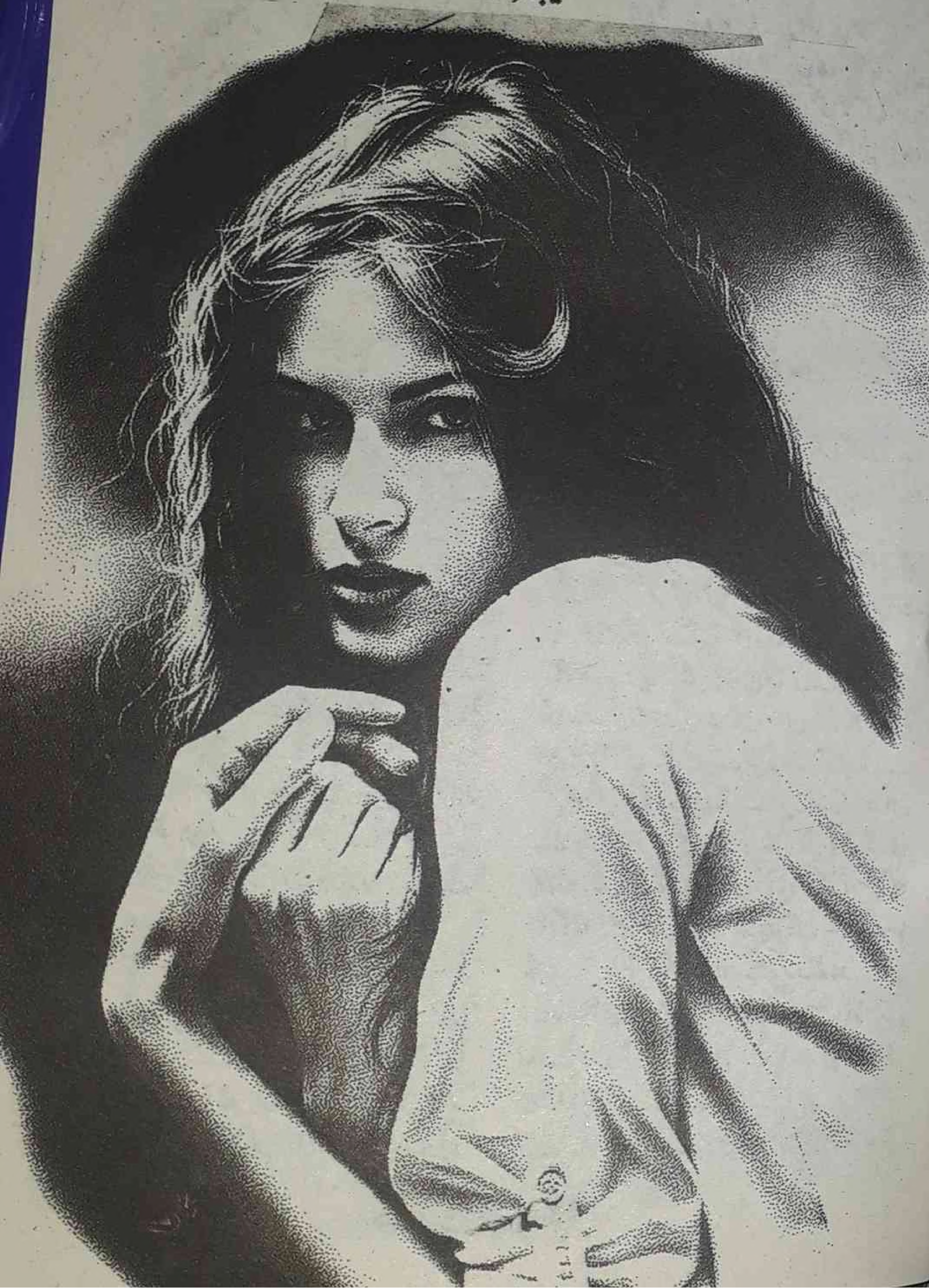
جہاندار فریدے شاہ کو اپنے رب کی طرف سے اس عظیم اور مبارک دن کا انتظار تھا۔

لے او یار حوالے رب دے میلے چار دناں دے
اس دن عید مبارک ہوسی جس دن فیر ملاں گے

مزار کے احاطے سے کسی عشق میں ہارے انسان کی آواز آتی تھی، جو جہاندار کی روح میں سرائیت کر کے اس کی پہلی اور آخری تمنا بن جاتی۔

وہ اس مبارک دن کے انتظار میں تھا، جس کا رب نے وعدہ کر رکھا تھا، اس دن جب جہاندار فریدے شاہ کی نیل بر جہاندار سے ملاقات ہوتی اور یہ انتظار بہت پر کیف تھا۔

☆☆☆



ابر جو چھائے تو کیا

طیبہ مرتضیٰ

میں نے آج ابا جی کی آنکھوں میں پانی دیکھا، مجھے اپنی بصارت پر بالکل یقین نہیں آیا، کہ میرے دبنگ اور شیر جوان جیسے ابا جی رو بھی سکتے ہیں میں نے اس سے پہلے بھی تین چار دفعہ ابا جی کی آنکھوں کو نم دیکھا تھا مگر ہر بار میرے پوچھنے پر وہ بہانے سے ٹال جاتے تھے ایک دفعہ میں نے لان میں بیٹھے آنکھیں پونچھتے ہوئے دیکھا میرے پوچھنے پر کہنے لگے۔

''پولن الرجی ہے بس پھولوں کے پاس کیا آ بیٹھا ہوں چھینکوں کی وجہ سے آنکھوں میں پانی آ گیا ہے۔'' دوسری دفعہ جب میں نے پوچھا کہ۔

''کیا آپ رو رہے ہیں؟'' تو بولے۔

''میں کیوں روؤں گا تمہارے بیٹے کے ساتھ کھیل رہا تھا، بس اس کا ہاتھ میری ناک پر لگ گیا ہے اسی لئے آنکھیں گیلی اور ناک سرخ ہو گیا۔''

تیسری دفعہ کہنے لگے۔

''مجھے لگتا ہے کہ آنکھوں میں کوئی انفیکشن ہو گیا ہے ہر وقت پانی بہتا رہتا ہے۔''

مگر آج میں نے ابا جی کو روتے کرلاتے ہوئے دیکھا وہ چھوٹے بچوں کی طرح زمین پر بیٹھے ہچکیاں لیتے رو رہے تھے میں آفس سے رات لیٹ آیا سوچا ابا جی سو چکے ہوں گے مگر پھر بھی ایک نظر ان پر ڈال لوں مگر اندر کا منظر دیکھ کر میں پریشان ہو گیا ابا جی زارو زار رو رہے تھے، اور بول رہے تھے۔

''ہاجرہ میرے پنڈے (جسم) میں بڑا درد ہو رہا ہے میری ٹانگیں اور پیر دبا دے، ہاجرہ تیری طرح یہاں کوئی نہیں پوچھتا کوئی تیری طرح میرا خیال نہیں رکھتا، تو تو میں تھکا ہوا نہیں بھی ہوتا تھا تو تب بھی مجھے کتنی دیر بیٹھ کر دباتی تھی خود بیمار ہوتی جوڑوں کے درد سے لاچار ہوئی ہوتی مگر پیر دبانا نہ بھولتی تھی، ہاجرہ آج تو میرے دل میں بھی درد ہے آ جا ہاجرہ۔''

میں شرمندہ ہو گیا کیوں ابا جی عمر کے جس حصے میں تھے ہڈیوں اور جوڑوں کا درد تو عام بات ہوتی ہے اور ابا جی تو جوانی میں بھی ٹانگیں اور پیر دبواتے تھے، میں نے فوراً فیصلہ کیا صبح ہی ابا جی کو ڈاکٹر کو دکھاتا ہوں میں خاموشی سے وہاں سے چلا گیا مجھے اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ میں اس وقت ابا جی کا سامنا کروں، صبح جب ابا جی سے کہا کہ تیار ہو جائیں ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں تو انہوں نے انکار کر دیا بولے کہ۔

''میں بالکل بھلا چنگا ہوں۔'' اور گھونسہ میری کمر پر جڑ دیا بولے۔

''نکل گئی نا تیری چیخ او میں گاؤں کے دودھ مکھن کھا کے جوان ہوا ہوں میری ہڈیوں کو کچھ نہیں ہوا جا جا کے اپنا کم کر۔''

میں نے اس واقعے کے بعد ابا جی پر نظر رکھنی شروع کر دی، کہ آخر کیا معاملہ ہے اور بات جلد ہی میری سمجھ میں آ گئی وہ ماں جی کو یاد کرتے تھے اور یہ دیکھ کر میں حیران تھا کہ نہ تو ان کو ماں جی سے اتنی محبت تھی نہ کبھی انہوں نے ماں جی کو اہمیت دی تھی بلکہ میرے خیال میں تو ابا جی نے شکر ادا کیا ہو گا کہ ماں جی کے مرنے کے بعد ان سے جان چھوٹ گئی، میری ماں جی کوئی لڑاکی عورت نہیں تھی بلکہ وہ تو مٹی کی یادھو تھیں، سیدھی سادھی اور صبر کرنے والی عورت تھیں میں نے ابا جی کو ہمیشہ ان پر چلاتے اور غصے کرتے ہوئے ہی دیکھا تھا میں انگلیوں پر ان لمحوں کو گن سکتا تھا جب ابا نے ماں جی سے آرام سے بات کی ہو ورنہ ہمیشہ وہ ان کو طعنے اور برا بھلا کہتے ہوئے ہی نظر آتے تھے اور ان کے غصے اور بدتمیزی کو میری دادی اور پھوپھیاں اور چاچیاں بڑھاوا دیتی تھیں، میری ماں کی ذرا سی کوتاہی پر دادی زمین و آسمان ایک کر دیتی تھیں، جب تک میرے باپ کے ہاتھوں ماں جی کو ذلیل نہ کروا لیتی ان کو چین نہ آتا تھا اور ابا جی کی بڑی سے بڑی غلطی اور بات پر ایسے بن جاتیں کہ جیسے کچھ بھی نہیں ہوا بلکہ ابا جی کی بھی ساری کوتائیاں ماں جی کے کھاتے میں ڈال دیتیں تھیں۔

ایک دفعہ ابا جی نے ماں جی کو اتنا مارا کہ کمر نیلو نیل ہو گئی، ان دنوں میری بڑی پھپھو میکے رہنے آئی ہوئی تھی شاید کے ان کو بھی ماں جی جیسا سسرال ملا تھا اس لئے وہ ماں جی کو وہ بھابھیوں والی عزت دیتی تھیں جب پھپھو نے یہ سب دیکھا تو دادی سے بہت لڑائی کی دادی نے میری ماں کی حالت دیکھنے کے باوجود صرف اتنا کہا کہ۔

''اللہ جانے آج صدیق کو کس بات کا غصہ ہے پہلے تو اتنا نہیں مارتا تھا، ارے یہ تو ہے ہی عقل سے پیدل بے وقوف عورت جب پتہ ہے کہ میاں اتنے غصے والا ہے تو بندہ شوہر کو غصے میں آنے ہی کیوں دے کیوں نہیں ہر کام میں ایک قدم آگے رہتی۔''

میری ماں جی ہر کام میں ایک قدم نہیں بلکہ دس قدم آگے ہوتی تھیں، ہم خوشحال کھاتے پیتے زمیندار تھے گھر میں روپے پیسے کی کوئی کمی نہ تھی نوکر چاکروں کا ڈھیر تھا مگر پھر بھی ماں جی میرے باپ کا ہر کام اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں، گاؤں میں سوئی گیس آ گئی تھی مگر ابا جی کا کہنا تھا کہ صبح کا ناشتہ لکڑیوں پر ہی بنے چائے ناشتے میں شامل لکڑیوں کی خوشبو مجھے شام تک تازہ دم رکھتی ہے اور بنائے بھی ہاجرہ ہی، ماں جی چاہے سردی ہوتی یا گرمی بیمار بھی ہوتیں تو گرتی پڑتی ناشتہ تیار کرتیں نہ صرف ابا جی اور ان کے دوستوں مہمانوں کا بلکہ سارے گھر کا، گھر نوکروں سے بھرا پڑا تھا مجھے بہت غصہ چڑھتا کہ میری ماں سے کیوں نوکروں والا کام کروایا جاتا ہے یہ کام چاچیاں اور پھپھویاں کیوں نہیں کرتیں، شاید میرے چاچے شہر میں رہتے تھے اور چاچیاں پڑھی لکھی تھیں اس لئے دادی کے عتاب سے دور رہیں دوسرا ماں جی کا تعلق ابا جی کی شریکہ برادری سے تھا آپس کے جھگڑوں کو ختم کرنے کے لئے ماں جی اور ابا جی کی شادی کی گئی تھی، چاچیوں کے ماں جی سے بیر رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے صرف ماں جی کو دو بیٹے دیئے باقی دونوں چاچیوں کی بیٹیاں تھیں چونکہ دیہات اور برادری سسٹم میں بیٹوں کی اہمیت ہوتی ہے اس لئے چاچیاں اپنے حسد کی وجہ سے ماں جی کی برتری کو نہیں مانتی تھیں، یہ نہیں کہ ماں جی کسی گرے پڑے خاندان سے تھیں، میرے سب سے بڑے نانا جی پنچائیت کے بڑے سردار تھے، تمام فیصلے ان کے حکم سے ہوتے تھے اور مربعوں اور جاگیروں کے حساب سے بھی ماں جی کا خاندان زیادہ بڑا مانا جاتا تھا ماں جی اگر ایک شکایت ہی کر دیتی تو ابا جی کی اچھی خاصی کلاس ہو جاتی تھی مگر ماں جی نے کبھی بھی اپنے سسرال کی برائی اپنے میکے میں نہیں کی تھی، بلکہ وہ ہمیشہ ابا جی کی عزت بنانے کی کوشش کرتیں تھیں، میکے جاتیں تو سب سے اچھا لباس پہنتی اور وہاں جا کر ہر بات میں ابا جی کی تعریف کرتیں اور یہ بات ہے کہ بیچاری میکے جانے کے لئے ترستی تھیں جب بھی جانے کی اجازت مانگتی ابا جی گھر میں کوئی نہ کوئی فساد کھڑا کر دیتے تھے ماں جی کو صرف خوشی یا غمی میں جانے کی اجازت ملتی وہ بھی اس لئے کیوں کے ساری برادری نے اکٹھا ہونا ہوتا تھا، ابا جی نے کبھی بھی ماں جی کو عزت سے

نہیں پکارا تھا، الو کی پٹھی، بے وقوف عورت اور ڈنگر تو عام القاب تھے جو وہ آرام سے بات کرتے ہوئے بولتے تھے غصے میں تو ایسی گالیاں نکالتے کہ میں شرم زمین میں گڑ جاتا تھا میں نویں جماعت میں پڑھتا تھا جب میں پہلی دفعہ ماں جی کے لئے ابا جی کے سامنے کھڑا ہوا ماں جی تندور میں روٹیاں لگانے کے لئے اس میں بالن (لکڑیاں) ڈال رہی تھیں کہ ان کا ہاتھ جل گیا میں دور سے بیٹھا دیکھ رہا تھا کہ میرا خون کھول اٹھا میں نے ابا جی کی ہی طرح ہی غصے میں شور کر کے پوری حویلی سر پر اٹھا لی دادی ابا جی نوکر پھپھو، چاچی جس جس کو آواز گئی دوڑتا ہوا آ گیا، میں نے تندور سے جلتی لکڑیاں نکال کر باہر پھینکی اس کو پاؤں سے ٹھوکر مار کر بولا۔

''آج کے بعد میری ماں تندور میں روٹیاں نہیں لگائیں گیں یہ جو اتنے سارے نوکر ہیں یہ میلے میں نہیں آئے ہیں روٹیاں جو بھی لگائے مگر میری ماں یہ کام نہیں کرے گی۔'' جلتے بالن کی وجہ سے میرے پاؤں کا انگوٹھا جل گیا تھا ابا جی اور دادی کی تو جان پر بن گئی آخر دو ہی وارث تھے اس خاندان میں اور مجھ سے دو سال چھوٹا فواد ابا جی نے فوراً مجھے گود میں اٹھا کر چارپائی پر لٹایا دادی نے نوکروں کو ڈانٹنا شروع کر دیا اور حکم دیا کہ اب سے روٹیاں ماسی برکتے لگائے گی۔

زندگی اپنے ڈگر پر چلنے لگی زیادہ تو نہیں مگر پھر بھی کچھ حد تک ماں کی زندگی میں آسانی ہو گی۔

میں ان دنوں ہوسٹل میں پڑھتا تھا جب ماں جی بیمار ہوئیں میں ان کے پاس ہوتا تو لازماً ان کو شہر کے بڑے ڈاکٹر کو دکھاتا ماں جی بھی عام گھریلو عورتوں کی طرح اپنی بیماری کو اہمیت نہیں دیتی تھیں کہ شوہر کے خون پسینے کی کمائی خواہ مخواہ ڈاکٹروں کو دی جائے، خود ہی ٹونے ٹوٹکوں کے ذریعے بیماری کا علاج کرتیں، بیماری زیادہ بڑھی تو حکیم صاحب سے دوائی لینی شروع کر دی لیکن ان کا مرض بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

میرے فائنل امتحانات سے مہینہ پہلے ابا جی نے آناً فاناً اپنے دوست کی بیٹی کے ساتھ میری شادی کی تاریخ پکی کر دی چونکہ سمعیہ میری پسند تھی اس لئے میں امتحان کا زیادہ شور نہ مچا سکا میں گاؤں گیا تو ماں جی بہت کمزور لگ رہی تھیں بہت جلد تھک کر لیٹ جاتیں تھیں مگر میری شادی کی خوشی کے رنگ ان کے چہرے پر نمایاں تھے، شادی کی تیاریوں کے سلسلے میں ابا جی نے میری چھوٹی پھپھو اور چاچی کو بلا لیا تھا مگر میں اس بات پر ڈٹ گیا کہ ہر چیز ماں جی کی پسند سے ہو گی اس لمحہ ماں جی کے چہرے کی خوشی دیکھنے والی تھی، ابا جی نے دو تین دفعہ کہا کہ تمہاری ماں تو گاؤں کی جاہل عورت ہے اسے کیا پتہ شہری لڑکیوں کی کیا پسند ہوتی ہے مگر میں نے ان کی ایک نہ چلنے دی اور ماں جی کو لے کر شہر آ گیا ماں جی جس چیز پر بھی ہاتھ رکھتیں میں خریدتا جاتا میں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ چیز سستی ہے یا مہنگی پینڈو لگ رہی ہے یا گہرے رنگ میں بس ماں جی کی خوشی مجھے مقدم تھی، شادی کے بعد بیوی کو میں نے گاؤں میں ہی چھوڑا کہ امتحانات سے فارغ ہو کر جیسے ہی شہر میں سیٹل ہوا تمہیں اپنے ساتھ لے آؤں گا اور اس کو ماں جی کا خیال رکھنے کی تاکید کے ساتھ میں شہر آ گیا، مجھے امتحانات سے فارغ ہوئے دو دن ہی ہوئے تھے، یار دوستوں کے ساتھ گھومنے کا پروگرام بن رہا تھا کہ میری بیوی کا فون آیا کہ آپ فوراً ہسپتال پہنچیں ماں جی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے ہم ان کو ہسپتال لائیں ہیں میں بھاگم بھاگ وہاں پہنچا تو دیکھا ماں جی کی حالت بہت

خراب تھی ڈاکٹروں نے بتایا کہ بلڈ کینسر کی آخری اسٹیج ہے اور زیادہ سے زیادہ بھی ماں جی ایک مہینہ زندہ رہیں گی میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی ہم نے ماں جی کو ان کی بیماری کے متعلق کچھ نہیں بتایا مگر شاید ان کو اپنی موت کا خود ہی سے پتہ چل گیا تھا ماں جی نے مجھے سختی سے کہا کہ فواد جو ان دنوں باہر پڑھنے گیا ہوا تھا اسے ماں جی کے بیمار ہونے کا نہیں پتہ چلنا چاہیے سادہ لوح عورت تھیں ماں جی اس نازک وقت میں بھی بیٹوں اور ابا جی کی پرواہ تھیں بولیں خواہ مخواہ بچہ پردیس میں پریشان ہو گا اور پھر تیرے ابا جی کے کتنے نوٹ لگے ہیں اسے باہر پڑھنے بھیجنے کے لئے ابھی دو ماہ پہلے تیری شادی پر ہی تو آیا تھا۔

او میری سادہ ماں میرا دل کرلایا تھا پھر بھی میں نے فواد کو فون کر دیا ماں جی کی بیماری کا تو بتا دیا مگر زیادہ سیریس حالت کا نہیں بتایا ابا جی بھی ہمارے ساتھ ہی تھے میں نے پہلی دفعہ ان کے چہرے پر پریشانی کے آثار دیکھے تھے۔

اس دن ماں جی کی حالت بہت خراب تھی مجھے کہنے لگیں میرے مرنے کے بعد دونوں بھائی ایک دفعہ میری قبر پر اکٹھے ضرور آنا میں رو پڑا میں نے کہا ماں جی آپ ایسی باتیں کیوں کر رہی ہیں تو ہنس کر بولیں اگر میرے رب نے مجھے بخش دیا تو میں جنت کے دروازے میں بیٹھ جاؤں گی اور اپنے رب سے دعا کروں گی کہ میرے بیٹوں کو بھی بخش دے میرے بیٹے میرے فرمانبردار تھے انہوں نے میری بڑی خدمت کی ہے پھر ایک دم سے اداسی سے بولیں لیکن میں کیسے جنت میں جاؤں گی تیرے ابا جی تو کبھی مجھ سے خوش نہیں ہوئے نہ تو میں اچھی بیوی بنی نہ اچھی بہو، نہ اچھی ماں پتہ نہیں اچھی بیٹی بھی تھی یا نہیں اس کے بعد ان کی سانس اکھڑنے لگی، میں فوراً ڈاکٹر کو بلا کر لایا مگر ماں جی خاموشی سے بغیر کسی کو تکلیف دیے منوں مٹی تلے چلی گئیں اور میں ان کو یہ بھی نہ بتا سکا کہ ماں جو رحمان و رحیم ہے جو ستر ماؤں جیسی ایک ماں ہے وہ کیوں نہیں آپ کو جنت میں جانے دے گا وہ جس نے کہا کہ جنت صابروں کے لئے ہے تو ماں جی آپ نے تو ساری عمر صبر کیا اپنی وجہ سے دو برادریوں میں لڑائی نہ پڑنے دی ساری عمر شوہر کی خوشی کو اہمیت دی جو کھایا جو پہنا جو کیا شوہر کو آرام دینے اور اس کی رضا مندی سے کیا میں ماں جی کے چالیسویں تک گاؤں میں رہا پھر شہر آ گیا ماں جی کی وفات کو دو مہینے ہوئے تھے کہ ایک رات ابا جی کا فون آیا کہ ابھی کہ ابھی مجھے آ کر لے جا تب سے ابا جی میرے پاس تھے۔

☆☆☆

میں ابا جی کے کمرے میں آیا تو دیکھا کھانا سامنے پڑا ٹھنڈا ہو رہا ہے اور ابا جی کسی سوچ میں گم بڑبڑا رہے ہیں میں نے جا کر آواز دی ابا جی نے چونک کر مجھے دیکھا میں نے پوچھا۔

''ابا جی آپ کھانا نہیں کھا رہے ہیں۔'' ابا جی منہ بنا کر بولے۔

''مجھ سے نہیں کھایا جاتا یہ بد ذائقہ کھانا۔''

میں نے کرسی گھسیٹ کر ان کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ابا جی جب سے آپ میرے پاس آئے ہیں یہ تیسرے مہینے میں دوسرا خانساماں بدلا ہے آپ کے لئے، آپ کو اس کے بھی ہاتھ کا کھانا پسند نہیں آ رہا ہے میرے خیال میں، میں گاؤں سے طیفے نائی کو بلاتا ہوں یا گاؤں سے کوئی عورت جس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا آپ کو پسند آئے گا۔''

ابا جی پھر سے کسی سوچ میں گم ہوتے ہوئے بولے۔

"کسی کو بھی اچھا کھانا نہیں بنانا آتا اچھا کھانا بنانے والی تو چلی گئی تجھے یاد ہے تیری ماں کیسا مزیدار کھانا بناتی تھی۔"

میں حیران ہوا ابا جی نے تو کبھی ماں جی کے ہاتھ کے پکے کھانے کی تعریف نہیں کی تھی الٹا وہ اپنے دوستوں کی بیویوں اور خاندان کی دوسری عورتوں کے کھانے کی تعریف کرتے رہتے تھے، میں بولا۔

"ابا جی آپ ماں جی کی ہی بات کر رہے ہیں؟"

پر ابا جی تو اس وقت کسی اور جہاں میں گم بولے جا رہے تھے کیا آلو گوشت بناتی تھی، سالن پر آئی تری اور رنگ دیکھ کر، بھرے ہوئے پیٹ والے کو بھی بھوک لگ جاتی تھی کیا وہ سالن کو تڑکا لگاتی تھی ساری حویلی مہک جاتی تھی جب بھی میرے پاس آ کر بیٹھتی تھی بغیر کہے ہی میرے پیر اور ٹانگیں دبانے لگ پڑتی تھی، ماسی برکتے کہتی تھی چوہدری صاحب میں نے اپنی جوانی اور بڑھاپا اس حویلی میں گال دیا ہے مگر چوہدرانی جی کے منہ سے کبھی بھی آپ کے لئے کچھ برا نہیں سنا تیری دادی اپنی زندگی کے آخری دنوں میں کہا کرتی تھیں صدیق پتر اللہ پاک کا خاص کرم ہے تجھ پر اس نے بیٹے بھی تجھے دیے ہیں اور بیوی بھی تیری ہیرے جیسی ہے میں نے کبھی قدر ہی نہ کی اس عورت کی جو خاموشی سے میری زندگی میں آئی اور خاموشی سے چلی گئی کتنی خواہشیں اور ارمان تھے اس کے دل میں مگر جانتی تھی کہ میں نے اس کی کوئی خواہش پوری نہیں کرنی اس لئے دل کی دل میں لے کر چلی گئی اسے بلڈ کینسر نہ ہوتا تو کیا ہوتا ساری عمر تو اس کا خون جلتا رہا ہے، تجھے پتہ میں تیرے پاس کیوں آ گیا تھا گاؤں کی حویلی میں ہر وقت وہ مجھے چلتی پھرتی نظر آتی تھی کبھی تندور پر روٹیاں لگاتی ہوئی کبھی لسی بلو رہی ہوتی تھی کبھی چارپائی پر بیٹھ کر چھٹیا بنا رہی ہوتی مگر مجھ سے بات نہیں کرتی تھی میں ڈر گیا تھا اس لئے تیرے پاس شہر آ گیا، میں ابا جی کو آواز دی مگر وہ بس اپنے آپ میں گم بولے چلے جا رہے تھے بلال اکبر میں مر گیا تو چاہے جو مرضی ہو جائے مجھے اپنی ماں کی ساتھ والی قبر میں دفن کرنا تم دیکھنا فرشتے جب حساب کتاب لینے آئیں گے تو تب بھی میرے سارے گناہ اپنے سر لے لے گی، تو جا یہاں سے جب تو چلا جائے گا تو تیری ماں آ جائے گی پھر میں یہ کھانا بھی کھا لوں گا۔

اور میں وہاں سے اٹھ کر آ گیا، بیٹھ کر وہاں کیا کرتا جو مرض ابا جی کو لاحق ہو گیا تھا اس کا کوئی علاج نہیں ہے یہ مرض پچھتاوا ہے جو روح کو اندر ہی اندر سے کھا جاتا ہے اور انسان بن پانی مچھلی کی طرح تڑپتا رہتا ہے، ابا جی جیسے لوگ اپنی انا اور حاکمیت کے گھوڑے پر سوار سرپٹ بھاگے جا رہے ہوتے ان کو اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ اس گھوڑے کے پیروں تلے ان سے وابستہ لوگوں کے حقوق اور جذبات روندے جا رہے ہوتے ہیں اور جب وہ تھک کر اس گھوڑے سے اترتے ہیں تو خالی ہاتھ ہو چکے ہوتے ہیں، ساری عمر اپنے سے وابستہ لوگوں کی پیٹھ اس لئے نہیں تھپکتے ہیں کہ کہیں یہ ان کے سر پر سوار ہی نہ ہو جائیں، اب ابا جی کے پاس بھی کچھ نہیں بچا تھا وہ ہر روز ندامت کے سمندر میں غرق ہوتے جا رہے تھے جہاں سے وہ کبھی بھی ابھر نہیں سکتے تھے اور زندگی کی بڑی تلخ حقیقت مجھے اب سمجھ آئی تھی کہ یہاں آپ کو اچھا بننے کے لئے مرنا پڑتا ہے۔

☆☆☆

ذرا سی بات

فرحت انصاری



”لیجیے جناب آپ کی گرما گرم چائے۔“ تجمیح کی سبک رو ہوا ساری فضا کو معطر کر کے ماحول میں نرماہٹ سموئے ہوئے تھی، عتیق لان میں اخبار کے طویل مطالعے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ نزہت ان کے لئے گرم چائے لئے لان میں آ گئیں، واصف اور ثاقب اپنے کمروں میں بیگمات سمیت محو نیند تھے، نبیلہ اور سبیلہ بچوں کو سکول بھیج کر دوبارہ سونے کی عادی تھیں، ان کی صبح بارہ بجے سے پہلے نہ ہوتا تھی، عتیق بیٹوں کی عادت سے سخت نالاں رہتے، دونوں بھائیوں نے ان کے بزنس کو اپنی محنت سے مزید ترقی و عروج دیا تھا، وہ صبر کے گھونٹ پی جاتے۔

”ابھی تمہارے لاڈلوں کی صبح نہیں ہوئی ہے۔“ وہ بچوں کی عادت سے بخوبی واقف ہوتے ہوئے بھی چائے کا کپ تھامتے ہوئے بیوی سے گلہ کر گئے۔

”آپ اپنا خون نہ جلایا کریں، وہ دونوں دیر سے جاگنے کے عادی ہیں۔“ نزہت نے ان کا غصہ اپنی محبت بھری نرمی سے کم کرنا چاہا۔

”دنیا اپنے آدھے کام نمٹا چکی ہوتی ہے اور تمہارے لاڈلوں کے دن کا آغاز ہوتا ہے۔“ وہ صبح خیزی کے عادی تھے انہیں بچوں کا دیر تک سونا ناپسند تھا مگر وہ ان کی کوئی بات نہ سنتے تھے۔

”عتیق انہوں نے اپنی محنت سے سارا بزنس سنبھال بھی تو رکھا ہے۔“ نزہت نے بچوں کی طرفداری کی اور یہی ان کی غلطی تھی۔

”تم بجائے انہیں سمجھانے کے، انہیں ہمیشہ شہہ دیتی ہو، وہ دو دو بچوں کے باپ بن چکے ہیں۔“ وہ حسب عادت بھڑک اٹھے۔

”اچھا اب جانے بھی دیں، چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔“ نزہت نے ان کا دھیان ٹھنڈی ہوتی چائے کی طرف دلایا۔

”نزہت میں شام کو وکیل کو بلوا رہا ہوں تم نغمانہ کو بھی بلوا لو۔“ عتیق یکدم کسی فیصلے پر پہنچ کر گویا ہوئے تھے۔

”ہائیں وہ کیوں؟“ نزہت حیران رہ گئیں۔

”میں اپنی زندگی میں جائیداد کا بٹوارہ کرنا چاہتا ہوں۔“ وہ بے لچک لہجے میں گویا ہوئے، وہ تینوں بچوں کو بیاہ کر فارغ البال تھے، انہوں نے بزنس بیٹوں کو سونپ رکھا تھا، مگر وہ اپنی زندگی میں بٹوارہ کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے، نزہت کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ یکدم ایسا کیوں کرنا چاہتے ہیں، وہ سر ہلا کر رہ گئیں، اسی شام عتیق نے بچوں کی موجودگی میں بزنس و جائیداد کا بٹوارہ کر دیا، کسی کو ان کی تقسیم کردہ جائیداد پہ اعتراض نہ تھا۔

☆☆☆

”تم نے سارے برتن دوپہر کو کیوں نہیں دھوئے تھے۔“ صبغہ کی دوپہر کو برتن دھونے اور کھانا پکانے کی باری تھی جبکہ نغمانہ کی شام کو وہ بچوں کو ہوم ورک کروا کر کچن میں کام کرنے آئی تو اس کی جان برتن دیکھ کر سلگ اٹھی، وہ غصے سے بھری صبغہ کے پاس جا پہنچی، صبغہ نے اپنے پسندیدہ ڈرامہ کی قسط دیکھنے کے لئے دوپہر کو دانستہ ادھورا کام کیا تھا۔

”بھابھی اس میں اتنا خفا ہونے کی کیا ضرورت ہے، آپ بھی کل دوپہر کو ادھورا کام چھوڑیئے گا۔“ یہاں الٹی گنگا بہہ رہی تھی وہ بجائے شرمندہ ہونے کے انہیں الٹی راہ سجھا رہی تھی۔

”بہت شکریہ مشورے کا، بہتر ہو گا کہ تم اپنی باری کا کام مکمل کر لیا کرو۔“ یہ پہلی بار نہ تھا، صبغہ کے دو ماہ پہلے بیٹی ہوئی تھی، وہ اکثر کام چوری کر جاتی تھی جبکہ نغمانہ کے تین بچے تھے اسے بچوں کے ساتھ اس کے ادھورے کام بھی نپٹنا پڑتے تھے ورنہ شاہدہ بیگم (ساس) اسی کے لتے لیتیں، وہ بڑی بہو تھی اور اس کی شادی کو آٹھ سال ہو گئے تھے، جبکہ صبغہ کی شادی کو ڈیڑھ سال ہوا تھا، وہ اکثر اپنی بھانجی کی طرفداری کرتی تھیں اور اس کا قصور ہوتے ہوئے بھی نغمانہ کو ڈپٹ دیتیں وہ اپنی فطری نرم خوئی کے باعث صبر کے گھونٹ پی جاتی تھی، نغمانہ غصے سے بات مکمل کر کے مڑ گئی، صبغہ نے لاپرواہی سے کندھے اچکا کر ٹی وی آن کر لیا، اس کے کان پر جوں تک نہ رینگی تھی۔

☆☆☆

”نغمانہ بیٹا تمہیں میری تقسیم پہ کوئی اعتراض تو نہیں ہے نا؟“ وہ میکے آئی ہوئی تھی، دونوں بھائی بھی آفس سے آف پہ تھے، وہ لنچ کے بعد لاؤنج میں سب کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھی، عتیق نے دفعتاً خیال آنے پر پوچھ لیا، انہوں نے رہائشی بنگلہ اور بزنس دونوں بھائیوں میں برابر بانٹا تھا جبکہ اسے کئی لاکھ مالیت کے دو پلاٹ دیئے گئے تھے، چونکہ دونوں پلاٹوں کی قیمت اس کے حصے کے برابر تھی سو دونوں بھائیوں نے ان کا فیصلہ بخوشی مان لیا تھا۔

”جی ابو، میں خوش ہوں۔“ وہ باپ کی چہیتی و لاڈلی بیٹی تھی، وہ اس کا بے حد خیال رکھتے تھے، نغمانہ نے باپ کو تسلی دی وہ اپنا مکمل حصہ لے چکی تھی، عتیق کی تمام پراپرٹی و بزنس کا پانچواں حصہ اسے ملا تھا۔

”ابو بھلا اسے کیا اعتراض ہو گا، آپ نے ہمیشہ اس کا خیال رکھا ہے۔“ وصی نے بھی سسر کو خوشدلی سے تسلی دی تھی، وہ شہر کی مشہور آٹو ورکشاپ کا مالک تھا، اس کا بزنس بھی شاندار تھا، ان کا گزارا بہت اچھا ہو رہا تھا، اگر اسے سسر کے ارادوں کی بھنک پہلے پڑ جاتی تو وہ نغمانہ کو بخوشی حصہ چھوڑنے کا کہہ دیتا، مگر انہوں نے اچانک انہیں بلوا کر وکیل کے سامنے بات کی تو وہ چاہ کر بھی کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہ دیا تھا، لیکن اس نے سنتے ہی انکار ضرور کرنا چاہا تھا جسے عتیق نے سنا ان سنا کر دیا تھا۔

”بیٹا زندگی موت کا کوئی بھروسہ نہیں ہے میں اپنی زندگی میں اپنے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتا تھا۔“ نہ جانے کیوں عتیق چند روز سے انجانے وسوسوں کا شکار تھے، انہوں نے نرم لہجے میں داماد کا کندھا تھپکا تھا، وہ سر ہلا کر رہ گیا۔

☆☆☆

کچن میں برتنوں کی کھٹ پٹ پھیلی تھی، وہ کافی دیر سے مصروف تھی، اسے کچن سمیٹ کر بچوں کو ہوم ورک بھی کروانا تھا، وصی کے آفس سے آنے کا وقت تھا، موسم بدل رہا تھا، اسے ہوم ورک کے بعد بچوں کی شاپنگ کے لئے بھی جانا تھا۔

”نغمانہ۔“ شاہدہ بیگم سارا دن اپنے کمرے میں رہتی تھیں، ان کا زیادہ تر وقت ٹی وی دیکھتے یا نماز و ذکر اذکار میں گزرتا تھا، وہ ضرورتاً کمرے سے باہر نکلتیں مگر انہیں گھر کے ہر فرد کے متعلق ہر رپورٹ ہوتی تھی، انہیں اپنی دونوں بہوؤں کے متعلق ان کے کام کی روٹین کا بھی علم تھا، ان دونوں سے اگر کوئی چوک ہو جاتی تو وہ فوراً اپنے بیٹوں سے شکایت جڑ دیتیں اور وہ دونوں بیوہ ماں کی محبت و فرمانبرداری میں بیویوں پر چڑھ دوڑتے۔

صبغہ کو ذرا چھوٹ مل جاتی وہ ان کی بھانجی اور پسندیدہ بہو تھی، نغمانہ کو وراثت میں میکے سے حصہ ملنے پر شاہدہ بے حد خوش تھیں اور وہ بھی ان کی لاڈلی بہو کا درجہ پا چکی تھیں، وہ نماز عصر کے

بعد اذکار میں مصروف تھیں، انہیں پیاس کا احساس ہوا تو انہوں نے اسے پکارا۔

''نغمانہ!'' وہ مصروفیت میں ان کی پکار نہ سن پائی انہوں نے اسے دوبارہ پکارا تھا۔

''جی جی آنٹی۔'' وہ ان کے بدلتے رنگ ڈھنگ نہ بھانپ سکی تھیں، اسی لئے وہ ان کے پکارنے پر کام چھوڑ کر بوتل کے جن کی مانند حاضر ہو گئی، مبادا وہ آتے ہی وصی سے شکایت جڑ دیں اور وہ شاپنگ پر جانے سے ہی انکار کر دے۔

''مجھے ایک گلاس پانی کا دو۔'' وہ اگلے لمحے پانی لئے حاضر تھی۔

''بیٹھ جاؤ۔'' شاہدہ بیگم کا لہجہ غیر معولی شیرینی وحلاوت لئے ہوئے تھا وہ ان کے بیڈ کی پائنتی پر ٹک گئی۔

''تم کام زیادہ ہو تو صبغہ کو بھی ساتھ ملا لیا کرو۔'' وہ پانی پی چکی تھیں، نغمانہ خالی گلاس تھام کر بعجلت اٹھی، وہ ان کی بات پر بے یقینی وتحیر بھری خاموش آنکھیں لئے گھومی تھی۔

''جی۔'' ساس کے بدلے رنگ اس کی سمجھ سے بالاتر تھے، وہ مختصر جواب دے کر ان کا مبہم رویہ کھوجتی پلٹ گئی تھی۔

☆☆☆

''وصی! آپ آنٹی سے بات کریں، صبغہ اپنی باری کا کام ہی کر لے میرے لئے وہی بہت ہے۔'' صبغہ کی گھر کی صفائی کی باری تھی، شاہدہ نے نرم دل ساس کا تاثر دینے کے لئے دونوں بہوؤں کے کاموں میں کبھی مداخلت نہ کی تھی، وہ دراصل بیٹوں کے کان بھر کر ان سے بہوؤں کی کلاس لگوا لیتی تھیں، نغمانہ نے ان کی عدم مداخلت پر گھر کے تمام امور برابر بانٹ رکھے تھے، گرما کا آغاز تھا اس روز رات کو خوب آندھی آئی تھی صبغہ کی صفائی کی باری تھی، اس نے گھر کی صفائی تو کی تھی مگر فرنیچر اور درازوں وکھڑکیوں کی ڈسٹنگ صاف نہ کی تھی، امی اور ابو اس سے ملنے آئے تھے، وہ انہیں لئے ڈرائنگ روم میں آئی تو ڈسٹنگ دیکھ کر اس کی جان جل گئی، ناچار اسے ڈسٹنگ کرنا پڑی تھی، نغمانہ کا سارا موڈ آف ہو گیا تھا، اس نے رات کو شوہر کے لوٹتے ہی شکایت جڑ دی تھی۔

''کیا ہوا ہے۔'' وصی آفس سے تھکا ہارا لوٹا تھا، وہ مقامی کمپنی میں سول انجینئر تھا، ان کی کمپنی کو نیو ہائی وے کا پراجیکٹ ملا تھا، وہ سارا دن پراجیکٹ ڈیٹا کی تیاری اور پل کے اسکیچز میں بزی رہا تھا، وہ تھکاوٹ سے چور الجھ کر رہ گیا۔

''آپ کی بھابھی کام چور ہے۔'' نغمانہ نے اسے سارا واقعہ سنا ڈالا تھا۔

''یار تم نے ڈسٹنگ کر کے کام کر لیا تھا نا پھر اب بات ختم کرو، میرا سر دکھ رہا ہے جاؤ میرے لئے کھانا لگاؤ۔'' وہ سخت بدمزہ ہوا تھا، وہ اپنی بدمزگی پر قابو پاتا غصہ دبا کر نرمی سے گویا ہوا۔

''آپ کو تو میری ذرا پروا نہیں ہے۔'' نغمانہ کا غصہ شوہر کی بے توجہی پر بڑھ گیا، وہ خفگی سے پاؤں پٹختی کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔

''اچھا میں امی سے بات کروں گا، تم اپنا موڈ آف نہ کرو۔'' وہ شوہر کی چہیتی ولاڈلی بیوی تھی، اس سے خفگی نہ سہی گئی، اس نے فوراً ہتھیار ڈالتے ہوئے بازو تھام کر روک لیا۔

''ہوں، او کے مگر آپ امی سے جلدی بات کیجئے گا۔'' نغمانہ کا موڈ بحال ہو گیا وہ چہرے پر مسکراہٹ سجائے اسے وارن کرتی پلٹ گئی تھی، وصی سر اثبات میں ہلاتا نرمی سے اپنا ماتھا سہلانے لگا، سر بری طرح دکھ رہا تھا۔

☆☆☆

ہال کمرے میں پانچ نفوس کی موجودگی کے

باوجود پن ڈراپ سائیلنس تھی، شاہدہ بیگم کی کڑی گھورتی نظریں باری باری بہو اور بیٹوں کے چہرے کا بغور جائزہ لے رہی تھیں۔

''میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں تم دونوں بھائیوں کو الگ کر دوں۔'' شاہدہ بیگم کی بارعب آواز نے خاموشی کا پردہ چاک کیا، دراصل ان کی دور اندیشی جہاندیدہ نگاہیں بھانپ چکی تھیں کہ ان کی حکمرانی کے دن گنے جا چکے ہیں، رضی تو صبغہ کا دیوانہ تھا، وہ ان سے بیوی کی خاطر دو بار جھگڑ چکا تھا، وہ بہو اور بہن کی نظروں میں معتوب ٹھہری تھیں، دوسری طرف نغمانہ تھی، وہ ان کا احترام کرتی تھی اور ان سے خاصا دبتی تھی مگر وہ میکے سے وراثتی حصہ ملنے پر خاصا مضبوط بن چکی تھی وہ ان سے بدتمیزی یا جھگڑا نہ کرتی تھی اور نہ ہی شوہر کو پٹیاں پڑھاتی تھی مگر اب اسے اپنے حقوق کے لئے لڑنا آ گیا تھا، اس نے ساس سے دبنا چھوڑ دیا تھا۔

''واٹ امی ہم ایسا نہیں چاہتے ہیں۔'' وصی اور رضی بیک زبان بولے، ان کا گزارا ٹھیک ہو رہا تھا، معاشی حالات بہترین تھے، مسئلہ صرف صبغہ کی کام چوری کا تھا۔

''میں اپنی دونوں بہوؤں کی حق تلفی نہیں چاہتی ہوں، تم جلد دونوں پورشنز میں دیوار ڈلواؤ پھر یہ دونوں جو مرضی کریں، جس سے کام نہیں ہوتا وہ نوکرانی رکھ لے۔'' شاہدہ بیگم اپنے فیصلے سے ایک انچ پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھیں، انہوں نے فوراً اہم فیصلہ کر ڈالا تھا، اور اسی میں سب کی بھلائی تھی، شاہدہ کو بھی اپنی بھلائی یہی لگ رہی تھی، انہیں صبغہ سے زیادہ نغمانہ سے امیدیں تھیں کہ وہ ان کی خدمت کرے گی۔

''خالہ آپ مجھے ایک موقع تو دیں۔'' صبغہ نے شوہر کی ہچکچاہٹ بھانپ کر منمناتے ہوئے گفتگو میں حصہ لیا۔

''آنٹی ہم علیحدگی نہیں، مسئلے کا حل چاہتے ہیں۔'' نغمانہ نے بھی خلوص دل سے انہیں منانا چاہا، وہ خود کو قصوروار سمجھ رہی تھیں۔

''یہی بہترین حل ہے، وصی تم کل ہی یہ کام شروع کروا دو۔'' شوہر مرحوم نے دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے گھر کی تعمیر یوں کروائی تھی کہ بوقت ضرورت گھر کو باآسانی دو پورشنز میں تقسیم کیا جا سکے، شاہدہ اپنا حتمی فیصلہ سنا کر اٹھ گئیں۔

☆☆☆

جلد ہی نغمانہ اور صبغہ کو الگ الگ پورشنز مل گئے تھے، شاہدہ بیگم کو نغمانہ بصد اصرار اپنے ساتھ لے آئی تھیں، صبغہ نے جھوٹے منہ بھی انہیں روکنے کی کوشش نہ کی تھی، بلکہ وہ بظاہر خود کو مصروفیت کا ڈھونگ رچائے لاتعلقی سے کچن میں گھسی رہی تھی، نغمانہ اور رضی ان کا سارا سامان اٹھا کر انہیں اپنے ساتھ لے گئے تو وہ کچن سے باہر نکلی تھی، اور ان کی مکمل تیاری پر مصنوعی حیرت کا اظہار کیا تھا، مگر شاہدہ اس کے کچھ بولنے سے پہلے گیٹ پار کر گئی تھیں۔

نغمانہ نے اپنا ایک پلاٹ بیچ کر گھر کی از سر نو جدید طرز تعمیر کروائی تھی، پرانی طرز کے گھر کی جگہ جدید طرز تعمیر کا بنگلہ بن چکا تھا، وصی بے حد خوش تھا، نغمانہ کی وفا وایثار نے اس کا مان بڑھا دیا تھا، اس نے کبھی خواب میں بھی شاندار بنگلہ کا تصور نہ کیا تھا، جو کہ اس کی آنکھوں کے سامنے حقیقت کا روپ ڈھالے ہوئے تھا۔

''واؤ ممّا۔'' بچے بھی بے حد ایکسائیٹڈ تھے، شاہدہ بیگم کا چہرہ اندرونی خوشی سے کھلا جا رہا تھا، انہیں نئے گھر سے زیادہ یہ خوشی تھی کہ نغمانہ نے ان کا مان نہ توڑا تھا، وہ ان کی امیدوں پر پورا اتری تھی، وہ سارے گھر میں گھوم چکے تھے، ان

کی نئی نئی شفٹنگ ہوئی تھی، مگر بچوں کا ذوق وشوق ماند نہ پڑا تھا۔

"تم دونوں اپنے کمرے میں جاؤ، صبح تم لوگوں نے سکول بھی جانا ہے۔" ان کی اسٹڈی کا شفٹنگ میں کافی ہرج ہو چکا تھا، نغمانہ نے محبت سے دونوں بچوں کے بال سہلاتے ہوئے ان کا ماتھا چوما تھا، وصی تفاخر بھری نظر اس پر ڈال کر اٹھ گیا۔

شاہدہ بیگم محو نیند تھیں، دونوں بچے منہ بسورتے اٹھ گئے۔

☆☆☆

"آپ نے دیر لگا دی۔" وہ خلاف معمول کافی لیٹ گھر لوٹا تھا، شاہدہ بیگم کھانا کھا کر اپنے کمرے میں جا چکی تھیں، جبکہ نغمانہ اور بچے اس کے منتظر بھوکے بیٹھے تھے، پورچ میں گاڑی رکنے کی آواز آئی تو وہ تیزی سے باہر لپکی، بچے بھی اس کے ہمراہ تھے، وصی کے چہرے پر اکتاہٹ طاری تھی۔

"گاڑی خراب ہو گئی تھی۔" اسے گاڑی ٹھیک کروانے میں خاصی دیر لگ گئی تھی، وہ کوفت سے بھرا ہوا تھا۔

"آپ نیا ماڈل دیکھ لیں۔" گاڑی خاصی پرانی تھی، رضی نے گاڑی کے پیسے لے کر گاڑی انہیں دے دی تھی، گاڑی اکثر خراب رہتی اور اس پہ خاصا خرچ ہو جاتا، وصی نے آج بھی پندرہ ہزار لگائے تھے۔

"یار میرے پاس ابھی نئی گاڑی کے لئے سونگو نہیں ہیں۔" اس کے اکاؤنٹ میں Latest ماڈل کے لئے پیسے ناکافی تھے، وہ بھی ہر مہینے کے خرچے سے عاجز آ چکا تھا۔

"میرے اکاؤنٹ میں رقم ہے وصی۔" نغمانہ نے نرمی محبت اور وفا سے شوہر کا دل موہ لیا تھا۔

"واٹ۔" وہ ہچکچاہٹ وتحیر کا شکار تھا، وہ اس سے رقم نہ لینا چاہتا تھا۔

"آپ انکار نہ کیجئے گا، میرے اور آپ کے پیسے الگ نہیں ہیں۔" وہ چینج کرنے کے لئے وارڈ روب کی طرف بڑھا، بچے ڈائننگ ٹیبل کا رخ کر چکے تھے، نغمانہ نے شوہر کی ہچکچاہٹ محسوس کر کے فوراً دوستانہ انداز میں مسکراتے ہوئے منہ بسور کر مصنوعی خفگی کا اظہار کیا تھا۔

"تم کھانا لگاؤ۔" وصی مزید بار تلے نہ آنا چاہتا تھا سو وہ اسے ٹالتا ہوا واش روم میں گھس گیا۔

"وصی آپ یہ ماڈل دیکھیں کیسا ہے۔" وہ کھانا کھا کر بچوں کو سلانے کے بعد نیٹ پر گاڑیوں کے نئے ماڈل سرچ کر رہی تھی، اس نے نیا ماڈل پسند آتے ہی شوہر کو متوجہ کیا، جو اس انہماک واشتیاق سے نیٹ پر بزی دیکھ رہا تھا۔

"اچھا ہے۔" نغمانہ اسی کی آسانی وسہولت کے لئے کر رہی تھی، وہ تھوڑی پس وپیش کے بعد مان گیا تھا، ماڈل کی پرائس نغمانہ کی جیب پر بار نہ تھی، اس کی آنکھیں نئی ذاتی گاڑی کے تصور سے ہی چمک اٹھی تھیں، وصی بھی مطمئن ومسرور تھا۔

☆☆☆

"وصی مجھے نئے زیورات لینا ہیں۔" خاندان میں شاہدہ کے بھتیجے کی شادی تھی، خلیل ماموں کے ہاں آخری شادی تھی وہ سب بچوں کو بیاہ کر فارغ تھے، وہ سب کے ڈریسز تیار کروا چکی تھی، وصی نے اسے شادی کی تیاریوں کے لئے پچیس ہزار زائد دیئے تھے، جو وہ ختم کر چکی تھی۔

"کیا تمہارے پاس پیسے ہیں۔" وہ ساری اماؤنٹ گاڑی اور گھر پر لگا چکی تھی اس کا بینک اکاؤنٹ خالی تھا، اس کا پر خلوص محبت، ہمدردی اور دیا ہوا مان ہی تھا کہ وصی بناء کسی ہچکچاہٹ کے پوچھنے لگا۔

"نہیں، مگر میرے پاس اس کا حل ہے۔" نغمانہ نے اطمینان سے چٹکی بجائی۔

"میں اپنے جہیز کے تین سیٹ میں سے ایک نئے ڈیزائن کا وائٹ گولڈ سیٹ لے لیتی ہوں۔" تجویز معقول تھی، اسے جہیز میں تین بھاری بھر کم گولڈ کے سیٹ ملے تھے، جو آؤٹ آف فیشن ہو رہے تھے وصی نے رضامندی دے دی، اسے پہلی فرصت میں نغمانہ کو جیولر شاپ لے کر جانا تھا۔

☆☆☆

رضی کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا، اسے کافی سیریس چوٹیں آئی تھیں، وہ آئی سی یو میں ایڈمٹ تھا، صبغہ کا رو رو کر برا حال تھا، شاہدہ بیگم چند گھنٹوں میں بے حد بوڑھی لگنے لگی تھیں، ان کے عمر رسیدہ چہرے پر جوان اولاد سے بچھڑنے کے خوف نے جھریاں بڑھا دی تھیں، ان کے بوڑھے لرزتے ہاتھ مسلسل تسبیح پر متحرک تھے اور لب اس کی زندگی کے لئے دعا گو، نغمانہ رو کر ہلکان ہوتی صبغہ کو تسلی دے رہی تھی۔

"مریض کے لواحقین آپ ہیں۔" آئی سی یو سے ایک ڈاکٹر بعجلت برآمد ہوا تھا۔

"جی ڈاکٹر صاحب۔" وصی بھائی کے لئے متفکر تھا، اس کی جان سولی پر ٹنگی تھی، ڈاکٹرز کوئی جھوٹی تسلی دینے کی بجائے دعا کا کہہ گئے تھے، وصی کا دل انجانے خوف سے سہم کر سکڑا تھا۔

"ہمیں مریض کا فوراً آپریشن کرنا ہے آپ میڈیسن اور بلڈ کا ارینج منٹ کریں۔" ڈاکٹر نے اسے دوائی کی پرچی تھمائی۔

"ڈاکٹر آپ ہم سب کا بلڈ ٹیسٹ کر لیں، ہو سکتا ہے ہم میں سے کسی کا خون کام آ جائے۔" وہ نغمانہ کو بھائیوں جیسا عزیز تھا، اس نے بھابھی کے کافی چاؤ کیے تھے، نغمانہ نے کہا۔

"آپ اپنا بلڈ گروپ ٹیسٹ کروالیں۔" ڈاکٹر اثبات میں سر ہلاتا مڑ گیا، وصی میڈیسن لینے بھاگا تھا، وہ میڈیسن لے کر لوٹا تو صبغہ اور نغمانہ کے بلڈ سیمپل لئے جا چکے تھے، ڈاکٹرز نے کمزوری کے باعث شاہدہ بیگم کا بلڈ سیمپل لینے سے انکار کر دیا تھا، وصی بلڈ سیمپل دے کر آیا تو شاہدہ بیگم کا ضبط ٹوٹ گیا، وہ زارو قطار رونے لگیں۔

"آنٹی آپ ہمت ہار جائیں گی تو ہمیں کون دلاسا دے گا۔" نغمانہ انہیں سنبھالتے سنبھالتے خود بھی رو پڑی۔

"نغمانہ کون ہیں۔" اسی لمحہ ڈاکٹر برآمد ہوا۔

"جی میں۔" وہ سرعت سے کھڑی ہو گئی۔

"آپ کا بلڈ میچ ہو گیا ہے آپ آ جائیں۔" وہ ڈاکٹر کے ہمراہ ہو لی، آپریشن دو گھنٹے جاری رہا، نغمانہ نے بصد اصرار دو بوتل خون دیا، آپریشن کامیاب رہا اور رضی کی حالت خطرے سے باہر ہو گئی، نغمانہ کا رواں رواں رب کا شکر گزار تھا۔

☆☆☆

"آپ شام کو جلد گھر آ جایئے گا۔" رضی کا آپریشن نہ صرف کامیاب رہا تھا بلکہ اسے ہفتہ بھر میں ہاسپٹل سے بھی ڈسچارج کر دیا گیا تھا، شاہدہ بیگم تمام گلے شکوے بھلا کر اسی کے ہاں موجود تھیں، نغمانہ اور وصی بھی دن میں دو تین چکر لگا لیتے تھے، وصی نے بھائی کی میڈیسن، ٹریٹمنٹ اور گھریلو اخراجات میں بھرپور مالی معاونت کی تھی اور اس ضمن میں اسے نغمانہ کی بھرپور سپورٹ حاصل تھی، نغمانہ نے اسے پیسوں کے معاملے

اندوز ہوتے ہوئے کھلے دل سے چھوٹی بھابھی کی تعریف کی۔

"یار تم کبھی اتنی فراخدلی سے صبغہ کی بھی تعریف کر دیا کرو۔" وصی نے نارمل انداز میں دھیمی مسکراہٹ سے اسے چھیڑا تھا۔

چائے کا گھونٹ بھرتی نغمانہ احساس توہین سے سلگ اٹھی، اس کا حلق جل گیا اس کا وجود انگاروں کی زد پہ تھا، عورت وفا کی دیوی ہے وہ مرد پہ اپنا سب کچھ دان کر دیتی ہے مگر مرد اسے بے توقیر و بے وقعت کرنے میں اک لمحہ کی بھی دیر نہیں لگاتا ہے، وصی عام انداز میں کہہ کر ثاقب بھیا کی کسی بات پر قہقہہ لگا رہا تھا، جبکہ نغمانہ سے پلکوں کی بار چلمن اٹھانا دوبھر تھا، صبغہ، نبیلہ اور سبیلہ سے شریک گفتگو تھی، غالباً اس نے وصی کی بات نہ سنی تھی، سبیلہ خاموش تھی مگر اس کی مبہم خاموش چبھتی نظریں نغمانہ کے وجود کے آر پار تھے مگر وہ عورت تھی، اسے اپنا دل اور ظرف بڑا کرنا تھا، اس کی آنکھ سے اک ضدی آنسو پھسل کر گال پر گرا، جسے اس نے پوروں پر چن کر چہرے پر مسکراہٹ طاری کر لی۔

☆☆☆

""تو یہ طے ہے کہ معاف نہیں کرو گے؟""
""ناراضگی ختم نہیں کرو گے؟""
""میری تکلیف، اذیت اور بے کلی دور نہیں کرو گے؟""
""دل جو ایک زخمی پرندے کی طرح تڑپ رہا ہے اس پر مرہم نہیں رکھو گے؟""
""وہ کون سا طریقہ ہے جس کو اپنا کر اگر تم سے معافی مانگی جائے گی تو تم مجھے معاف کر دو گے؟""
""اتنی بار اللہ سے معافی مانگو تو وہ بھی سارے گناہ معاف کر دیتا ہے۔""
""مگر تم رب تھوڑی ہو کے معاف کر دو گے۔""
""تم تو ایک انسان ہو، وہ انسان...... جو کسی کی ہزار نیکیاں، لاکھ محبتیں، کروڑ احسان اور اربوں چاہتیں بھلا کر اس کی ایک غلطی پر، اس کو سزائے موت سنا دیتا ہے۔""
""اور ایک اللہ ہے جس نے تمہیں مجھے ساری کائنات کو خلق کیا ہے، وہ ارض و سماء کا مالک ہے، ہمارا تمہارا سب کا مالک ہے، وہ ہماری ہزار غلطیاں، کوتاہیاں، لاکھوں گناہ، کروڑوں ناشکرگزاری کے لمحے اور سو خون سو قتل تک ہماری ایک معافی ایک ندامت کے ایک آنسو پر معاف کر دیتا ہے، ہمیں بخش دیتا ہے، معاف کرنا تو خدائی صفت ہے اور یہ صفت اللہ کے خاص بندوں میں پائی جاتی ہے، تم مت معاف کرو مجھے، کیونکہ تم نے تو کبھی میرا بھروسہ توڑا ہی نہیں تھا، تم نے مجھ سے آج تک کوئی جھوٹ بھی نہیں بولا، تم نے کبھی میرا دل دکھایا، نہ ہی مجھے رلایا، تڑپایا، لہٰذا تم میری غصے تکلیف اور بے بسی کے درد میں کٹ کر کہی گئی وہ ایک بات ہرگز معاف مت کرنا، کیونکہ تم ایک انسان ہو، جسے خاص انسان میں نے میری محبت نے سمجھا، مانا اور منوایا تھا، تم نے اپنی انا، اپنی فرعونیت زدہ خفگی لاتعلقی اور ناراضگی سے بے رخی بے حسی میں ڈوبی خامشی سے ظاہر کر دیا کہ تم تو بہت عام انسان ہو، اتنے عام کے خاص ہونا افورڈ ہی نہیں کر سکتے، یا پھر اتنے مہنگے اور قیمتی ہو کے میری قوت خرید سے باہر ہو، تمہیں شاید معلوم نہیں کہ قیمتی اور مہنگی چیزیں ہر کوئی افورڈ نہیں کر سکتا، اسی لئے باوجود خواہش اور پسندیدگی کے لوگ قیمتی اور مہنگی چیزوں کو چھوڑ دیتے ہیں، تم اتنے قیمتی مت ہو جانا کے میری قوت خرید کی رینج سے باہر ہی نکل جاؤ اور مجھے تمہیں تمہارے شوکیس میں سجا چھوڑ کر جانا پڑ جائے۔"" ارسلا نے بت بنے بیٹھے نائل احمد کو دیکھتے ہوئے گہرے سنجیدہ اور دوٹوک لہجے میں اپنی بات مکمل کی۔

""تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے کہ تم مجھے قیمتی یا مہنگا سمجھ کر چھوڑ جاؤ گی؟"" نائل احمد چھ فٹ کا خوبرو مرد تھا، اعلیٰ تعلیم یافتہ، دولت مند، بظاہر تو کوئی کمی نہیں تھی اس میں، ہاں خاصی تھی تو، یہ کہ وہ بہت انا پرست اور ضدی تھا، اس کا اندازہ ارسلا وقار کو اس سے محبت اور دوستی کے چار سال بعد ہو رہا تھا، ارسلا وقار خود بھی کسی شاعر کی حسین غزل کا مطلع تھی، بہار کا جوبن چودھویں کا چاند سرخ گلاب، حور شمائل، اپسرا، جیسے سارے تشبیہات اور استعارے، ارسلا وقار کے پروقار پیکر پر صادر آتے تھے، یونیورسٹی کے چار سال دوستی اور محبت کی سیڑھیاں چڑھتے انہیں بہت بلندی پر لے گئے تھے، جہاں سے واپسی کسی حادثے یا کسی انہونی کے سبب ہی ممکن تھی، مگر حادثے...... یا انہونی کی بجائے اک ذرا سی بات پر ان کی محبت کی سیڑھی سمٹ گئی تھی اور ان کا تعلق ہوا میں معلق ہو گیا تھا، ان کا رشتہ زمین اور آسمان کے بیچ، یقین و گماں کے درمیان جھول رہا تھا۔

""میں نے کہا نا، میں برانڈڈ اشیاء افورڈ نہیں کر سکتی۔"" ارسلا وقار نے حسرت اور دکھ بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔
""میں تمہیں ایک برانڈ لگتا ہوں؟""
""ہاں، تم خود ہی تو کہا کرتے تھے کہ نائل احمد ایک برانڈ کا نام ہے، ہر چیز برانڈڈ استعمال کرتے ہو۔"" ارسلا وقار سنجیدگی سے بولی۔
""اگر ایسا ہوتا تو میں محبت بھی برانڈڈ لڑکی سے کرتا، پینڈو لڑکی سے نہیں کرتا۔""
""میں تمہیں پینڈو لڑکی دکھتی ہوں؟"" ارسلا وقار کو دھچکا لگا تھا، تڑخ کر بولی۔
""میں نے تو سوائے فلموں اور ڈراموں کے گاؤں کبھی کہیں نہیں دیکھا، کبھی کسی گاؤں میں گئی بھی نہیں، کسی پنڈ جانے کا خیال بھی نہیں آیا کبھی، میں شہر میں پیدا ہوئی، یہیں پلی بڑھی اور تم نے مجھے پینڈو لڑکی کہہ دیا۔""
""برانڈ کے سامنے تو، شہری لڑکی بھی، لوکل اور پینڈو ہی ہوتی ہے نا۔"" نائل احمد مسکراتے ہوئے بولا لہجہ طنزیہ تھا۔
""اچھا...... تو ٹھیک ہے، تعلق ختم کرنے کا، ارادہ کر ہی چکے ہو تو یہ سب باتیں، فضول ہیں، بیکار ہیں، اب اگر دوبارہ کسی سے محبت کرنا، تو اعلیٰ نسل کی محبت کرنا، محبت بھی برانڈڈ ہونی چاہیے تمہاری۔"" ارسلا وقار نے اپنا دکھ چھپاتے ہوئے مسکرا کر مشورہ دیا۔
""محبت کرنے سے پہلے، برانڈ نہیں دیکھا تھا میں نے۔"" نائل احمد نے یاد دلایا۔
""لیکن محبت کرنے کے بعد، شادی کے بارے میں سوچتے ہوئے، برانڈ کی کمی تو محسوس ہونے لگی تھی نا تمہیں، اسی لئے کہا تھا، میں نے کہ مت آؤ میرے گھر رشتہ لے کر، اپنے اسٹیٹس

کے مطابق، خاندان اور لڑکی ڈھونڈو، تمہارے سرکل میں ایسی فیملی اور لڑکی، تمہیں ضرور مل جائے گی، تم نے برا منالیا، پھر میں نے سوچا، محبت میں حسب نسب غربت، امارت، دولت، شہرت تو نہیں دیکھی جاتی، اسی خیال سے اتنے روز سے، تم سے معافی مانگ رہی ہوں، کہ غلطی ہو گئی، معاف کر دو، مگر تمہیں تو شاید تعلق ختم کرنے کا، بہانہ چاہیے تھا، وہ تمہیں مل گیا، ٹھیک ہے کوئی زبردستی تھوڑی ہے کہ، تم مجھی کو چاہو اور مجھی سے شادی کرو، تم آزاد ہو، تمہارے سارے دعوؤں، وعدوں کے لئے، جو تم نے مجھ سے کیے، میں تمہیں معاف کرتی ہوں اور تم میری آنکھوں کو آج تک، جتنے خواب دکھائے ہیں ان سب کے لئے بھی، میں نے تمہیں معاف کیا آزاد کیا تمہیں، اپنی محبت کے ہر فرض، ذمے داری، ہر لحاظ سے آزاد کیا تمہیں۔" ارسلا وقار نے دھیمے مگر مضبوط لہجے میں سنجیدگی سے کہا۔

"خدا بن رہی ہو؟" وہ طنز سے مسکرایا تھا۔

"نعوذ باللہ! میں ایسا کیوں سوچنے لگی؟"

"تو معاف کیوں کر رہی ہو اتنا سب کچھ؟ اتنے سالوں کی محبت، دوستی، وعدے، دعوے، خواب سب، معاف کر رہی ہو، مجھے میری نظروں میں حقیر کر رہی ہو۔" نائل احمد نے سلگتے لہجے میں کہا۔

"میں ایسا کیوں چاہوں گی؟" ارسلا وقار نے تحیر آمیز نظروں سے اسے دیکھا۔

"اپنی برتری ثابت کرنے کے لئے۔" وہ بولا۔

"مجھے کوئی شوق نہیں ہے اپنی برتری ثابت کرنے کا۔" ارسلا وقار نے حیرت اور تاسف زدہ مسکراہٹ لبوں پر لا کر کہا تو وہ اسے طنزیہ اور تمسخرانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"چھوڑ کر تم ہی کیوں جاؤ گی مجھے؟"

"کیا مطلب؟"

"چھوڑ کر تو میں بھی جا سکتا ہوں تمہیں۔"

"کیا کہہ کر چھوڑو گے؟"

"یہی کہ تم ایک عام سی لڑکی ہو، برانڈ لیس ہو، تمہارا کوئی اسٹیٹس نہیں ہے، اسٹینڈرڈ نہیں ہے، میں قیمتی انمول اور تم سستی بے مول ہمارا کوئی میچ، کوئی جوڑ نہیں بنتا، محبت کا کیا ہے؟ وہ تو کسی سے بھی مل سکتی ہے، پیسہ پاس ہو تو، محبت دوبارہ کرنا ضروری نہیں ہوتا، کسی کی محبت بن کے رہنا اہم ہوتا ہے اور نائل احمد کے پاس وہ سب کچھ ہے جو کسی بھی لڑکی کے دل میں، اس کی محبت پیدا کر سکتا ہے، اس کے ملن کے خواب، اس کی آنکھوں میں بھر سکتا ہے۔" نائل احمد نے بڑے تکبر آمیز لہجے میں کہا۔

"صحیح کہا تم نے۔" وہ ہنس کر بولی، اعتبار ٹوٹنے نائل احمد کے بدل جانے کا دکھ اسے چھپانا تھا اور اس کے بدل جانے کا سوگ نہیں منانا تھا۔

نائل احمد تو کسی بھی لڑکی کے دل میں محبت پیدا کر سکتا ہے، لیکن کسی بھی لڑکی میں اور ارسلا وقار میں، زمین آسمان کا فرق ہے اور ارسلا وقار کو آج نائل احمد کے یہ خیالات جان کر، درحقیقت اس کی اصلیت جان کر اس کی محبت سے، دستبردار ہونے، اسے اپنے دل سے بے دخل کرنے میں، کوئی جھجک، کوئی تکلیف، کوئی درد محسوس نہیں ہوگا، تم کسی بھی لڑکی کے، دل کے مہمان بن سکتے ہو، مگر میرے دل کے آنگن میں اب تمہارے لئے تل دھرنے کو بھی جگہ نہیں ہے، "تم کسی بھی لڑکی" کے مستحق ہو سکتے ہو، مگر میرے نہیں، شکر ہے کہ تم نے خود بتا دیا کہ تم ارسلا وقار کو ڈیزرو نہیں کرتے، گزرے برس میں ایک سبق کی طرح یاد رکھوں گی، تاکہ آئندہ ایسی غلطی نہ ہو، اب مجھے تمہاری معافی کی بھی ضرورت نہیں ہے، ہونہہ، تو خود قابل رحم ہو، معافی کے مستحق ہو اور میں تمہیں تمہارے مانگے بغیر معافی دیتی ہوں، جاؤ کسی بھی لڑکی کے ساتھ اپنی زندگی شروع کرو۔"

"اور تم...... تم کیا کرو گی؟" وہ بہت متجسس ہو کر پوچھ رہا تھا۔

"میں اب اس انسان کا ہاتھ تھاموں گی جس کے لئے میں کسی برانڈ اور محبت کی دیوی سے کم نہیں ہوں گی، یوں بھی شادی عمر بھر کا ساتھ ہے اور یہ ساتھ ایسے انسان کے ساتھ ہی حسین لگتا ہے جو آپ کو ٹوٹ کر چاہتا ہے اور ایسے چاہنے والوں کی کمی نہیں ہے ارسلا وقار کی زندگی میں ٹوٹ کر کسی کو چاہنے اور اس کے ہاتھوں ٹوٹ جانے سے، بہتر ہے کہ آپ اس انسان کا انتخاب کر لیں جو آپ کو ٹوٹ کر چاہتا ہے، اسے اپنی زندگی میں شامل کریں، اپنی محبت اسے دیں جو آپ سے دل سے محبت کرتا ہے اور اپنے گھر کو جنت بنا لیں، اپنی زندگی کی خوشیوں کا گھر بنا لیں، بس ذرا سا حوصلہ چاہیے اور ارسلا وقار میں اتنا حوصلہ ہے کہ وہ ایک دھوکے کے بعد سنبھل کر آگے بڑھ سکے، تمہارا شکریہ نائل احمد، تمہاری دل لگی، وقت گزاری اور بے وفائی نے مجھے بہت حوصلہ دیا ہے، میں تمہارے اس رویے کو اپنی کمزوری، یا زندگی کا روگ نہیں بناؤں گی، کیونکہ محبت خود ایک برانڈ ہے، سچی ہو، دل سے کی گئی ہو تو اپنا آپ خود منوا لیتی ہے، اس کے سامنے باقی سب برانڈ، ماند پڑ جاتے ہیں اور میں بہت جلد تمہیں پیور، خالص سچی اچھی والی، برانڈڈ محبت کے ساتھ ہنستی مسکراتی دکھائی دوں گی، انشاء اللہ تعالیٰ، سنو مجھے کسی اور کے ساتھ خوش دیکھ کر تم، ناخوش مت ہو جانا او کے بائے مسٹر نائل احمد۔"

ارسلا وقار نے سنجیدگی سے کہا اور آخر میں مسکراتے ہوئے اسے بائے کہتی ہوئی اپنا بیگ شولڈر پر ڈالتی وہاں سے اٹھ کر چلی گئی، نائل احمد اپنی برانڈڈ ریسٹ واچ میں وقت دیکھتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

سر سے پاؤں تک وہ برانڈڈ لباس، جوتوں میں مقید تھا، لیکن اس کا دل ایک لوکل ایک عام سے انسان کی طرح اسی طرف لپک رہا تھا جس طرف ابھی ارسلا وقار اٹھ کر گئی تھی، وہ لاکھ برانڈ کانشس سہی، مگر دل تو ایک ہی انداز میں دھڑکتا تھا، محبت تو اپنے ہی اصول منواتی ہے نائل احمد مجبور تھا اس کا دل توڑنے پر، اسے برانڈ اور محبت میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا تھا، سو اس نے برانڈ کا انتخاب کر لیا تھا اور ارسلا وقار کی "برانڈڈ محبت" خالص سچی اور اچھی محبت کو، اپنے سے بہتر انسان کے لئے چھوڑ دیا تھا، باوجود اس کے کہ اس کا دل اندر سے خالی ہو گیا تھا، دل کے اندر وہ جو تھی، ارسلا وقار وہ چلی گئی تھی۔

☆☆☆

رشتے ناطے

ساریہ چوہدری

اپنے جسم کے ٹکڑے کر کے
پہروں سوچ بچار کے بعد
جس نے اپنا ملبہ بیچا ہے
ہاتھ تو ہاتھوں ہاتھ بکے ہیں
پاؤں بھی کوئی لے ہی گیا ہے
آنکھیں میں نے رکھ لی ہیں
یہ میں اس کو بیچوں گی
جو تیری گلی میں رہتا ہو

گھٹنوں سے سر اٹھا کر اس نے ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کیے تھے اور دو سے مسکرا دی تھی، حالانکہ لفظوں کی اذیت ابھی بھی اسے لہولہان کر رہی تھی، اس کی باتیں ابھی بھی ایلام نقوی کے کانوں میں گونج رہی تھیں اور اب وہ بیٹھی سوچ رہی تھی یہ کیسے رشتے ہیں جو صرف ماڈرنزم کے ہو گئے ہیں جو صرف مفاد اور مطلب پرستی تک رہ گئے ہیں، آج کے متمدن و مہذب معاشرہ میں رشتوں کا احساس مشینوں نے ختم کر دیا ہے ہر آدمی ایک جزیرہ سا بن گیا ہے محبتوں کی ضرورت نہیں رہی، خدمتیں خریدلی جاتی ہیں، ضرورت کے سودے ہیں رشتے کب رہے ہیں خون کے رشتے بھی خونی ہوتے جا رہے ہیں، خلوص، صبر، وفا محبت کے الفاظ سے عاری انسان آسمان کے دروازے کھٹکھٹاتا ہے، وہ دل کے دروازے پہ کیوں دستک دے گا، وہ خلاؤں کے راستے دریافت کرنے نکلا ہے اپنوں کے گھر کا راستہ بھول گیا ہے وہ ستاروں کی گزرگاہیں ڈھونڈ رہا ہے، وہ گزرگاہ احساس سے بے خبر ہے۔

ہاں سر رحمن ٹھیک کہتے تھے رشتے احساس کے ہوتے ہیں اور جب احساس ہی نہ رہے تو رشتے کیسے؟ اس نے ایک بار پھر سے بہتے آنسو پونچھے تھے مگر کیا کرتی ٹھکرائے جانے کی اذیت مسلسل ستا رہی تھی۔

☆☆☆

"دیکھو تم میری بہت اچھی کزن ہو، دوست ہو، مگر یار ہم ہمسفر نہیں بن سکتے، تمہیں پتہ میں نے ردا کو بہت چاہا تھا مگر وہ مجھے چھوڑ کر کسی اور کی ہو گئی کیونکہ میرا معیار اس جتنا بلند نہ تھا، مگر اب میں اپنا معیار اس سے اونچا بنانا چاہتا ہوں، ایلام میں اس سے زیادہ خوبصورت اور ماڈرن لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں تاکہ میں اس کے سامنے سر بلند کر کے چل سکوں اور تم تو ردا کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہو، ضرار حیدر تو چلا گیا اپنی کہہ کر، مگر وہ ابھی تک سر پٹک رہی تھی۔" وہ اٹھ کر آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔

کیا کمی تھی اس میں، اس نے خود کو ہر زاویے سے دیکھا تھا وہ ہر لحاظ سے ردا سے پیاری تھی، اگر خود کو تھوڑا سا گروم کر لیتی لمبے بالوں کو اچھا سا ہیئر کٹ دیتی اوڑھنے والی ٹینٹ نما چادر کو جدید اسٹائل میں سپرز کی صورت میں لپیٹ لیتی اور ٹراؤزر قمیض کی جگہ شارٹ شرٹ کے نیچے ٹائٹس پہن لیتی۔

اگر کسی تقریب میں جاتے وقت جدید تراش خراش کے سوٹ میں کھلے بالوں کے ساتھ مہارت سے کیے میک اپ کے ساتھ جائے پھر



وہ ضرار حیدر کی پسند میں ڈھل سکتی ہے جب وہ دنیا کے سامنے خود کو بطور ماڈل پیش کرے، کہ دیکھو میں ایسی ہوں میرا حسن دیکھو پھر...... پھر سے آگے سوالیہ نگاہیں اپنے عکس پر جمی تھیں، اک درد بھری مسکراہٹ ابھری تھی، ہاں پھر میں ضرار حیدر کی پسند بن جاتی اور اپنے اللہ کی ناپسندیدہ ہستیوں میں لکھ لی جاتی، نہیں مجھے اللہ کی رضا چاہیے، اللہ راضی ہو گیا تو ضرار حیدر جیسے ہزاروں میرے آگے پانی بھریں گے۔

"مگر اس میں حرج ہی کیا ہے یہ ماڈرنزم کا

دور ہے، آج کا انسان جدید انسان ہے، تھوڑا سا فیشن تم کر لو گی تو کیا ہو جائے گا، بدلے میں اپنی محبت پالو گی، اپنی دقیانوسی سوچ سے نکلو اور خود کو گروم کرو۔'' آئینے میں نظر آتے عکس نے اسے اکسایا تھا۔

وہ پھر سے سر تھام کر بیٹھ گئی تھی۔

''میں کیا کروں؟'' گھنٹوں سوچ بچار کے بعد وہ فیصلے پر پہنچ گئی تھی اور اب مطمئن تھی۔

جب میں بچہ تھا
اکثر کھلونے ٹوٹ جاتے تھے
ماں آ کر کھلونے جوڑ دیتی تھی
سنا ہے ستر ماؤں سے بھی بڑھ کر
الفت ہے تجھے اپنے بندے سے
تو مجھے آ کر جوڑ دے یارب!
میں خود کو توڑ بیٹھا ہوں
میں خود کو توڑ بیٹھا ہوں

☆☆☆

کچھ ہی دنوں بعد ضرار حیدر شادی کا کارڈ لئے اس کے سامنے تھا۔

''ایلام میری شادی پہ ضرور آنا، مجھے ویسی ہی لڑکی ملی ہے جیسی میری خواہش تھی، بلکہ ردا سے زیادہ پیاری اور ماڈرن ہے اور ایجوکیٹیڈ بھی، کالج میں لیکچرار ہے، میں بہت پراؤڈ فیل کر رہا ہوں، دیکھا میں نے کہا تھا نا میں تمہیں ایسی لڑکی ڈھونڈ کر دکھاؤں گا جس کا ہاتھ تھام کر میں سر بلند کر کے ردا کے سامنے چل سکوں، دیکھو میں نے ڈھونڈ لی ہے، شادی پہ لازمی آنا، میں تمہیں ملواؤں گا اس سے۔'' وہ اپنی کہے جا رہا تھا اور ایلام نقوی مسکرائے جا رہی تھی، تیسرے دن وہ اس کی شادی کی تقریب میں شامل تھی اور یہ پہلا جھٹکا تھا جو ضرار حیدر کو لگا تھا اور بہت زور سے لگا تھا کہ وہ سنبھل نہیں پا رہا تھا۔

اہلام نقوی نے جدید ڈیزائنر سوٹ پہنا تھا، نہایت مہارت سے کیا میک اپ لمبے بالوں کا عمدگی سے بنایا گیا جدید ہیر اسٹائل اور بڑی مہارت سے سیٹ کیا گیا دوپٹہ جو اس کے پورے وجود پہ پھیلا تھا، لمبی ہیل پہنے وہ ضرار حیدر سے بھی تین چار انچ لمبی دیکھائی دے رہی تھی، اس کی صراحی دار گردن تنی ہوئی تھی وہ اپنی حدود سے باہر نہیں نکلی تھی، مگر اس وقت ردا اور ضرار حیدر کی دلہن کا حسن بھی ایلام نقوی کے سامنے ماند پڑ چکا تھا، وہ ساری تقریب میں بس ایلام نقوی کو دیکھتا رہا تھا، یہ کیسی چال چلی تھی قسمت نے اس کے ساتھ، وہ پھر سے دھوکہ کھا گیا تھا، جذبوں سے عاری انسان رشتے توڑ چکا ہے وہ عقیدت و احترام کی دنیا چھوڑ چکا ہے اور نتیجہ یہ کہ رشتے توڑتے توڑتے خود بھی ٹوٹ چکا ہے۔

دلہن بنی حنا حیدر، ضرار حیدر کے سامنے براجمان تھی اور ضرار حیدر الجھا بیٹھا اسے دیکھے جا رہا تھا، بالآخر ذہن کو نارمل کیا تھا۔

''میں بہت لکی ہوں، میری جیسی خواہش تھی مجھے ویسی ہمسفر ملی ہے میں بہت خوش ہوں حنا، تمہارا شکریہ زندگی کے اس سفر میں میرا ہاتھ تھامنے کا۔'' ضرار نے حنا کا ہاتھ تھام اپنے ہاتھوں میں دبایا تھا جواباً وہ مسکرائی تھی۔

''میں بھی بہت لکی ہوں ضرار کے مجھے آپ ملے اور سب سے بڑھ کر آپ کی کزن کا شکریہ جس نے ہمیں ملایا۔''

''کزن؟ کون سی کزن؟'' ضرار حیدر کو جھٹکا لگا تھا۔

''ایلام نقوی، اسی نے میری امی کو اس رشتے کا بتایا تھا اور اسی نے آپ کی آپی کی بات میری امی سے کروائی ہے، کیا آپ کو نہیں پتہ؟''

''نہیں بالکل نہیں...... مگر تم ایلام کو کیسے جانتی ہو؟''

''اوہو، لگتا آپ اپنے ماموں کے گھر کم ہی جاتے ہیں جو زیادہ معلومات نہیں...... اہلام میری کلاس فیلو رہی ہے، ہم نے ایک ساتھ ایم ایس سی کی ہے وہ میری کالج فرینڈ ہے اور ہماری دوستی کو چھ سات سال ہو گئے ہیں، پھر تم کالج میں جاب کر رہی ہو اس نے کیوں نہیں کی؟''

''وہ آگے پڑھنا چاہتی تھی اسے جاب سے لگاؤ نہیں ہے، اس نے ایم فل کے لئے لندن یونیورسٹی اپلائی کر رکھا تھا اس لئے اب شاید اس کا داخلہ بھی ہو گیا ہے۔''

جھٹکے پہ جھٹکا اور وہ شدید سے شدید تر، بار بار کانوں میں ایک بات گونج رہی تھی ضرار حیدر ''ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی'' اور اہلام نقوی کی اس بات کی اسے اب سمجھ آئی تھی۔

ضرار حیدر کا کہنا تھا پتھر تو پتھر ہوتا، ہاں جب اسے تراش خراش کے مرحلے سے گزارا جاتا ہے تو وہ کندن بن جاتا ہے اس کی قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے۔

اور اہلام نقوی کا ماننا تھا، موتی موتی ہوتا ہے وہ کیچڑ میں پڑا رہے تب بھی موتی رہے گا، اندر باہر سے ایک جیسا، اس کی اوقات میں فرق نہیں آتا۔

''اہلام نقوی پہ کیسا ورد دیا ہے، مجھے تا عمر اذیتوں اور پچھتاؤں میں دھکیل گئی ہو، تم ہر لحاظ سے بازی لے گئی ہو، تمہارا معیار، تمہاری اوقات ظرف، حوصلہ، میں کیا گنوا بیٹھا ہوں۔'' بے اختیار ہی آنکھیں نم ہوتی تھیں حنا نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

اماں نے کتنا سمجھایا تھا ضرار کو کہ اہلام بہت سلجھی اور اچھی لڑکی ہے مگر وہ نہیں سمجھا تھا آج اس کا ظرف اس کی محبت دیکھ کر ٹوٹ کر بکھرا تھا،

اہلام نقوی نے اس کا دامن خوشیوں سے بھرا تھا اتنا ظرف کہ اپنے محبوب کو اپنے سے بہترین شے پیش کی تھی مگر اہلام نقوی بے خبر تھی اس کے رب کو اہلام کی یہ عاجزی ایسی بھائی تھی کہ اہلام نقوی کو سب کی نظر میں بہترین کیا، نایاب بنا کر پیش کر دیا تھا، اسے کیا پتہ تھا اس نے تو ضرار کے دامن میں خوشیاں بھر دیں تھیں، ایسے حوصلے اور ظرف بھی رب کسی کسی کو دیتا ہے شاید ان کو جو اسے بہت محبوب ہوتے ہیں اور حقیقتاً ایسے لوگ خالی دامن کیسے رہ سکتے ہیں جو دنیا کی بجائے خدا کی نظر میں محبوب ترین ہوں۔

ایلام نقوی کی اذیت ضرار کی روح میں سرائیت کر گئی تھی اور اہلام نقوی کی روح سکون میں غوطہ زن تھی اپنی عاجزی اطاعت اور رشتوں کا تقدس اور اللہ کی مخلوق سے محض اللہ کے لئے اچھائی کے بدلے میں، ہمارا اصل مسئلہ بھی یہی ہے کہ ہم دوسروں کے مسائل حل نہیں کرتے بلکہ اور مسائل پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں دوسروں میں خوشیاں نہیں بانٹتے بلکہ دوسروں میں دکھ تقسیم کرنے کی کوشش کرتے ہیں ہم دوسروں کو سکون کی بجائے پریشانی دیتے ہیں مجھے تو ایسا لگتا ہے ہم اچھائی اور بھلائی کے وجود سے بے بہرہ ہو گئے ہیں ختم کرنے پر تل گئے ہیں، دیکھیئے خدارا بھی کچھ نہیں بدلا ہاں یہ مانتی ہوں حالات بدل گئے ہیں، رویے انداز، روایات، رسومات، رجانات، ترجیحات، نتیجتاً اثرات بدل گئے ہیں اور یوں سب کچھ بدلا بدلا سا لگتا ہے، آج بھی پھولوں میں خوشبو باقی ہے سونگھنے کی حس متاثر ہو گئی ہے پھلوں میں ذائقہ بھی ہے بس زبان میں کڑواہٹ پیدا ہو گئی ہے، ہر سو انتشار ہے کیونکہ ہر کوئی منتشر ہے، اگر ہم چاہتے ہیں ان مسائل سے نکلیں خدا کے محبوب ترین بنیں تو ان مسائل سے نکلیں دوسروں کے لئے آسانیاں پیدا کریں دل جوئی کا سامان پیدا کریں ابھی وقت ہے رشتوں کا تقدس کا حیا کریں انہیں پامال ہونے سے بچایئے ماڈرن ہوتے ہوئے کہیں انسانیت ہی نہ کھو دے موت یہ نہیں ہے کہ سانس ختم ہو جائے، موت تو یہ ہے کہ مرنے کے بعد ہمیں یاد کرنے والا کوئی نہ ہو ہمارے لئے نیک خواہشات رکھنے والے ہماری توجہ کے محتاج ہیں ان کی قدر کریں، اللہ بھی قرآن میں فرماتا ہے۔

"واماما ینفع الناس فیمکنت فی الارض"

(سورۃ الرعد)

"دھرتی پر باقی وہی چیز رہے گی جو لوگوں کے لئے نفع بخش ہوگی۔"

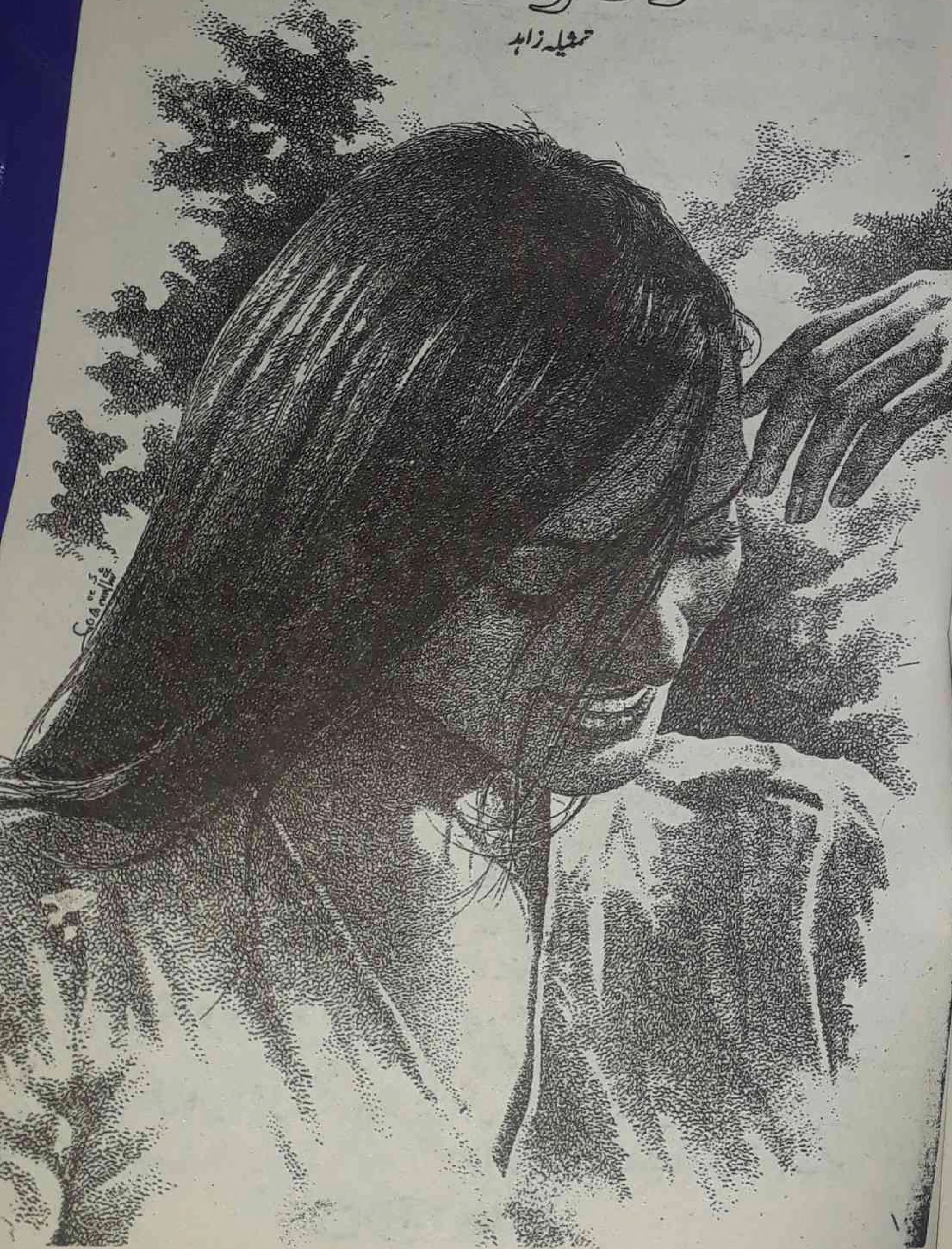
افراد، قومون، معاشروں کے عروج وزوال کا معیار یہی ہے اگر ہم بزم ہستی بزم کائنات کی رونقوں کی بقاء چاہتے ہیں تو پھر اپنی ذات کو اپنے معاملات کو معمولات کو اپنے اوقات کو دوسروں کے لئے نفع رساں بنانا ہوگا جیسے اہلام نقوی نے اپنی اذیت بھول کر ضرار حیدر کے لئے اچھا سوچا، آپ کیا کہتے ہیں؟

ملا رہن دے جھگڑا جنت دا
جند یار دے ویہڑے وڑ گئی اے
سانوں لوڑ نہ ہور زمانے دی
روح کلمہ یار دا پڑھ گئی اے

☆☆☆

وہ آخری شام

تمثیلہ زاہد



آج اس کی چپ میں گہری سیاہ تاریکیاں شامل تھیں، عجیب نامانوس سی فضا میں سانس لیتا اس کا نازک وجود تھکا ماندہ نڈھال اپنے چھوٹے سے باغیچے میں بیٹھا ہوا تھا، پھولوں کی مہکتی کیاری، ٹھنڈی نم سرد ہوا بھی اس کے لبوں کو تبسم دینے سے قاصر تھا، ماتھے پر آئی بالوں کی الجھی لٹوں کو انگلی پہ لپیٹتی وہ اپنے دل کو ٹٹولنے لگی، ہر طرف پرسوچ نگاہ ڈالتے ہوئے اس نے ایک لمبی سانس خارج کی، ایسے جیسے دل میں اضطراب دور کرنا چاہتی ہو، ایک تازگی اس نے اپنی ایک ایک نس میں محسوس کی تھی، اپنے گرد بختی سے شال کو لپیٹے وہ کھڑے ہونے کا ارادہ کر ہی رہی تھی کہ اسے اپنی پشت پر کسی کے ہونے کا احساس ہوا، اس نے مڑ کر دیکھا تو انا آپی اسے مسکرا کر دیکھ رہی تھیں، انہوں نے اس کی جانب ہاتھ بڑھایا تھا، اس نے انا آپی کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا اور بڑے وقار کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔

☆☆☆

وہ کالج سے آ کر اپنے روٹین کے کاموں میں مصروف تھی کہ فرحان نے اسے جوس کا گلاس پکڑایا، وہ حیران نظروں سے کبھی گلاس کو تو کبھی فرحان کو دیکھنے لگی، پھر چند لمحوں کے سکوت کے بعد اس نے اپنے کندھے بے نیازی سے اچکائے اور فرحان کے لبوں کے کنارے تبسم کو نظر انداز کرتی جوس کا گلاس غٹا غٹ پی گئی۔

''اس مہمان نوازی کی وجہ پوچھ سکتی ہوں۔''

''وجہ تو میں پوچھنا چاہتا ہوں۔'' وہ معنی خیز انداز میں بولا۔

''کیا؟'' اسے کل کا دیا انا آپی کا لیکچر یاد تھا اس لئے خاموش رہی۔

''یہی تو کل نہ طوفان آیا نہ زمین ہلی، نہ کسی زلزلے کے آثار اب تک نمایاں ہو رہے ہیں، آخر اتنی خاموشی کیوں ہے بھائی۔'' اس کا انداز اس قدر مضحکہ خیز تھا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی صبا کی ہنسی نکل گئی۔

''کہتے ہیں خاموشی کے بعد آنے والا طوفان بڑا خطرناک ہوتا ہے، ویسے تم نے تو امی کو کوئی جواب نہیں دیا لیکن ابو نے پھپھو کو جواب دے دیا ہے۔''

''جانتی ہوں۔'' وہ سکون سے بولی اور اخروٹ کے چھلکے اتار کر کھانے لگی۔

''جانتی ہو پھر بھی خاموش ہو۔'' وہ اس کے سکون بھرے انداز پر چڑ کر بولا، لیکن آگے سے صبا نے کوئی جواب نہ دیا اور سر جھکائے اخروٹ کھانے لگی، فرحان چڑ کر پھر بولا۔

''دو دن بعد جب پھپھو اپنے اکلوتے سانڈ عرف افضل میاں کو لا کر تمہارے سر پہ لاد دینے کا مکمل لائسنس حاصل کر لیں گی نہ تب بھی آرام سے بیٹھ کر یونہی اخروٹ توڑ توڑ کر کھاتی رہنا۔''

وہ بکتا جھکتا بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا اور صبا اپنے پیارے چھوٹے متفکر بھائی کی اس تقریر پر غور کر کے مسکرانے لگی، پھپھو کے اس گنوار بیٹے کا جب سے پرپوزل آیا تھا، امی سمیت گھر کے سب ہی افراد کو اس رشتے میں توازن نظر نہیں آ رہا تھا، ابو اپنی اکلوتی بہن کو انکار نہیں کر سکتے تھے، وہ بڑی تھیں اور اپنی مرضی مسلط کرنے کے ہنر سے بھی خوب واقف تھی، گھر میں ابو کے سامنے کسی کی نہ چلتی تھی، آنیہ آپی کی شادی کو ابھی چھ ماہ ہی ہوئے تھے وہ چچا کے ہاں رخصت ہو کر گئی تھیں، آنیہ آپی نے بی فارمیسی کیا تھا وہ بہت اچھی جاب پر تھیں لیکن چچی اور عدنان بھائی کے اعتراض پر شادی سے پہلے انہوں نے جاب چھوڑ

دی تھی اب وہ مکمل ایک گھریلو زندگی گزار رہی تھیں، عدنان بھائی سب سے بڑے تھے اور تین بہنیں چھوٹی تھیں جن کی ذمہ داری بھی عدنان بھائی پر ہی تھی، سب کے اس رشتے پر خوش نہ ہونے کے باوجود ابو نے اس پہلے رشتے سے انکار پر کفران نعمت کا خوف اور بے شمار نصیحتوں کے ساتھ آنیہ آپی کا رشتہ عدنان بھائی کے ساتھ طے کر دیا، آنیہ آپی عدنان بھائی کے خشک رویے سے واقف تھیں ان دونوں کے مزاجوں میں زمین آسمان کا فرق تھا لیکن وہ ابو کو انکار کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی تھیں، اس گھر کے تمام فیصلے کا اختیار صرف ابو کو حاصل تھا۔

فرحان دونوں بہنوں سے چھوٹا تھا، ابو کے مزاج سے بھی واقف تھا لیکن بچپن سے خود پر بے شمار پابندیوں کی زنجیروں میں لپٹا وہ خود کو اب بھی بے بس ہی محسوس کرتا تھا، خود اعتمادی کی جس چوٹی پر صبا بیٹھی تھی اسے وہ اکثر رشک ہی نگاہ نے سراہتا تھا، بچپن میں رات دس بجے تک سو جانے کی ہدایت ابو جی نے سب گھر والوں کو کر رکھی تھی، آپی اور فرحان جیسے تیسے اپنا کام مکمل کر لیتے، لائٹوں کے آنے جانے کا مسئلہ بھی درپیش تھا لیکن ابو جی کسی عذر کو خاطر میں نہ لاتے ان کا کہا پتھر کی لکیر ہوتا، صبا اپنا کام سب گھر والوں کے سو جانے کے بعد ٹیبل لیمپ جلا کہ کونے میں بیٹھ جاتی، اندھیرے کمرے میں ایک طرف آپی اور دوسری طرف فرحان اسے ڈراتے دھمکاتے لیکن وہ کسی کی بات پر کان نہ دھرتی، اپنی راہ اندھیرے کمرے میں خود ہی نکال کر بیٹھ جاتی، اسے ابو کی ڈانٹ کی بھی پرواہ نہ تھی، وہ اخروٹ کے خول میں رہنے والی عجیب ہی لڑکی تھی، جس کی سختی کا صحیح علم کسی کو نہ تھا، اخروٹ کے خول میں بند اس لڑکی کے نازک دل کے احساس کتنے گہرے ہیں اس کا علم تو خود اسی کو ہی تھا۔

بچپن سے جوانی تک گھر کے اندر ہی وہ بے شمار تلخ تجربات اور مشاہدوں سے گزری تھی، امی ابو میں اسے محبت کے بجائے سمجھوتے کی دیواریں حائل نظر آتی تھیں۔

دونوں ہی ایک جزیرے کے الگ الگ کناروں پر کھڑے تھے، ابو حاکم اور امی محکوم، اس نے اب تک مرد کو حاکم کی نظر سے ہی دیکھا تھا، آپی کی شادی ہوئی تو اس کے حکمراں بھی بدل گئے اب ابو جی کے بجائے اس کے حاکم اس کا شوہر تھا جس کی مرضی کے مطابق اس نے اپنی زندگی کا باقی ماندہ سفر طے کرنا تھا، آپی کی آنکھ میں چھپا پانی اس کے اندر بغاوت کی آگ کو دہکا رہا تھا، وہ کالج کی دہلیز سے گزر کر یونیورسٹی کی دہلیز پر پہنچی ہی تھی کہ پھپھو نے اپنے بیٹے کے لئے ابو جی سے سوال کر ڈالا، پھپھو بھی اچھی طرح جانتی تھیں یہ سوال محض ایک رسمی بات ہے، اس سوال کا جواب ان کے حق میں ہی آنا تھا اور پھر یونہی ہوا ابو جی نے ان کے حق میں جواب دے دیا، وہ خوشی سے نہال ملتان سے لاہور آنے کی تیاریاں زور شور سے کر رہی تھیں، صبا کو علم تھا، خاندان بھر میں اس بات کا ڈھنڈورا پیٹا جا چکا ہو گا، اس سے کسی نے کچھ نہیں پوچھا، وہ صرف بولتے منظر کا حصہ بنی ہوئی تھی، خاموشی نے اس کے لبوں پر قفل ڈالا ہوا تھا، بظاہر پرسکون صبا کے دل میں سمندر نے طوفان مچا رکھا تھا، وہ کسی مناسب وقت کا انتظار کر رہی تھی۔

اگلے ایک ماہ تک پھپھو کے لاہور آنے کا ارادہ ملتوی ہو گیا تھا، ان کی ساس شاید بیمار تھیں، صبا نے رب کا شکر ادا کیا، کچھ عرصہ کے لئے ہی ہی وہ سکون سے رہ سکے گی، وہ کل کے لئے زیادہ متفکر رہتی بھی نہیں تھی، آج میں زندہ رہنے والی

صبا شاید اسی لئے خوش باش نظر آئی تھی، اگلے روز ہی پھپھو کا فون اس کے موبائل پہ آیا، رسمی علیک سلیک کے بعد پھپھو نے بہت پیار سے اس کی خیریت اور مشاغل دریافت کیے، اس نے بھی نارمل انداز میں جواب دیے، وہ پہلی بار اس طرح خاص طور پر فون کیے جانے کے پس منظر سے خوب واقف تھی، پھپھو اس کے رویئے کو تولنا چاہ رہی تھیں، مثبت یا منفی پہلو کا کوئی سرا ان کے ہاتھ نہ لگا، کچھ دیر موسم کے حال پر تبصرہ کرنے کے بعد وہ اپنی ساس کی بیماری کی داستان سنانے لگیں، پھر جلد آنے کا کہہ کر اللہ حافظ کہہ دیا۔

''صبا...... صبا کدھر ہو؟''

''جی امی۔'' وہ موبائل کان سے ہٹا کر مڑی تھی۔

''کیا کر رہی ہو؟''

''پھپھو کا فون آیا تھا ان سے بات کر رہی تھی۔'' اس کا لہجہ نارمل تھا۔

''کیا کہہ رہی تھیں؟'' امی کا لہجہ الجھا ہوا تھا۔

''کچھ نہیں، بس ادھر ادھر کی باتیں، آپ بتائیں۔''

''کچھ نہیں، تمہیں بتانے آئی تھی کہ آنیہ کا صبح فون آیا تھا تم خالہ بننے والی ہو۔'' ان کا معنی خیز لہجہ تبسم میں بدل گیا تھا۔

''واؤ...... زبردست...... یہ تو آج کی سب سے بڑی گڈ نیوز ہے میں ابھی آنیہ آپی کو فون کرتی ہوں۔'' اس نے ایک جست میں اپنا موبائل اٹھایا اور خوشی سے چہکتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

اس کا رزلٹ آنے میں وقت تھا وہ جاب کرنا چاہتی تھی، ابو کو اعتراض نہیں تھا صبا خود کو مصروف رکھنا چاہتی تھی، وہ کمپیوٹر سائنس کی طالبہ تھی، ایڈوانس میتھ اس کے بنیادی مضمون تھے، اسے ایک پرائیویٹ کمپیوٹر انسٹیٹیوٹ میں جاب مل گئی تھی، اس نے کچھ شارٹ کورسز بھی کر رکھے تھے، اس کے ذمہ کچھ اکاؤنٹ کی ذمہ داری بھی تھی، وہ صبح نو سے چار بجے تک کام کرتی تھی، آج گھر پہنچتے پہنچتے اسے پانچ بج گئے تھے امی کو وہ پہلے ہی دیر سے آنے کی اطلاع دے چکی تھی، تھکی ہاری گھر پہنچی تو امی بڑے سوٹ کیس میں کپڑے طے کر کے رکھ رہی تھیں۔

''یہ کہاں کی تیاری ہے۔'' وہ حیران نظروں سے امی کو مکمل مصروف دیکھ رہی تھی۔

''تمہارے ابو آج جلدی آفس سے آ گئے ہیں، تمہاری پھپھو کا فون آیا تھا ان کی ساس کا صبح گیارہ بجے انتقال ہو گیا ہے ہمیں ملتان جانا ہے، تم اپنا ضروری سامان ایک ہفتہ کے لئے رکھ لو اور آفس سے چھٹیاں بھی لے لو۔'' امی کا دھیان مکمل اپنے کام پر تھا وہ سوٹ کیس میں سامان رکھتے ہوئے اسے ہدایت دے رہی تھیں۔

''امی کیا میرا جانا ضروری ہے...... آپ''

''تم کو میں اکیلے یہاں نہیں چھوڑ سکتی فرحان بھی ساتھ جا رہا ہے، تمہارے ابو نے سب کو ساتھ چلنے کا حکم دیا ہے، پھر پھپھو کو جانتی ہو جب سے تمہارے اسکول کالج کی پڑھائیاں بڑھی ہیں ہم ملتان نہیں گئے، اس بہانے ان کا گھر اور طور طریقے دیکھ لینا۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر تحکم انداز میں بولیں، اب کچھ بھی کہنے کی گنجائش کہاں باقی تھی وہ لب کاٹتی مڑ گئی، ان کا معنی خیز انداز وہ سمجھ چکی تھی۔

شام کے سائے جونہی گہرے ہونے لگے رات کی تاریکی آسمان پر چھانے لگی تھی، وہ ملتان پہنچ گئے تھے، پھپھو کے گھر کا بیرونی دروازہ دیکھ کر ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ گھر اندر سے کتنا شاندار ہو گا، وہ سات برس بعد پھپھو کے گھر آ رہی تھی انہوں نے اپنا گھر چند سال پہلے دوبارہ تعمیر کروایا تھا، سات سال پہلے جب وہ پھپھو کے ہاں آئی تھی تو پندرہ برس کی میٹرک کی طالبہ تھی، گھر کا لان بھی نفاست سے مزین تھا، وہ مین دروازے کے اندر امی ابو فرحان کے ساتھ داخل ہوئی تھی، اندر کچھ عزیز اور مہمان خواتین بھی بیٹھی تھیں، جن سے سلام دعا کے بعد پھپھو نے انہیں کچھ دیر آرام کرنے کے لئے کمروں میں بھیج دیا، پہلی منزل پہ بنے آمنے سامنے چار کمروں میں سے ایک میں فرحان اور وہ چلے گئے جہاں دو سنگل بیڈ اور کھڑکی پر خاکی گہرے رنگ کے پردے ڈلے ہوئے تھے، نہا دھو کر کپڑے بدلے اور پھر صبا بستر پر جو لیٹی تو کب گہری نیند کی آغوش میں چلی گئی اسے خبر ہی نہ ہوئی۔

آنکھ مسلتے اس نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی جو رات کے دس بجا رہی تھی، بھوک کا احساس جاگ اٹھا تھا، کمرے میں نظر دوڑائی تو فرحان سویا ہوا تھا اس نے ایک گہری سانس کھینچی اور اپنا دوپٹہ درست کرتی کمرے کا دروازہ دھکیل کر نیچے کی سیڑھیاں اترنے لگی، اس کا رخ کچن کی طرف تھا، وہ راہداری عبور کر کے کچن کی طرف آ گئی، امریکی طرز کا کچن صاف ستھرا اور خوبصورت رنگوں کے امتزاج سے بنا ہوا تھا، عین وسط میں چھوٹی گول میز کے اطراف دو کرسیاں تھیں، کاؤنٹر پر اس کی طرف پشت کیے کوئی کیبنٹ سے کچھ تلاش کر رہا تھا، وہ یونہی شش و پنج میں کھڑی رہی کیا بولے، کیا پوچھے نہ جانے یہ کون ہے، شاید افضل، بھائی، وہ اسی لمحے مڑا تو اس کو یوں اچانک دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

''السلام علیکم!'' وہ جلدی سے بولی۔

''وعلیکم السلام جی فرمائیے۔''

بلو جینز اور گرے شرٹ میں ملبوس اس کا اونچا سراپا دیکھ کر لمحے بھر کے لئے صبا ساکت ہو گئی، وہ نہایت سنجیدگی سے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا، چہرے پر اکتاہٹ اور بیزاری کے تاثر کا ماسک چڑھائے وہ کندھے اچکاتا اپنے ہاتھ میں شیشے کی ایک بوتل تھامے کچن سے باہر نکل گیا، اسے اپنی تذلیل کا شدت سے احساس ہونے لگا، کمبخت نے یہ بھی نہ پوچھا کہ مہمان ہو کچھ چاہیے تو نہیں، وہ جھنجھلاتی اس کی چوڑی پشت دیکھتی رہی جو اب نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا، دفعتاً اس کی نگاہ ڈبل روٹی اور انڈوں پر پڑی وہ انہی کو گرم کرنے کی نیت سے چولہا جلانے لگی۔

''صبا میری جان اٹھ گئیں، تمہارے بابا امی تو کھانا کھا کر آرام کر رہے ہیں تمہیں اٹھانا میں نے مناسب نہیں سمجھا، میں نے قورمہ بنایا ہے، روٹیاں بھی ہیں، میری جان تم یہاں بیٹھو ابھی گرم کر کے دیتی ہوں۔'' وہ اسے محبت سے کہہ رہی تھیں تو وہ دل ہی دل میں شرمندہ ہونے لگی۔

''پھپھو لائیں میں کر دیتی ہوں گرم۔'' وہ جلدی سے آگے بڑھی۔

''نہ بیٹا تم تھکی آئی ہو تمہارا گھر ہے کرتی رہنا کام بھی، ابھی بیٹھو آرام سے کھانا کھاؤ۔'' وہ مسکرا کر اس کا ہاتھ تھامے کرسی پر بٹھا کر بولیں۔

وہ بھی مسکرا کر ان کو پھرتی سے کام کرتا دیکھ رہی تھی، پھپھو اس عمر میں بھی ایکٹیو تھیں، گھر میں جھلکتا ان کے ہاتھ کے سلیقے کی گواہی دے رہا تھا، گھر کا ہر کونا سجا ہوا تھا، انہوں نے بہت سے تازہ پھولوں کو ایک گلدان میں سجا رکھا تھا۔

''امی آپ کو ساجدہ آنٹی بلا رہی ہیں۔''

کچھ ہی دیر بعد وہ کچن کی دہلیز پر کھڑا گمبھیر آواز

میں بول رہا تھا، صبا کی نگاہ بے اختیار اٹھی۔

”بیٹا تم کھانا کھاؤ ساتھ والی ساجدہ ہے میں بات سن کر آتی ہوں۔“ پھپھو اس کے سامنے قورمہ روٹی گرم کر کے رکھتے ہوئے اپنائیت سے بولیں اس نے دیکھا وہ پیغام دے کر رکا نہیں جا چکا تھا۔

”مغرور، کہیں کا..... نہ جانے خود کو سمجھتا کیا ہے۔“ صبا دل ہی دل میں چڑ کر بولی اور پھر رغبت سے کھانا کھانے لگی بھوک شدید تھی اور کھانا کھاتے ہی اس پر نیند کا غلبہ پھر طاری ہونے لگا تھا، وہ اب صرف سونا چاہتی تھی۔

صبح فریش ہو کر اس نے آئینے میں اپنا عکس دیکھا، کاجل سے لبریز بھوری آنکھیں، دونوں شانوں پر پھیلے اس کے لمبے بال، سرد ٹھنڈی ہوا کے تھپیڑے کھاتی سرخ ناک سے سوں سوں کرتی اس نے اپنے گرد سفید شال اچھی طرح لپیٹ لی، فرحان دوبار آ چکا تھا، نیچے ناشتہ تیار تھا، وہ چھوڑے چھوٹے قدم اٹھاتی کمرے سے باہر نکل گئی۔

وسیع کشادہ ڈرائننگ روم میں دستر خوان لگایا گیا تھا، امی نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے سخت سست کہہ ڈالا تھا، وہ پلٹ کر کچن کی طرف آئی جہاں سے اسے ٹھک ٹھک کی آوازیں آ رہی تھیں، پھپھو کچن میں موجود نہیں تھیں۔

افضل کی پشت اس کی طرف تھی، وہ کل والی گرے شرٹ بلو جینز پر پہنے ہوئے تھا، اس کے ہاتھ میں ہتھوڑی اور زمین پہ کیلیں بکھری ہوئی تھیں، وہ کیبنٹ پر کیل رکھ کر ہتھوڑی سے ضرب لگا رہا تھا، شرٹ کی آستین اس نے کہنیوں تک موڑ رکھی تھیں اور اس کے کسرتی بازو عیاں ہو رہے تھے، بلاشبہ وہ انٹر پاس اتنا برا نہیں تھا جیسا وہ سوچ کر آئی تھی، مسکراہٹ کونے میں چھپائے وہ چپ چاپ ڈھیٹ بنی کھڑی اسے کام میں محو دیکھ رہی تھی، اچانک کسی کی موجودگی کے احساس کو پا کر وہ پلٹا تھا، صبا اسے یوں اچانک پلٹ کر دیکھنے پر گھبرا گئی اور جلدی سے بولی۔

”میں...... وہ...... پھپھو کو دیکھنے آئی تھی، ......شاید وہ باہر ہیں۔“ صبا جلدی سے مڑ گئی اس کی آنکھوں میں اجنبیت دیکھ کر وہ لب بھینچ کر رہ گئی تھی، ڈرائننگ روم میں سب نے مل کر ناشتہ شروع کیا وہ بھی ہاتھ جھاڑتا دستر خوان میں پھپھو کے برابر ابو کے ہمراہ بیٹھ چکا تھا۔

”اور کاروبار کیسا چل رہا ہے۔“ ابو نے سوال کیا۔

”اسٹور اچھا چل رہا ہے اب ایک اور شاخ کھولنے کی تیاری کر رہا ہوں۔“

”او...... اچھا ویری گڈ اپنے والد کے انتقال کے بعد ان چند سالوں میں تم نے جو محنت کی ہے وہ تعریف کے لائق ہے اللہ تمہیں مزید کامیابیاں دے آمین۔“

”جی۔“ وہ مختصراً سر جھکائے بولا۔

”اب تو گھر بہت خالی ہو جائے گا۔“ ابو پھر بولے۔

”جی بھائی تو اسی لئے تو اس سونے پن کو دور کرنے آپ کے پاس اپنی امانت جلد لینے آؤں گی۔“ وہ معنی خیز لہجے میں امی بابا کی طرف دیکھ کر محبت سے بولیں۔

”آپ کی امانت ہے باجی آپ کا جب دل کرے آئیں۔“

”میرا بس چلے تو ابھی نہ جانے دوں، لیکن کچھ دنیا داری ہے افضل کی دادی کو بہت شوق تھا افضل کے بچے اپنی گود کھلانے کا، بس جو رب کی مرضی۔“ وہ آہ بھر کر بولیں۔

”آپ دل چھوٹا نہ کریں سب کام اپنے

وقت پر اچھے ہوں گے انشاء اللہ۔“

☆☆☆

آج جنوری کی آخری شام کے اجلے سائے آسمانوں پر پھیلے ہوئے تھے، شلوار قمیض کے اوپر سیاہ جیکٹ پہنے وہ آج پھپھو کی وسیع چھت پر موجود تھی یہاں بھی پھپھو نے خوشنما پھول پودوں سے جگہ سجائی ہوئی تھی، بے شمار منی پلانٹ چھت کو چھو رہی تھیں، شام کا منظر چھت سے بہت حسین لگ رہا تھا، کچھ ہی دیر بعد سورج غروب ہو جانا تھا یہ منظر اسے شروع سے ہی بہت پسند تھا، اس نے چار انچ کی پنسل ہیل پہن رکھی تھی، ہائی ہیل پہننے کا اسے جنون کی حد تک شوق تھا، نیچے سے پھپھو نے اسے آواز دی وہ جی کہہ کر کھٹ کھٹ کرتی چھت پر ایک الوداعی نظر ڈال کر تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگی، ابھی چوتھا سٹیپ پہ پاؤں رکھا ہی تھا کہ اس کا پیر پھسل گیا ہیل چیخ کر ٹوٹ گئی اور وہ تین اسٹیپ پھسل کر گری تھی، افضل جو چھت کی طرف ہی آ رہا تھا اسے پھسلتا دیکھ کر تیزی سے اوپر لپکا۔

”آپ ٹھیک ہیں۔“

”جی...... جی میں ٹھیک ہوں۔“ وہ اپنا پیر کا درد بھول کر ہائی ہیل کی نوک کو ٹوٹا افسوس کے ساتھ دیکھ رہی تھی، یہ اس کی پسندیدہ سینڈل تھی جو اب بے کار ہو چکی تھی۔

”آپ خاصی عقلمند ہیں۔“ وہ اس کی ہیل کی طرف اشارہ کیا وہ ٹپٹانے لگی۔

”کیا مطلب؟“ وہ ریلنگ کے سہارے کھڑی ہو چکی تھی چوٹ زیادہ نہیں آئی تھی۔

”آپ آئیں میں آپ کو مرہم دیتا ہوں آپ لگا لیں۔“ وہ نرم لہجے میں بولا اور آگے بڑھ گیا وہ بھی کسی فرمانبردار بچے کی طرح اس کے پیچھے پیچھے لنگڑا کر چل رہی تھی۔

عجیب شخص تھا پل میں تولہ پل میں ماشہ، کل والا اکڑو سڑو انسان کی جگہ آج وہ اسے ایک ہمدرد انسان کے روپ میں دیکھ رہی تھی، اسے اپنے کیئر کرنا بہت اچھا لگ رہا تھا، انسان کتنا ہی تعلیم یافتہ ہو لیکن اس کے اندر دوسرے انسان کی قدر اور احساس نہ ہوں تو زندگی مشکل بن جاتی ہے، اس نے کبھی عدنان بھائی کو ایسا کیئرنگ اپنی انا آپی کے لئے نہیں دیکھا تھا وہ ایک پڑھے لکھے باشعور انسان تھے اور یہ محض انٹر پاس جو زندگی کو ایک مسلسل جدوجہد کے بعد گزار کر آسانیوں کی طرف آیا تھا، محرومیوں نے چیزوں کی اہمیت سے بہت اچھا روشناس کروا دیا تھا، ان چند دنوں میں اسے پھپھو کے گھر جو اپنائیت ملی وہ اسے آئندہ آنے والی زندگی میں ایک خوشگوار احساس دلا رہی تھی، وہ مسحور سی چلتی ہوئی اب افضل کے کمرے میں موجود تھی۔

افضل نے اپنے فرسٹ ایڈ باکس سے اسے مرہم کچھ کاٹن اور پٹی دی جسے اس نے با آسانی لگا کر اپنے پیروں میں لپیٹ لی تھی، اتنے میں پھپھو کمرے میں داخل ہوئیں۔

”کیا ہوا میری جان چھوٹ کیسے لگی۔“

”محترمہ گر گئی تھیں، لیکن اب میں ہوں نہ، گرنے نہیں دوں گا۔“

آخر کار افضل نے گمبھیر لہجے میں جھک کر اٹھتے ہوئے سرگوشی میں کہی وہ سنتے ہی سرخ ہو گئی اور وہ پھر رکا نہیں پھپھو نے معنی خیز نظروں سے پہلے افضل اور پھر با کی طرف دیکھا اور مسرت سے صبا کی پیشانی چوم لی، آسماں پر ڈھلتا سورج جنوری کی آخری شام بن کر اترا تھا، اب نئی صبح نے طلوع ہونا تھا۔

☆☆☆

حاصلِ مطالعہ

تحریم محمود

غیبت کا گناہ

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ غیبت کرنے والوں کی سخت سرزش کرتے تھے غیبت اسے کہتے ہیں کہ کوئی کسی کا اس کی غیر موجودگی میں اس طرح تذکرہ کرے جو کہ اسے ناپسند ہو، ایک حدیث میں وضاحت اس طرح ہے۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غیبت کی حقیقت دریافت فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''تمہارا اپنے بھائی کا اس طرح تذکرہ کرنا جو اسے ناپسند ہو۔'' صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا۔

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر وہ بات اس میں موجود ہو تو کیا پھر بھی غیبت ہوگی۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''یہی تو غیبت ہے اور اگر وہ بات اس میں نہ پائی جائے تو پھر یہ بہتان ہوگا۔''

چنانچہ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کو ایک دفعہ ایک ضیافت میں مدعو کیا گیا آپ نے لوگوں سے کسی کی غیبت سنی تو فرمایا۔

''عجیب بات ہے کہ پہلے لوگ گوشت سے پہلے روٹی کھاتے ہیں، مگر یہاں دیکھتے ہیں کہ لوگ اپنے بھائی کی غیبت کر کے روٹی سے پہلے اس کا گوشت کھا رہے ہیں۔'' پھر آپ وہاں سے اٹھ گئے اور کھانا نہ کھایا۔

شگفتہ رحیم، فیصل آباد

محبوب عمل

حضرت موسیٰ علیہ السلام، کلیم اللہ تھے، انہیں اس دنیا میں اللہ تعالیٰ سے شرف ہم کلامی حاصل تھا، ایک مرتبہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا۔

''اے میرے رب! تجھے میرا کون سا عمل زیادہ پسند ہے تاکہ وہ کام زیادہ کیا کروں۔'' اللہ کا ارشاد ہوا۔

''مجھے تیرا وہ عمل تمام کاموں سے زیادہ پسند آیا کہ جب بچپن میں تمہاری ماں تمہیں مارتی تو تم مار کھا کر پھر اسی طرف دوڑتے تھے۔'' (تذکرہ غوثیہ)

حمیرا رضا، ساہیوال

کھانے کے متعلق بعض سنن طیبہ

O حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گرم کھانا لایا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو اس وقت تک ڈھانپ کر رکھتے جب تک اس کا جوش ختم نہ جاتا اور فرمایا۔

میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا کہ ''سرد کھانے میں عظیم برکت ہے۔'' (دارمی، مدارج النبوت)

O حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانے کے بعد پانی نوش نہ فرماتے، کیونکہ مضر ہضم ہے، جب تک کھانا ہضم کے قریب نہ ہو پانی نہیں پینا چاہیے۔ (مدارج النبوت)

O کھجور یا روٹی کا کوئی ٹکڑا کسی پاک جگہ پڑا ہوتا تو اس کو صاف کر کے کھا لیتے۔ (مسلم)

O آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانا کھاتے ہی سو جانے کو منع فرماتے (یہ دل ثقالت پیدا کرتا ہے)۔ (زادالمعاد)

O کسی دوسرے کو کھانا دینا یا کسی سے کھانا لینا ہو تو داہنا ہاتھ استعمال کرنا چاہیے۔ (ابن ماجہ)

ماریہ عثمان، سرگودھا

پہلی کرن

☆ جس نے مخلوق سے کچھ مانگا وہ خالق کے دروازے سے اندھا ہے۔

☆ حیات کا دروازہ جب تک کھلا ہے غنیمت جانو، وہ جلد ہی تم پر بند کر دیا جائے گا اور نیکی کے کاموں کو جب تک تمہیں قدرت ہے، غنیمت سمجھو۔

☆ موت سے پہلے یاد خدا میں عزت ہے کیونکہ کاٹنے کے وقت ہل چلانا اور بیج بونا حماقت ہے۔

☆ سارے ملک کا بگاڑ ان تین گروہوں کے بگڑنے پر ہے، حکمران جب بے علم ہوں، عالم جب بے عمل ہوں اور فقیر جب بے توکل ہوں۔

☆ محبت کامل نہیں ہو سکتی، جب تک قربانی نہ دی جائے۔

☆ صادق وہ ہے کہ جب دیکھو تو ویسا ہی پاؤ کہ جیسے سنا تھا۔

☆ ہر بچے کی پیدائش اس بات کا پیغام ہے کہ اللہ ابھی انسان سے مایوس نہیں ہوا۔

ماروخ آصف، خانیوال

ایک اور دانت

دندان ساز کی بیٹی نے اپنے محبوب سے پوچھا۔

''آج اچھا موقع تھا تم کلینک گئے تھے کیا آج بھی تم نے میرے پاپا سے رشتے کی بات نہیں کی؟'' نوجوان نے پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے جواب دیا۔

''نہیں! حسب معمول آج بھی میری ہمت جواب دے گئی اور میں ایک اور دانت نکلوا کر خاموشی سے واپس چلا آیا۔''

صائمہ ابراہیم، فیصل آباد

ہری مرچیں

O ہر عورت خوب صورت ہوتی ہے، سوائے گھر کی عورت کے۔

O آپ سینما دیکھ کر اتنے خوش نہیں ہو سکتے جتنا ایک عورت پڑوس کے گھر جھانک کر خوش ہوتی ہے۔

O سمجھدار جج پہلے عورت کی عمر دریافت کرتے ہیں اور تب انہیں جا کر سچ بولنے کا حلف اٹھواتے ہیں۔

O یاد رکھیے! ناجائز اخراجات ناجائز آمدنی ہی سے پورے ہو سکتے ہیں۔

O اپنی نقدی کی حفاظت کرو، اصولوں کی حفاظت دیکھا جائے گا۔

O عورت کے نزدیک سب سے حسین عورت وہ ہے، جو اسے آئینے کے سامنے دکھائی دے۔

O خواتین فارغ اوقات میں بچوں کے سر سے جوئیں نکالتی ہیں بے شک جوئیں ہوں یا نہ ہوں۔

وفا عبدالرحمان، راولپنڈی

☆☆☆

بیاض

تسنیم طاہر

زاہدہ اظہر ---- حافظ آباد

پلک جھپکتے ہی دنیا اجاڑ دیتی ہے
وہ بستیاں جنہیں بستے زمانے لگتے ہیں
فراز ملتے ہیں غم بھی نصیب والوں کو
ہر اک کے ہاتھ کہاں یہ خزانے لگتے ہیں

....

خزاں میں چاک گریباں تھا میں بہار میں تو
مگر یہ فصل ستم آشنا کسی کی نہیں
میں آج زد پہ اگر ہوں تو خوش گمان نہ ہو
چراغ سب کے بجھیں گے ہوا کسی کی نہیں

....

کوچہ یار سے ہر فصل میں گزرے ہیں مگر
شاید اب جاں سے گزر جانے کا موسم آیا

فضہ بخاری ---- رحیم یار خان

تھا جنہیں زعم وہ دریا بھی مجھی میں ڈوبے
میں کہ صحرا نظر آتا تھا سمندر نکلا
شہر والوں کی محبت کا میں قائل ہوں مگر
میں نے جس ہاتھ کو چوما وہی خنجر نکلا

....

تھک گیا ہے سفر اداسی کا
اور اب بھی ہے مرے شانے پر سرد اداسی کا
میں تجھ سے کیسے کہوں یار مہرباں میرے
کہ تو علاج نہیں میری ہر اداسی کا

....

فراز اس شہر میں کس کو دکھاؤں زخم اپنے
یہاں تو ہر کوئی مجھ سا بدن پہنے ہوئے ہے

حنا زبیر احمد ----
بہاولپور

چلو کہ آج کوئی بچپن کا کھیل کھیلیں ہم
بڑی مدت ہوئی بے ساختہ ہنس کر نہیں دیکھا

....

میرے احساس کے زخموں نے جگایا مجھ کو
نیند تو ٹوٹی مری ، خواب تمہارے ٹوٹے

....

مجھے سمیٹ سکو تو معجزہ ہو گا
بکھر گیا ہوں خلا میں وسعتوں کی طرح

ام رباب ---- ساہیوال

کوئی کرتا ہی نہیں ذکر وفا داری کا
ان دنوں عشق میں آسانی ہی آسانی ہے

....

باہر تو کوئی دشمن جاں اپنا نہیں تھا
یارو بھلا ہمیں اندر کے خدوخال نے مارا
آئے جو نظر چہرے بظاہر تھے فروزاں
افسوس انہی چہروں کے افعال نے مارا

....

مرتے رہے ہم لوگ سدا وقت کے ہاتھوں
ماضی نے ہمیں مارا کبھی حال نے مارا
کچھ نقش سلامت ہیں جو دیتے ہیں گواہی
گزری ہوئی صدیوں کو مہ و سال نے مارا

نعیمہ بخاری ---- اٹک

ہم فقیروں کو برائی سے سروکار نہیں
ہم زمانے میں فرشتوں کی طرح رہتے ہیں
لوگ کہتے ہیں برا ہم کو تو حیرت کیا ہے
کہنے والے تو خدا کو بھی برا کہتے ہیں

....

....

یہ سوچ میں ڈوبا ہوا ٹھہرا ہوا انداز
جیسے کبھی آپس میں تعلق نہ رہا ہو
مجھ سے تو نہیں رکتے یہ بہتے ہوئے آنسو
کیا بات ہے کیا ہو گیا کیوں مجھ سے خفا ہو

شازیہ علی ---- جہلم

تنہائی سے باتیں کرتے شام گزاری ہے
لمحہ لمحہ جیتے مرتے شام گزاری ہے
وہ جانے کس گھر آنگن کی رونق بن بیٹھا
جس کی یاد میں آہیں بھرتے شام گزاری ہے

....

اے میری جان برسات کے موسم میں روٹھا نہ کر
موسم اور بھی بہت ہیں روٹھنے کے لئے

....

اگر آؤ تو عجب سا پتہ ہے میرا
دل سے لینا اجازت اور چل پڑنا

مدیحہ کرن ---- منڈی بہاؤالدین

تنہائی کا زہر پینا ہے مجھے
تجھے ماں یاد کرکے رونا ہے مجھے
دنیا کی باتیں جو میرے دل پہ گہرا زخم ہیں
کہ اس زخم کو بھی پینا ہے تجھے

....

تو جو رہتا نہ تھا کہ اک پل بھی میرے بغیر
مدت ہو گئی ہے اب تجھ سے ملے ہوئے

....

آنکھوں میں آنسو مٹتے نہیں
لوگ زخم لگانے سے باز آتے ہیں

نمرہ فاطمہ ---- میانوالی

ہوا مت مری گلیوں میں آیا کرو
آؤ تو اس کی خوشبو بھی لایا کرو
مت اتنا شور کر مت اتنا تیز چلو
اے تو محسوس ہونے دیا کرو

....

تیرے حسن کے شعلوں سے جلتی ہوں مدتوں
پھر بھی تیرے قرب کی تلاش میں رہتی ہوں

....

اوراق پریشاں کے شعلوں کے دہکنے سے
چڑیوں کے چہکنے سے پھولوں کے مہکنے سے
ذہن کے گلستاں میں یہ بات ہے آئی
شاید کہ بادصبا نے لی ہے انگڑائی

رابعہ علی ---- فیصل آباد

تمام عمر تعلق سے منحرف رہے
تمام عمر اسی کو مگر بچایا ہے
ہر اعتراض پہ گہری خاموشی
یہی تو وصف مرے ہمسفر بچایا ہے

....

لہجہ تھکا تھکا ترا پلکیں جھکی جھکی تری
اتنی خفیف سی خوشی کتنی صعوبتوں کے بعد
خوشبو چراغ شاعری یہ ہدیہ تیرے نام ہوں
تو بھی نہ آ سکا اتنی نشانیوں کے بعد

....

ہم تو یوں اپنی زندگی سے ملے
اجنبی جیسے اجنبی سے ملے
ہر وفا ایک جرم ہو گویا
دوست کچھ ایسی بے رخی سے ملے

شازیہ رفیق ---- اسلام پورہ لاہور

تمام شب جہاں جلتا ہے ایک اداس دیا
ہوا کی راہ میں اک ایسا گھر بھی آتا ہے
وفا کی کون سی منزل پہ اس نے چھوڑا تھا
کہ وہ تو یاد ہمیں بھول کر بھی آتا ہے

....

تم نے پھر بھی زمانے کے چلن سیکھ لئے
میں تو کچھ بھی نہیں کر پایا محبت کے سوا

....

---- بہاولپور
حنا زبیر احمد
ذرا سی خاک بدلتی صورتیں کیا کیا
طلسم ہے کہ ہنر شیشہ گر سے پوچھا جائے

....

جب بھی اس کی صورت دیکھی
میں نے ہاتھ پہ رکھا چاند
جانے کس کو ڈھونڈ رہا ہے
ایک مدت سے تنہا چاند

....

نبی نہ تھے مگر انساں پہ جاں چھڑکتے تھے
سنا ہے اگلے زمانے کے لوگ اچھے تھے
انہوں نے مجھ سے کہا تھا کسی سے لو نہ لگا
اب کے سوچ رہا ہوں وہ لوگ سچے تھے
ام رباب ---- ساہیوال
میں تیرے ملنے کو معجزہ کہہ رہا تھا
تیرے بچھڑنے کا سانحہ بھی کمال گزرا
ہر اس بارود موت شب خوں کا خوف محسن
نہ پوچھ کتنی اذیتوں میں یہ سال گزرا

....

شال پہنائے گا اب کون دسمبر میں تمہیں
بارشوں میں جو بھیگو گے تو یاد آؤں گا
اس میں شامل ہے میری بخت کی تاریکی بھی
تم سیاہ رنگ جو پہنو گے تو یاد آؤں گا

....

کبھی تو دل میں چھپے زخم بھی نمایاں ہوں
قبا سمجھ کے دل تار تار کرنا ہے
خدا خیر کرے یہ کوئی ضد کہ شوق ہے محسن
خود اپنی جان کے دشمن سے پیار کرنا ہے
نعیمہ بخاری ---- اٹک
اس سے بچھڑا تو ہوا برد ہوا
ورنہ کون جانتا مجھے میرے حوالے سے
وہ جاتے ہوئے مجھے خود سے شناسا کر گیا
میں تو بے خبر رہا اک عمر خود کو پانے سے

....

درد کے چاند کی راتوں کا ستم سہنے دو
وقت کی آنکھ سے کچھ اور لہو بہنے دو
اب میرے طرز تخاطب سے پریشاں کیوں ہو
میں نہ کہتا تھا کہ یارو مجھے چپ رہنے دو

....

جس شام برستے ہیں تیری یاد کے بادل
اس شب کو کوئی ہجر کا تارہ نہیں ہوتا
یونہی میرے پہلو میں چلا آتا ہے اکثر
وہ درد جسے ہم نے پکارا نہیں ہوتا
ثمرین زاہرہ ---- خان پور
دیکھ کر ہلال عید کو جو مسکراتے تھے
اب وہ چاند چہرے ڈھونڈے سے نہیں ملتے

....

فاصلوں کی رنجشیں راستوں کے سارے دکھ
کیا سفر یہ ہو گا طے داستاں سنانے تک
سوچنے کی بات کیا لمحوں کے ہیں فیصلے
دل میں اتر جانے سے دل سے اتر جانے تک

....

میں تو یہ جانتا ہوں کہ جس شب ہمیں چھوڑ کر تم گئے
آسمانوں سے شعلہ نکلتا رہا چاند جلتا رہا
یہ دسمبر کہ جس میں کڑی دھوپ بھی میٹھی لگنے لگے
تم نہیں تو دسمبر سلگتا رہا چاند جلتا رہا
نمرہ سعید ---- اوکاڑہ
روح میں میری آفتاب میرا نصیب تیرگی
میری تلاش روشنی میرے قریب تیرگی
میرے ہجوم یاس نے دن کو بھی رات کر دیا
میرے لہو میں رچ گئی ایسی عجیب تیرگی

....

امیر شہر بتاؤ ثبوت دیکھ لیا
گلی گلی یہ مسلط سکوت دیکھ لیا

پیچ در پیچ سلسلے دل کے
مجھے تیری تجھے کس کی تلاش

....

سکون ملتا ہے رونے سے دل کو بھی آذر
شدید ہو کبھی موسم تو بارشیں مانگوں
ثمرین زاہرہ ---- خان پور
گفتگو کرنے کا کچھ اس میں ہنر ایسا تھا
وہ میری بات کا مفہوم بدل دیتا تھا

....

جنون میں ہوش کے سب سلسلے بھی ساتھ رکھتا ہے
وفا کرتا ہے لیکن فاصلے بھی ساتھ رکھتا ہے
کوئی آب و ہوا تو راس آئے گی کبھی اس کو
محبت کی ساری منطقیں بھی ساتھ رکھتا ہے

....

دھیان رکھنا ہر اک آہٹ پر
شاید ابھرے صدا کہیں اس کی
نمرہ سعید ---- اوکاڑہ
تیرے قریب رہ کر تجھے تلاش کروں
محبتوں میں میری بد حواسیاں نہ گئیں

....

اسے کہو بہت نامراد شے ہے جنوں
اسے کہو کہ مجھے ہے بہت جنوں اس کا

....

خواہشوں کی محرومیاں مت پوچھ میرے ہم نفس
کہ میری نس نس میں خوابوں کا زہر اترا ہے
طاہرہ رحمان ---- بہاولنگر
ہم ہی کریں کوئی صورت انہیں بلانے کی
سنا ہے ان کو تو عادت ہے بھول جانے کی
جفا کے ذکر پہ تم کیوں سنبھل کے بیٹھ گئے
تمہاری بات نہیں بات ہے زمانے کی

....

پانی پہ بھی ریت پہ تڑپی چنی گئی
بنتی رہی ہے دکھ کا بھی عنوان محبت
ہم نے پڑھے ہیں اتنے فسانے کہ بس
لگتا ہے ہر فسانے کی ہے جان محبت

....

رشتوں کو توڑنے میں ذرا احتیاط کرنا
رخ اپنا موڑنے میں ذرا احتیاط کرنا
ایسا نہ ہو کہ ایک دن پچھتاؤ ہر گھڑی
تم مجھ کو چھوڑنے میں ذرا احتیاط کرنا
عمرانہ علی ---- حاصل پور
اپنا آنچل سنبھال کر چلنا
چھیڑ خانی ہوا کی عادت ہے

....

دل کو تمہاری یاد کے آنسو عزیز تھے
دنیا کا کوئی درد سمونے نہیں دیا
ناصر یوں اس کی یاد چلی ہاتھ تھام کر
میلے میں اس جہاں کو کھونے نہیں دیا

....

جو لگ چکی ہے گرہ دل میں کھل نہیں سکتی
تو لاکھ ملتا رہے ہم سے دوستوں کی طرح
عظمیٰ جبیں ---- لیہ
مختصر لفظوں میں ہے اب یہ مزاج زندگی
رابطہ سب سے ہے مگر واسطہ نہیں

....

ہر چاہ گر کو چارہ گری سے گریز تھا
ورنہ ہمیں جو دکھ تھے بہت لادوانہ تھے

....

وہ ریت کر کے میرے خواب کی زمینوں کو
میرے وجود میں دریا تلاش کرتا ہے
گنوا کے مجھ کو کسی عہد خوش گمانی میں
وہ شاید اب کوئی مجھ سا تلاش کرتا ہے

☆☆☆

سدیہ جبار ---- ملتان

س: ع غ جی کیا کر رہے ہیں؟
ج: تم کیا کر رہی ہو۔
س: لو یہ کیا بات ہوئی الٹا ہم سے سوال؟
ج: چلو بتا ہی دیتے ہیں کیا یاد کرو گی۔
س: اب بتا بھی دیں؟
ج: مجھے بے صبرے لوگ پسند نہیں ہیں صبر سے کام لو۔
س: آپ عید الاضحیٰ پر کیا پسند کرتے ہیں؟
ج: سب کچھ پسند ہے آپ مرضی جو بھیج دیں۔
س: ہم تو حلوہ پوریاں بنائیں گے کیسے بھیجوں مشکل ہو جائے گی۔
ج: ویسے ہی تمہاری نیت نہیں ہے بہانے نہ بناؤ۔
س: ارے نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔
ج: میں خود آجاؤں کھا بھی لوں گا اور مل بھی لوں گا۔

فرح عامر ---- جہلم

س: ہوں دیکھیں ع غ جی آپ تو حد سے بڑھ گئے، آپ کو انگلی پکڑائی آپ ہاتھ پکڑنے لگے۔
ج: توبہ توبہ ہوش کے ناخن لو میں بھلا تمہارا ہاتھ کیوں پکڑنے لگا میرے لیے کوئی کمی ہے۔
س: دل میں بسنے والوں سے ماہانہ کرایہ وصول کرنا ہو تو کیا کرنا چاہیے؟
ج: اسے دل کے ساتھ اپنی آنکھوں میں بھی بسا لیں۔
س: آپ کو پتہ ہے کہ آپ کے الٹے پلٹے جوابات پڑھ کر اب حنا کے قارئین کیا سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں؟
ج: کیا غضب کے جواب دیتا ہے یہ بندہ۔
س: چلیں آج جلدی سے اپنی فیورٹ ڈش اور مشروب کا نام بتا دیں؟
ج: پی جی ایام کی تلخی کو ہنس کے ناصر۔
س: آپس کی بات ہے، آپ وہی عین غین ہیں ناں جو تین سال پہلے......؟
ج: ہاں ہاں وہی ہوں جس نے تمہیں قرض خواہوں سے بچایا تھا۔
س: میرا دل آج کل بے حد اداس ہے، اگر میرے سوالوں کے سیدھے منہ جواب نہ دیے تو میں......؟ آگے آپ خود سمجھدار ہیں؟
ج: پہلے یہ بتاؤ دل اداس کیوں ہے اور وہ بھی آج کل۔

رضوان علی ---- رحیم یار خان

س: وقت طوفان کب اٹھاتا ہے؟
ج: جب تم کسی گرلز کالج کے باہر کھڑے ہو اور "گرل" کا بھائی آجائے۔
س: کیا وقت کے ساتھ چلنا ضروری ہے؟
ج: بہت ضروری ہے ورنہ۔
س: سکون کی تلاش؟
ج: اپنے اندر تلاش کرو۔
س: کیا دنیا میں صرف غم ہی غم ہیں؟
ج: کون کہتا ہے۔

س: زندگی میں سکون کب ملتا ہے؟
ج: جب بیوی میکے ہو۔
س: آپ اتنی زیادہ ذہین کیوں ہیں؟
ج: یہی بات کل امان اللہ سے بھی کہہ رہے تھے۔

فائزہ قاسم ---- سکھر

س: اب کیا ہوگا؟
ج: وہی جو ہم چاہتے ہیں۔
س: جدائی کی رات بہت طویل اور کربناک کیوں ہوتی ہے؟
ج: اکیلے میں ڈر جو لگتا ہے۔
س: وفا کی راہ میں آج میں اکیلی ہوں؟
ج: تمہیں سی لائی بے قدراں نال یاری۔
س: کیا گئے ہوئے لمحات واپس آسکتے ہیں؟
ج: گیا وقت پھر کب ہاتھ آتا ہے۔
س: کبھی کبھی دل چاہتا ہے کہ ہمارے آس پاس کوئی نہ ہو؟
ج: تاکہ گزری ہوئی باتوں پر کبھی خوش کبھی رنجیدہ ہو سکیں۔
س: کچھ لوگ روٹھ کر بھی لگتے ہیں کتنے پیارے؟
ج: دل آنے کے ڈھنگ ہیں۔

فریال امین ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ

س: آپ کو پھول اچھے لگتے ہیں یا کلیاں؟
ج: کلیاں کیوں کہ انہیں ابھی کھلنا ہوتا ہے۔
س: آپ کو بھینس کے آگے بین بجانا کیسا لگتا ہے؟
ج: مجھے تو چین کی صرف بنسری بجانی آتی ہے۔
س: سلجھی ہوئی حسینوں اور الجھی ہوئی حسینوں میں کیا فرق ہے؟
ج: جو ایک سمجھدار انسان اور ایک ناسمجھ انسان میں ہے۔
س: انسان جیتے جی کب مرتا ہے؟
ج: جب اس کی عقل کام نہ کرے۔
س: عورت زندگی میں سب سے زیادہ کس بات کی تمنا کرتی ہے؟
ج: نئے ماڈل کی کار، وسیع و عریض بنگلہ اور دولت مند شوہر۔
س: اگر میں تمہاری بند آنکھوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر پوچھوں کہ بوجھو تو؟
ج: بوجھ لیں گے۔

نعیم امین ---- کراچی

س: ہم تمہیں ڈھونڈ رہے ہیں کئی دنوں سے؟
ج: اندھے کو اندھیرے میں بڑی دور کی سوجھی۔
س: ایک ڈال پر طوطا بیٹھا، ایک ڈال پر مینا ع غ جی کیا کہنا؟
ج: دونوں کو صحیح جگہوں پر رہنا چاہیے۔
س: اگر خواب صرف خواب ہی رہیں تو؟
ج: خواب تو خواب ہی ہوتے ہیں۔
س: کنوارے شادی کرنا چاہتے ہیں اور شادی شدہ اپنی جان کو روتے ہیں؟
ج: شادی بور کے لڈو ہیں جس نے کھائے وہ بھی پچھتائے جس نے نہیں کھائے وہ بھی پچھتائے۔
س: عورت اپنی عمر اور مرد اپنی آمدنی کیوں چھپاتے ہیں؟
ج: یہی چیز تو فساد کی جڑ ہے۔
س: لوگ کہتے ہیں عشق خلل ہے دماغ کا؟
ج: تبھی تو عاشقوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

نازیہ کمال ---- حیدرآباد

س: یہ زندگی تیرے بغیر کیسے کٹ گئی؟
ج: جیسے اب تک کٹی ہے۔

یے گفتگو میں کمال تھا

عالیہ وقاص: کی ڈائری سے ایک غزل

عکس خوشبو ہوں بکھرنے سے روکے کوئی
اور بکھر جاؤں تو مجھ کو نہ سمیٹے کوئی
کانپ اٹھی ہوں میں یہ سوچ کر تنہائی میں
میرے چہرے پہ تیرا نام نہ پڑھ لے کوئی
جس طرح خواب میرے ہو گئے ریزہ ریزہ
اس طرح سے نہ کبھی ٹوٹ کے بکھرے کوئی
میں تو اس دن سے ہراساں ہوں کہ جب حکم ملے
خشک پھولوں کو کتابوں میں نہ رکھے کوئی
اب تو اس راہ سے وہ شخص گزرتا بھی نہیں
اب کس امید پہ دروازے سے جھانکے کوئی
کوئی آہٹ کوئی آواز کوئی چاپ نہیں
دل کی گلیاں بڑی سنسان ہیں آئے کوئی

رابعہ سعید: کی ڈائری سے ایک نظم

کبھی ایسا ہو
تجھ سے ملن کی
کوئی صورت نہ ہو
مایوسی آ کر آخری حد ہو
جب دعائیں بے اثر لگیں
آنکھیں ویران ہوں
وجود بیزار ہو ایسے
میں اچانک مجھے تیری طرف سے
I miss you
کا کارڈ ملے اور سارا وجود
تیرے جذبوں کی خوشبو سے
مہک اٹھے

عاصمہ رضوان: کی ڈائری سے خوبصورت نظم

جو میری آنکھوں سے خواب دیکھو
تو ایک بھی شب نہ سو سکو گے
کہ لاکھ چاہو نہ ہنس سکو گے
ہزار چاہو تو رو سکو گے
کہ خواب کیا ہیں عذاب ہیں یہ
مری دکھوں کی کتاب میں یہ
رفاقتیں ان میں چھوٹتی ہیں
محبتیں ان میں روٹھتی ہیں
پنپتی ہیں ان میں وحشتیں سی
اذیتیں ان میں پھوٹتی ہیں
انہی کے ڈر سے خزاں میں جذبے
انہی سے شاخیں سی ٹوٹتی ہیں
غموں کی بندش میں ہیں خواب میرے
دکھوں کی بارش ہیں خواب میرے
ابل رہا ہے دکھوں کا لاوا
رہن آتش ہیں خواب میرے
خیال سارے جھلس گئے ہیں
سلگتی خواہش ہیں خواب میرے
اکھڑتی سانسیں ہیں زندگی کی
لہو کی سازش ہیں خواب میرے
جو میری آنکھوں سے خواب دیکھو
تو ایک بھی شب نہ سو سکو گے

حنا خان: کی ڈائری سے ایک نظم

''اک سپنا''

خیالوں کی بستیوں میں دور نکل جائیں
خوابوں کے تتلیوں سے من کو بہلائیں
آنکھوں میں سپنے لے کر تم بھی جب
میرے راستے سے گزرو تو میرے
ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر پگڈنڈی پر
مل کر چلیں اور اس زمانے سے
دور بہت دور اک ایسے
دیس میں نکل جائیں جہاں
یہ زمانہ یہ سماج یہ دستور
میرے اور تیرے قریب نہ آئیں
جہاں جنگلی پھولوں کا کنج ہو

☆☆☆



بلقیس بھٹی

وعدہ

میں ستارے توڑ کر لاؤں گا تیرے واسطے
اس کا وعدہ میرے جان و دل پہ ایسا چھا گیا
میں بہت خوش تھی مجھے اک چاہنے والا ملا
وہ ہمارے گھر ''ستارہ لان'' لے کر آ گیا

ثمرین زاہرہ، خان پور

چل رہا ہے

ادھر ناکے پہ ناکہ چل رہا ہے
ادھر ڈاکے پہ ڈاکا چل رہا ہے
ادھر منصوبہ بندی کے ہیں چرچے
ادھر کاکے پہ کاکا چل رہا ہے

نمرہ سعید، اوکاڑہ

مقام شکر

''کیا کبھی کسی نے تمہیں اپنے ہاں کام کاج یا کوئی ملازمت وغیرہ کرنے کی پیشکش کی۔'' ایک صاحب نے ایک پیشہ ور بھکاری سے پوچھا۔

''جی ہاں...... صرف ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا تھا۔'' بھکاری نے ٹھنڈی سانس لے کر جواب دیا۔

''ورنہ لوگوں نے میرے ساتھ ہمیشہ ہمدردی اور محبت کا ہی سلوک کیا ہے۔''

طاہرہ رحمان، بہاولنگر

رہنمائی

خمار زدگان کی ایک محفل سے ایک صاحب جانے کے لئے اٹھے تو میزبان انہیں چھوڑنے دروازے تک آیا، جب وہ صاحب لڑکھڑاتے ہوئے دروازے سے نکلنے لگے تو میزبان نے کہا۔

''جب تم فٹ پاتھ پر پہنچو گے تو تمہیں دو ٹیکسیاں نظر آئیں گی، جو تمہارے بالکل قریب ہو، اس میں بیٹھ جانا، اس کے برابر والی میں بیٹھنے کی کوشش نہ کرنا کیونکہ وہ وہاں موجود نہیں ہو گی۔''

عمرانہ علی، حاصل پور

اف یہ عورتیں

ایک ریاضی دان کا کہنا ہے کہ مردوں کے مقابلے میں عورتیں ریاضی کی زیادہ ماہر ہوتی ہیں کیونکہ وہ اپنی عمر کو ہمیشہ دو سے تقسیم کرتی ہیں، اپنے لباس کی قیمت کو دو سے اور اپنے شوہر کی تنخواہ کو تین سے ضرب دیتی ہیں۔

وہ اپنی بہترین سہیلیوں کی عمروں میں پانچ سال جمع کرتی ہیں اور...... اور...... اور۔

عظمیٰ جبین، لیہ

ایک سے بڑھ کر ایک

ایک نوجوان کی چند دنوں کے بعد شادی ہونے والی تھی، اس کے قریبی دوست اسے مشورے دے رہے تھے کہ پہلے دن سے ہی بیوی پر رعب ڈالنا اگر بیوی سے ڈر گئے تو تمام عمر زن مریدی میں گزرے گی، ایک دوست نے ایک ترکیب بتائی کہ کمرے میں ایک عدد بلی چھوڑ دینا، نئی نویلی دلہن بلی سے خوفزدہ ہو گی اور تم بلی کو

بار کر دلہن پر رعب جمانا، بس سمجھو کہ پھر جیت تمہاری ہوگی۔

شادی والی رات نوجوان نے ایسا ہی کیا کہ کسی طرح ایک عدد بلی بیڈ روم تک پہنچا دی، جب وہ خود اندر جانے لگا تو پتا چلا کہ دروازہ بند ہے اور اندر سے دھم دھما دھم کی آوازیں آ رہی ہیں، کچھ دیر کے بعد دروازہ کھلا تو دلہن صاحبہ ایک ہاتھ میں ڈنڈا سنبھالے اور دوسرے ہاتھ میں بلی کو دم سے اٹھائے فرمانے لگیں۔

''ارے آپ! دیکھیں اس کم بخت نے مجھے بہت تنگ کیا، میں نے سوچا کہ آپ کے آنے سے پہلے اس کا کام تمام کرلوں۔''

وردہ منیر، لاہور

بین الاقوامی کہاوتیں

- جہاں دو آدمی اکٹھے ہوں وہاں مت رکو۔ (پاکستانی کہاوت)
- سوئے ہوئے کتے کو سویا رہنے دو، بیدار ہو کر وہ یقیناً آپ پر بھونکے گا۔ (ترکش کہاوت)
- اگر تم خود ترقی نہیں کر سکتے تو دوسروں کو ترقی کرتے دیکھ کر آنکھیں بند مت کرو۔ (جرمن کہاوت)
- تلوار اور عورت کی چلتی ہوئی زبان کو روکنا ہی اصل بہادری ہے۔ (روسی کہاوت)
- روتی عورت اور بیمہ ایجنٹ کی باتوں پر کبھی اعتبار مت کرو۔ (جاپانی کہاوت)
- آپ کا دماغ بڑھ تو سکتا ہے لیکن عورت کی عمر ساری زندگی نہیں بڑھتی۔ (فارسی کہاوت)
- ساس ری ساس تیرا کون سا دانت سیدھا۔ (بنگلہ دیشی کہاوت)
- اگر کوئی کتا آپ پر بھونک رہا ہے تو آپ اس پر بھونکنا شروع مت ہو جائیں۔ (یونانی کہاوت)

ثمرہ شیرازی، پتوکی

بیویات

امریکن بیوی: ہر لمحہ اس سوچ میں رہتی ہے کہ کب موجودہ شوہر سے طلاق لوں تا کہ اس طلاق کے نتیجے میں اچھی خاصی رقم اینٹھ سکوں، نیز وہ اس مسئلے پر بھی غور و فکر کرتی ہے کہ اگلے شوہر کے لئے کوئی تگڑی آسامی ڈھونڈوں تا کہ اس سے طلاق لے کر مزید رقم حاصل کر سکوں۔

برطانوی بیوی: یہ شوہر کو زیادہ اہمیت نہیں دیتی، اہمیت دیتی ہے تو اپنے نئے نئے بوائے فرینڈز کو، بلکہ اپنے شوہر کو بھی مشورہ دیتی ہے کہ وہ دو چار نئی گرل فرینڈز بنا لے، آخر کار یہ شوہر سے علیحدگی اختیار کر لیتی ہے۔

برازیلین بیوی: شوہر کے آرام و سکون کا بہت خیال رکھتی ہے، اسی لئے وہ سر شام گھومنے پھرنے باہر نکل جاتی ہے، تا کہ اس کا شوہر آرام سے گھر میں بیٹھ کر فٹ بال کا میچ دیکھ سکے۔

جاپانی بیوی: اپنے شوہر کا اتنا ہی زیادہ خیال رکھتی ہے، جتنا زیادہ خیال وہ اپنے ڈیجیٹل کیمرے، نئی کار اور موبائل فون کا رکھتی ہے۔

چائنز بیوی: اپنے شوہر کو طرح طرح کے چائنیز کھانے پکا کر کھلاتی ہے حالانکہ اس کا شوہر اس سے بہتر چائنیز کھانے پکا سکتا ہے۔

افریقن بیوی: اپنے شوہر پر ہر وقت اپنے قبیلے کی دھاک بٹھانے کے لئے بہادری کے قصے سناتی ہے، نا صرف یہ بلکہ اپنے شوہر پر ان کا عملی مظاہرہ بھی کرتی ہے۔

پاکستانی بیوی: ایک عدد شوہر کے مل جانے پر اس سوچ میں غرق ہو جاتی ہے کہ بڑی مشکل سے ہاتھ آیا ہے شوہر نما نوکر، بچ کے جانے نہ پائے کہیں۔

حمضہ حماد، کراچی

ریسرچ

''تم دو سال کہاں غائب تھے؟''

محبوبہ نے طویل جدائی کے بعد ملاقات ہونے پر اشتیاق سے سوال کیا۔

''کیا تم دوبئی چلے گئے تھے؟''

''نہیں۔''

عاشق نے جواباً قہقہہ لگایا۔

''میں گزشتہ دو سال سے نیورو تھراپی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ فار برین ڈس آرڈر میں مصروف تھا۔''

''مائی گاڈ'' محبوبہ حیرت زدہ رہ گئی۔

''تمہارے پاس تو میڈیکل نہیں تھی پھر دماغی امراض کے اسپتال میں تم کیا کام کرتے رہے؟''

''میں وہاں عشق کرتا رہا۔''

عاشق ہسٹریائی انداز میں قہقہہ لگایا۔

''دماغی ماہرین مجھ پر ریسرچ کر رہے تھے۔''

سونیا ربانی، جام پور

قریب ترین راستہ

ایک دولت مند آدمی کو مچھلی شکار کا بہت شوق تھا، ایک روز وہ کچھ تو انتظار کی کوفت سے بچنے کے لئے اور کچھ سردی سے خود کو بچانے کے خاطر تھوڑی تھوڑی دیر بعد شراب پیتا رہا، شام کو جب اس نے اپنا سامان سمیٹ کر کار میں رکھا تو وہ بالکل ہوش سے بے گانہ ہو رہا تھا۔

کار چلانے کے کچھ سیکنڈ بعد ہی جب پانی اس کے پیروں کو چھونے لگا تو اس نے سوچا۔

''اف یہ تو بارش آ گئی ہے میں نے سوچا بھی نہ تھا کہ آج پانی برسنے لگے گا، خیر اب مجھے جلد سے جلد اپنے گھر تک پہنچنا چاہیے۔''

اتنے میں اس کی نظر ایک کسان پر پڑی جو اپنے گھر جا رہا تھا، رہنمائی کے لئے اس نے کسان سے پوچھا۔

''بھئی شہر تک پہنچنے کا قریب ترین راستہ کون سا ہے؟'' کسان نے جواب دیا۔

''میری رائے میں سڑک کا راستہ ٹھیک رہے گا، ندی میں کار چلاتے ہوئے جائیں گے تو شہر بہت دیر میں پہنچیں گے۔''

ناظمہ احمد، کوئٹہ کینٹ

زور گفتار

سجاد گل صاحب نے ایک دن موڈ میں آ کر فرمایا۔

''میری بیوی اتنی پڑھی لکھی ہے کہ وہ کسی بھی موضوع پر گھنٹہ بھر بات چیت کر سکتی ہے۔''

جواب میں اقبال میمن نے فرمایا۔

''اس میں حیرت کی کیا بات ہے یہی کام ان پڑھ عورت بھی کر لیتی ہے اور اس کے لئے موضوع کی شرط نہیں ہوتی۔''

سازیہ مٹی، جہلم

حقیقت

ایک ماہر نفسیات بہت زور و شور سے اپنی خوبیاں بیان کر رہے تھے۔

''میں کسی بھی شخص پر صرف ایک نظر ڈال کر یہ بتا سکتا ہوں کہ وہ میرے بارے میں کیا سوچ رہا ہے۔''

''لیکن یہ جان لینے کے بعد تو آپ کو کوئی شرمندگی ہوتی ہوگی۔''

ایک آدمی انہیں ٹوکتے ہوئے بولا۔

مدیحہ کرن، منڈی بہاؤالدین

☆☆☆

حنا کا دسترخوان

افراح طارق

ہرے بھرے کباب

اشیاء

پودینہ	چار گٹھی
بیسن	ایک کپ
ہری مرچ	دس عدد
ہرا دھنیا	ایک گٹھی
نمک	حسب ذائقہ
ثابت دھنیا بھنا ہوا	ایک چائے کا چمچہ
پیاز	ایک عدد
ٹماٹر بڑے سائز کے	دو عدد
تیل	ڈیپ فرائی کے لئے

ترکیب

پودینے اور ہرا دھنیا کو صاف کر کے پتے الگ کر لیں اور انہیں دھو کر باریک کاٹ لیں، پیاز، ٹماٹر اور ہری مرچ کو باریک کاٹ کر اس آمیزے میں نمک، ثابت دھنیا اور بیسن ملا کر اچھی طرح گوندھ لیں، جب یہ سخت آٹے کے پیڑے کے مانند ہو جائے تو اس کو ایک بڑے رول کی شکل دے دیں، اب ایک دیگچی میں پانی گرم کریں اور اس کے اوپر چھلنی رکھ کر اس پر رول رکھ دیں، کچھ دیر اسے بھاپ میں سخت ہونے دیں، اس کے بعد اس کے سلائس کاٹ لیں، کڑاہی میں درمیانی آنچ پر تیل گرم کریں اور میں سلائس ڈال کر گولڈن براؤن کر لیں، مزے دار ہرے بھرے کباب تیار ہیں املی کی چٹنی کے ساتھ سرو کریں۔

یوگرٹ مٹن

اشیاء

بکرے کا گوشت دھو لیں	ایک کلو
دہی	ایک پاؤ
پیاز باریک کاٹ لیں	دو عدد
ادرک، لہسن پیسٹ	دو کھانے کے چمچے
ہری مرچ درمیانی سائز کی	آدھا کپ
نمک	حسب ذائقہ
گرم مصالحہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
تیل	آدھا کپ

ترکیب

دیگچی میں تیل گرم کریں، اس میں پیاز ڈال کر گولڈن براؤن ہونے تک تلیں، گوشت، نمک اور ادرک لہسن پیسٹ ڈال دیں، دو منٹ تک بھون کر تقریباً چار گلاس پانی گوشت میں ڈال کر گلنے کے لئے چھوڑ دیں، (اگر پانی خشک ہو جائے اور گوشت نہ گلے تو تھوڑا پانی اور ڈال دیں) آدھی ہری مرچ گرائنڈر میں پیس لیں، جب گوشت گل جائے تو دہی پھینٹ کر اس میں ملا دیں اور ساتھ ہی پسی ہوئی ہری مرچ بھی ملا دیں، جب دہی کا پانی بھی خشک ہو جائے تو باقی کی ثابت ہری مرچوں کے درمیان میں کٹ لگا کر گوشت میں ڈال دیں، ہلکی آنچ پر مزید دس منٹ پکائیں، جب تیل اوپر آ جائے تو اوپر سے پسا ہوا گرم مصالحہ ڈال دیں، مزے دار یوگرٹ مٹن تیار ہے، روغنی نان اور سلاد کے ساتھ گرم گرم سرو کریں۔

جہانگیری سیخ کباب

اشیاء

قیمہ	ایک کلو
ادرک لہسن پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
کچری پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
سونٹھ پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
گرم مصالحہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
پیاز باریک کٹی ہوئی	دو کھانے کے چمچے
ثابت دھنیا کوٹ لیں	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ پاؤڈر	ڈیڑھ چائے کا چمچہ
کاجو باریک چوپ کر لیں	تین کھانے کے چمچے
خشخاش پیس لیں	ایک چائے کا چمچہ
دیسی گھی	حسب ضرورت
ناریل پاؤڈر	دو کھانے کے چمچے
بیسن	دو کھانے کے چمچے
دہکتا ہوا کوئلہ	ایک عدد

ترکیب

ایک پیالے میں قیمہ، ادرک، لہسن پیسٹ، کچری پاؤڈر، سونٹھ، گرم مصالحہ پاؤڈر، پیاز، ثابت دھنیا، نمک، لال مرچ کا پاؤڈر، خشخاش، ناریل پاؤڈر اور بیسن ڈال کر اچھی طرح مکس کریں، جس طرح آٹا گوندھتے ہیں اس طرح گوندھ لیں، اس کو بیس منٹ کے لئے رکھ دیں، پھر درمیان ڈبل روٹی یا پیاز کا چھلکا رکھ کر کوئلہ رکھیں، دو تین قطرے دیسی گھی ٹپکا کر ڈھک دیں۔

اب اس قیمے کو سیخوں پر سیخ کباب کی طرح چڑھا کر دہکتے کوئلے پر سینک لیں، دیسی گھی کا بگھار لگا کر سرونگ ڈش میں نکال لیں، پراٹھوں یا نان کے ساتھ سرو کریں۔

منگولین گوشت

اشیاء

گوشت	آدھا کلو
سویا ساس	ایک کھانے کا چمچہ
سرکہ	دو کھانے کے چمچے
چینی	آدھا چائے کا چمچہ
گرم مصالحہ پاؤڈر	چوتھائی چائے کا چمچہ
سوس بنانے کے لئے:۔	
مرغی کی یخنی	چوتھائی کپ
سویا ساس	ایک کھانے کا چمچہ
تیل	حسب ضرورت
سرکہ	ایک کھانے کا چمچہ
چلی سوس	آدھا چائے کا چمچہ
چینی	آدھا چائے کا چمچہ
کارن فلور	ڈیڑھ چائے کا چمچہ
(تمام اشیا مکس کر لیں)	
ہری مرچ	آٹھ عدد
لہسن کے جوئے	چار عدد
ثابت لال مرچ	آٹھ سے دس عدد
ثابت سیاہ مرچ	چوتھائی چائے کا چمچہ
ادرک	ایک انچ کا ٹکڑا

ترکیب

مرغی کی یخنی میں سویا ساس، سرکہ، چینی سوس، چینی اور کارن فلور ڈال کر مکس کر کے سوس تیار کر لیں۔

کڑاہی میں دو چمچے تیل گرم کریں، اس میں لال مرچ ڈال کر کڑکڑائیں اور گوشت، گرم مصالحہ پاؤڈر، سویا ساس اور سرکہ ڈال کر تقریباً پانچ منٹ کے لئے فرائی کریں، دوسری کڑاہی میں تھوڑا سا تیل ڈالیں، اس میں ہری پیاز، سیاہ مرچ اور چینی ڈال کر پکائیں، جب سارا مصالحہ بھون جائے تو گوشت ڈالیں اور ساتھ ہی سوس بھی ڈال دیں اور پکا کر گاڑھا کر لیں سادہ ابلے

میں ڈبو کر تل لیں، پودینے کی چٹنی اور نان کے ساتھ سرو کریں۔

سفید گوشت

اشیاء

مٹن درمیانے پیس	ایک کلو
پیاز	دو عدد
لہسن، ادرک	۲/۱ چمچہ
لونگ	آٹھ عدد
دار چینی	ایک بڑا ٹکڑا
کالی مرچ	پندرہ دانے
نمک	حسب ضرورت
ہری مرچ	چار عدد
تیل	ایک کپ

ترکیب

دیگچی میں تیل گرم کریں اور اس میں گوشت ڈال کر اس کی بو ختم کرلیں، تقریباً پانچ منٹ کے وقفے سے اس میں چار گلاس پانی ڈال دیں، پیاز کے چار چار ٹکڑے کرلیں، ہری مرچ، نمک، لہسن، ادرک، لونگ، دار چینی اور کالی مرچ گوشت میں ڈال دیں، تیز آنچ پر دس منٹ پکائیں، پھر آنچ ہلکی کرلیں اور دیگچی پر وزن رکھیں، تقریباً دو گھنٹے پکنے دیں۔

مزے دار سفید گوشت تیار ہے، سادہ پلاؤ اور شامی کباب کے ساتھ نوش فرمائیں۔

آلو کوفتہ بوٹی بریانی

اشیاء

قیمہ	250 گرام
ںک	حسب ذائقہ
ال مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
ہسن، ادرک پیسٹ	ایک چائے کا چمچہ
ادھنیا کٹا ہوا	ایک چوتھائی کپ
ری مرچیں کٹی ہوئی	تین عدد
زیرہ پاؤڈر	ڈیڑھ چائے کا چمچہ
پیاز کٹی ہوئی	ڈیڑھ کپ
سیلا چاول	آدھا کلو
گوشت کی بوٹی	250 گرام
آلو	دو سے تین عدد
تیل	ایک کپ
ہلدی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
دہی	ایک چوتھائی کپ
ثابت گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچہ
پسا گرم مصالحہ	آدھا چائے کا چمچہ
زرد رنگ	دو چٹکی

ترکیب

قیمہ کو چوپر میں پیس کر نمک، مرچ، ہرادھنیا، زیرہ پاؤڈر، پیاز باریک کرکے لہسن ادرک کا پیسٹ اور ہری مرچیں ڈال کر مکس کرلیں اور کوفتے بنالیں۔

ایک کڑاہی میں تیل گرم کرکے اس میں پیاز سنہری کرلیں، نمک لال مرچ پاؤڈر، ہلدی پاؤڈر، ثابت گرم مصالحہ، لہسن، ادرک پیسٹ اور دہی ڈال کر بھونیں، کوفتے ڈالیں، پانچ منٹ بعد ابلی ہوئی بوٹیاں اور آلو بھی ڈالیں اور ایک کپ پانی ڈال کر پکائیں، آلو گل جائیں تو ہری مرچیں، ہرادھنیا، گرم مصالحہ ڈالیں۔

دیگچی میں چاولوں کی آدھی مقدار ڈالیں، کوفتے، بوٹی، آلو مصالحہ ڈال کر باقی چاول ڈالیں اور زعفرانی رنگ ڈال کر دم پر لگائیں، آلو کوفتہ بوٹی بریانی تیار ہے سرو کریں۔

☆☆☆

کس قیامت کے یہ نامے

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کے ساتھ حاضر ہیں، آپ سب کی صحت و سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ۔

تخلیق کائنات کا مرکز و محور انسان ہے یہ کائنات انسان کے لئے تخلیق کی گئی ہے، اسے شعور عطا کیا گیا، غور و فکر کی صلاحیت دی گئی، قدرت نے انسان کی فطرت میں نیکی، خیر، سچائی، ودیعت رکھی ہے جو کائنات کا حسن اور اس کی بقاء کی اساس ہے۔

بات اس آگہی کی ہے جو انسان کو اپنی ذات کو پہچاننے کا شعور دیتی ہے، انسان کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ خامیوں کو جان کر انہیں دور کرے اور اپنی شخصی خوبیوں کو اجاگر کرے، غور کرے کہ اس کائنات میں اس کا مقام و مرتبہ کیا ہے اس کی تخلیق کس مقصد کے تحت کی گئی ہے، اپنی ذات کا عرفان ہی اللہ تعالیٰ کی پہچان کرواتا ہے اور یہ سب ہمیں غور و فکر اور علم سے حاصل ہوتا ہے اور علم کے لئے کہیں بھی مرد و عورت کی تخصیص نہیں ہے۔

ایک اچھے گھرانے، ایک اچھے معاشرے کی تشکیل میں خواتین کا کردار بہت اہم ہے، کیونکہ بچے کی پہلی درس گاہ ماں کی گود ہے، ابتدائی تربیت کے اثرات تمام زندگی شخصیت پر حاوی رہتے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ لڑکیوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت پر بھی توجہ دی جائے تاکہ ایک ایسا معاشرہ تشکیل پا سکے، جس کی بنیاد مادیت نہیں ہمارا مذہب اور ہماری اقدار ہوں۔

اپنا بہت سا خیال رکھیئے گا اپنے سے وابستہ ان لوگوں کا بھی جو آپ سے محبت کرتے ہیں جن کے لب ہمیشہ آپ کے لئے دعا گو رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا کرے آمین یارب العالمین۔

آیئے خطوط کی محفل میں چلتے ہیں اور حسب توفیق درود پاک، کلمہ طیبہ اور استغفار کا ورد کرتے ہیں، اسی میں ہی ہم سب کی بھلائی ہے۔

یہ پہلا خط ہمیں سکھر سے زوبار یہ سعید کا ملا ہے وہ اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کر رہی ہیں۔

فروری کا شمارہ انمول بلوچ کے ٹائٹل سے سجا ملا، سچ پوچھیں تو فروری کے ٹائٹل نے حنا کو چار چاند لگا دیئے، آگے بڑھے فہرست پر نظر ڈالی اور سردار طاہر صاحب کی باتوں سے اتفاق کرتے اسلامیات والے حصے میں جا پہنچے، حمد و نعت اور پیارے نبیؐ کی پیاری باتوں سے فیضیاب ہونے کے بعد انشاء نامہ میں جا پہنچے اور انشاء جی کے ساتھ دعوت نامہ بانٹنے نکل کھڑے ہوئے اور ہمیشہ کی طرح فریش ہو کر انشاء جی کی محفل سے باہر نکلے اور ام مریم کی تحریر کی جانب لپکے بلاشبہ ''دل گزیدہ'' حنا کی زینت ہے ہر ہر کردار پہ مریم جی کی محنت نظر آتی ہے، ہماری بس مصنفہ سے اتنی گزارش ہے کہ قدر کی جھولی میں خوشیاں ڈال دیجئے اب، ناول کے اینڈ پر قدر کے ساتھ ساتھ

ہم بھی افسردہ ہوئے اور اپنی افسردگی کو دور کرنے کے لئے نایاب جیلانی کے ناول "پربت کے اس پار کہیں" کی طرف بڑھے بہت خوب اس ماہ کی قسط بڑی جاندار تھی ناول اب اختتام کے قریب قریب ہے، مکمل ناول میں ایک نیا نام بشریٰ ماہا کا نظر آیا "وہ پل گلاب سے" کے نام سے تحریر نے بڑا متاثر کیا بلاشبہ پلاٹ پر مصنفہ کی گرفت مضبوط تھی شروع سے اینڈ تک کہانی کے سحر نے جکڑے رکھا ویلڈن بشریٰ ماہا، آپ تحریروں کے اب ہم منتظر رہیں گے، قرۃ العین سکندر کا نام بھی اس ماہ حنا کے صفحات کی زینت بنا جیت یامات کا پہلا حصہ تھا آگے جا کر پڑھ کر ہی سمجھ میں آئے گی کہانی، اس لئے اس پر رائے بھی اگلے ماہ، درثمن بلال کا ناول "تم میرے پاس رہو" کی اس ماہ کی قسط بے حد اچھی تھی بس ثمن جی ایک گزارش ہے کہ اگر ماہین کے دروازے پر خوشیاں چل کر آ ہی گئیں، ذوریز کی صورت تو اب اسے ذوریز کی بیماری کی صورت میں ماہین کے لئے پچھتاوا نہ بنائیے گا، ناولٹ میں تحسین اختر غائب تھیں جبکہ بشریٰ سیال کی اس ماہ "می رقصم" میں کچھ خاص نیا نہیں دکھا سکیں جبکہ سعدیہ عابد کا ناولٹ "زندگی مسکرانے لگی" بہترین تھا، افسانوں میں قرۃ العین رائے اور نادیہ جہانگیر کا افسانہ "ایک دن کی محبت" ٹاپ پر رہا، ثمینہ طاہر اور زرقا سکندر نے بھی اچھی کوشش کی، مستقل سلسلوں میں حاصل مطالعہ، میری ڈائری سے اور بیاض بہترین تھے، حنا کے دستر خوان کے ذائقے بھی پسند آئے، جبکہ قیامت کے یہ نامے میں بھی نے بڑے خوبصورت طریقے سے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا۔

آپی میں پہلی مرتبہ اس محفل میں شرکت کر رہی ہوں امید ہے آپ جگہ ضرور دیں گی۔

زدباریہ سعید اس محفل میں دل و جان سے خوش آمدید آپ کی آمد نے ہماری محفل کو مزید خوبصورت بنا دیا، فروری کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی رائے ان سطور کے ذریعے مصنفین کو پہنچائی جا رہی ہیں، آئندہ بھی آپ کی قیمتی رائے کے ہم منتظر ہیں گے شکریہ۔

تبسم بشیر حسین: (ڈنگہ) سے لکھتی ہیں۔

فروری 2019ء کا حنا میرے ہاتھوں میں ہے، ٹائٹل گرل بہت خوبصورت لگ رہی تھیں واہ زبردست، اس کے بعد اداریہ پڑھا، جہاں درثمن کی خوشی میں خوش ہوئے وہی فصیحہ آصف کا دکھ غمگین کر گیا۔

حمد و نعت دونوں بہت خوبصورت رہی، "پیارے نبی کی پیاری باتیں" بہت پیاری رہی، جبکہ انشاء نامہ اس دفعہ بالکل بورنگ رہا "تم میرے پاس رہو" پورے ماہ اس ناول کا انتظار رہتا ہے، درثمن جی تسی گریٹ ہو اور احمد محمد کو میری طرف سے ڈھیر سارا پیار دیجئے گا۔

"وہ پل گلاب سے" بشریٰ ماہا کا ناول اگرچہ طویل تھا مگر پسند آیا خاص کر عروب نام "جیت یامات" یہ کیا فوزیہ آپی ایک اور سلسلہ وار ناول؟ نہیں نہیں پلیز آپی ہمیں "مکمل" کہانیاں پڑھنی ہیں ویسے قرۃ العین نے پہلی قسط اچھی لکھی "چاہتوں کے رنگ" اور "جگر چھلنی ہے" ناولٹ ایک جیسے لگے اتنے طویل؟ "ایک دن کی محبت اور رشتے محبتوں کے" دونوں بیسٹ رہے ویل ڈن نادیہ اینڈ زرقا، ناولٹ "زندگی مسکرانے لگی" از سعدیہ عابد ونڈرفل، بے حد پسند آیا، حاصل مطالعہ میں فوزیہ خضر نے سب سے اچھا لکھا، بیاض سب کے اشعار پسند آئے "حنا کی محفل" میں عین غین نے چھکے پر چھکے مارے "رنگ حنا" نے اس بار تو لبوں پر مسکراہٹ ہی بکھیر دی

"میری ڈائری سے" سب کی غزلیں نظمیں پسند آئی "حنا کا دستر خوان" ڈیپ فرائی مچھلی اور شامی کباب کی ترکیب پسند آئی، اس کے بعد ہم نے اپنی پسندیدہ محفل میں قدم رکھا جی ہاں فوزیہ آپی کے پاس جہاں وہ سب کو بہت پیار سے جواب دیتی ملی، اقرا امتاز اور خوشی سرانوالی خوش آمدید، منحہٰ رمشا ہنی کا تبصرہ محفل کی جان رہا، آپ کے جواب نے دل کو تھوڑی ڈھاس ملی، ایک سوال ہے آپی لازمی جواب دیجئے گا کہ میں اپنی لکھی باقی کہانیاں ارسال کروں، یا پہلے والی لگے گی تو اگلی بھیجوں اور کیا میری کہانیاں اسی سال حنا کی زینت بن سکتی ہیں۔

تبسم بشیر حسین کیسی ہو چندا، حنا کی تحریروں کو پسند کرنے کا شکریہ آپ اپنی مزید تحریریں ہمیں ضرور بھجوائیں، انشاء اللہ کیوں نہیں اس سال میں ایک نہیں دو تین تحریریں بھی شائع ہو سکتی ہے، بس تحریر کا قابل اشاعت ہونا ضروری ہے، آپ کی رائے کے ہمیشہ کی طرح منتظر رہیں گے شکریہ۔

ربحہ گل: سمندری فیصل آباد سے لکھتی ہیں۔

فروری کا شمارہ آٹھ تاریخ کو ملا مگر یہ کیا نہ میری تحریر اور نہ میرا تبصرہ ملا، آپ نے میرے نام کا مطلب پوچھا تھا تو بتائے دیتی ہوں، میرے نام کی معنی فائدہ مند پھول ہے Ribha یعنی فائدہ Gull یعنی پھول، اب آتی ہوں تبصرے کی جانب "حمد و نعت، پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں" کے بعد اپنے فیورٹ ناول "تم میرے پاس رہو" کی جانب چھلانگ لگائی، درثمن آپی سب سے پہلے دو چاند سے بیٹوں "محمد" "احمد" کے لئے مبارک باد ابھی پچھلے ماہ ہی مجھے آپ کی کیوٹ سی بیٹیوں "ہانیہ" "وانیہ" کے بارے میں پتہ چلا اور اس ماہ خدا نے آپ کو دو چاند سے بیٹوں سے نواز دیا آپ بہت خوش قسمت ہیں جو اللہ آپ پہ یوں مہربان ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو یوں ہی خوش اور آباد رکھے آمین۔

"تم میرے پاس رہو" آپی آخر پری کو سمیر کا اصل چہرہ نظر آ ہی گیا آپ اب پری کو انزک کو دل سے اپنا شوہر تسلیم کر لینا چاہیے اور آپی یہ کیا ماہین کو ذوریز کی بیماری کا علم ہو گیا مگر وہ بدلی نہیں اور آپی آپ سے ایک گلہ ہے کہ انوش اور شاہ ویز کی جگہ انوش اور پارس کی شادی کیوں کروا رہی ہیں؟ "دل گزیدہ" ام مریم آپی عمر اور حجاب کے درمیان دوریاں مٹا دیں حمدان اتنی بدگمانی کے باوجود رومانس نہیں چھوڑتا عمر کو بھی کچھ حجاب کو اپنی قربت کا تحفظ دینا چاہیے، پھر ہی تو وہ زندگی کی جانب لوٹے گی آپی حجاب وہی نٹ کھٹ سی اچھی لگتی تھی پلیز اسے پہلے جیسا کر دیں اور حمدان کو قدر کو طلاق نہیں دینی چاہیے علی شیر کے انجام پر خوشی ہوئی آپی اب اویس جو علی شیر سے بھی گھٹیا ہے اسے جلدی سزا دیں۔

"پربت کے اس پار کہیں" نایاب آپی آج ہیام کافی عرصے بعد اپنے موڈ میں لوٹا اور جہاندار اور نیل بر کا رومانس بھی اچھا لگا مگر آپی آپ نے یہ کس لڑکی کی قربانی کے بارے میں لکھا جو سب کی نفرت ختم کر دے گی آپی وہ نیل بر نہیں ہونی چاہیے۔

تحسین اختر کی "شہر دل کا راستہ" نظر نہیں آئی خیر اگلی بار تو ضرور آئے گی انتظار رہے گا، "جیت یامات" قرۃ العین آپی آپ نے رشنا کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ شاہ میر اس کی محبت تھا اور نیلم نے اپنی دوست اپنی محسن کے حق پہ ڈاکا ڈال دیا آپی اب نیلم کا کچھ انجام ضرور دکھائیے گا سرمد رشنا سے محبت کرنے لگا ہے رشنا کو بھی شاہ میر جیسے بے وفا شخص کو بھول کر سرمد سے شادی کر لینی

چاہیے اور آپی ازمیر سبرینا اور کاشان اور فاریہ کی استوری بھی لکھا کریں، ''وہ پل گلاب سے'' بشریٰ ماہا آپی آپ نے یہ ٹھیک نہیں کیا عروب کو انصر کو معاف کر دینا چاہیے تھا، نٹ کھٹ سا انصر مجھے تو بہت اچھا لگا اور ویسے بھی سب کچھ زیب کی وجہ سے ہوا تھا مگر عروب نے عفان کو چن لیا، انصر بے چارہ تنہا رہ گیا۔

''می رقصم'' بشریٰ سیال آپی یہ آپ نے کیا کیا؟ ماہ وش اور عیسیٰ احمد کی شادی کیوں کروا دی؟ اور سب سے بڑھ کر دکھ تو اس بات کا ہے کہ جو فارقلیط کل تک عروبہ سے اتنی محبت کرتا تھا آج اس نے اسے مہرے کی طرح استعمال کیا آپی پلیز فارقلیط اور عروبہ کو جدا مت کیجئے گا۔

''زندگی مسکرانے لگی'' ذوریز جیسے سلیفش انسان نے ثمرین کی قدر نہیں کی خیر اچھا ہی ہوا ورنہ حمائل کو ثمرین کیسے ملتی؟ افسانہ ''ایک دن کی محبت'' بہت پسند آیا واقعی محبت اظہار کے لئے کسی ایک دن کی محتاج نہیں ہوتی یہ تو ہر لمحہ ہر وقت اپنے حصار میں جکڑے رکھتی ہے شکر ہے آخر میں منا ہل کو یمیر کی بے پناہ محبت کا یقین ہو گیا۔

''ہماری سوسائٹی'' بے شک سوسائٹی جگہ سے نہیں بلکہ مکینوں سے بنتی ہے شکر ہے ثناء کو بھی اس بات کا احساس ہو گیا، ''چاہتوں کے رنگ'' شکر ہے زارا کو دیر سے ہی سہی سلیم کی محبت میں بدلنا پڑا امانی نے دونوں کی لائف سیٹ کر دی۔

''جگر چھلنی'' لینا اور رانی کی سنگدلی پر بہت دکھ ہوا کہ یہاں تک مسرت بیگم دنیا چھوڑ گئیں اور وہ دونوں آرام سے اپنی زندگی بسر کر رہی ہیں سچ ہے کچھ لوگوں کی رسی اللہ تعالیٰ ڈھیلی چھوڑ دیتا ہے وہ دنیا میں جتنا بھی ظلم کر لیں مگر ان ماں بیٹی کی آخرت تو خراب ہے اور نجانے رانی جیسی کتنی مائیں ہوں گیں جو کتنی لینا کی غلط تربیت کر کے اپنی اور اپنی بیٹیوں کی آخرت خراب کر دیتی ہیں اور انہیں احساس تک نہیں ہوتا۔

ماشاءاللہ اس ماہ کا پورا حنا بہت اچھا تھا آپی میری دو اور کہانیاں ''کیسے کہوں اور کاش محبت نا ہوتی'' میں نے بھیجیں ہیں۔

ربحہ گل آپ کے نام کے معنی بھی آپ کی کی طرح کچھ یونیک سا ہی لگا ہمیں، ضروری کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، آپ کی تعریف و تنقید بمعہ اعتراضات کے مصنفین کو ان سطور کے ذریعے پہنچائی جا رہی ہیں اور ہاں درثمن کو اللہ تعالیٰ ایک بیٹا عطا کیا ہے جس کا نام محمد احمد ہے آپ نے ان کے دو بیٹے سمجھے، اللہ آپ کی زبان مبارک کرے (سنو درثمن تم خوش ہو نہ ربحہ کی دعا ہے)، پچھلے ماہ آپ کا خط ہمیں ملا ہی نہیں تو شائع کیسے کرتے، اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا شکریہ۔

منحہٰ رمشا: فیصل آباد سے لکھتی ہیں۔

اس بار حنا کافی لیٹ نو تاریخ کو ہاتھ آیا، اوپر سے فلو اور بخار نے بھی میرا برا حال کر رکھا تھا، پھر بھی چھینکتے، چکراتے سر سمیت حنا پڑھ ہی لیا، آپی میں نے جو کہانی ''کون تجھے یوں پیار کرے گا'' بھیجی ہے اسے پڑھ کے ضرور بتایئے گا، اب آتے ہیں تبصرے کی جانب، حصہ اسلامیات ہمیشہ کی طرح بہترین تھا، ام مریم آپی آپ نے ''دل گزیدہ'' کی اس قسط میں علی شیر کو کیوں مار دیا آخر؟ وہ سدھر بھی تو سکتا تھا ایسا انجام تو اویس کا ہونا چاہیے، بس آپی اویس کی موت حمدان کے ہاتھوں ہی ہونی چاہیے، یہ نہ ہو کہ وہ پولیس سے ڈر کے خودکشی کر لے، قدر اب اپنی ماں خولہ سے ملنے جا رہی ہے، اگلی قسط کا بے چینی سے انتظار رہے گا۔

درثمن بلال آپی کا مکمل ناول ''تم میرے

پارس رہو'' میں آپی میں نے آپ سے شاہ ویز اور انوش کی استوری زیادہ لکھنے کا کہا تھا، انوش ذوریز اور ماہین کی بیٹی ہے اس کی اور شاہ ویز کی استوری زیادہ لکھیں، پارس کو نکال لیے ان کے بیچ سے اور جلدی سے شاہ ویز اور انوش کی شادی کروائیں۔

ماہین کی سنگدلی پہ افسوس ہوا، جو ذوریز کی بیماری کے بارے میں جاننے کے باوجود اسے معاف نہیں کر رہی، پریشے اور انزک کی استوری اچھی جا رہی ہے، انزک اور پریشے کا کپل اچھا ہے، پریشے ضرور سکندر کی بیٹی ہے اور ستارہ اس کی سوتیلی ماں ہے۔

تھینکس ''پربت کے اس پار کہیں'' میں نایاب آپی [illegible]ں پرانے ہیام کو واپس لانے کے لئے، ہیام اور نشرہ کی استوری بہت اچھی لگی، آپی نیل بر کو مت ماریئے گا وہی تو اس کہانی کی اصل ہیروئن ہے، لگتا ہے اگلی قسط آخری قسط ہو گی، بشریٰ سیال آپی آپ ''می رقصم'' کو کہاں لے جا رہی ہیں، آپ نے عیسیٰ اور ماہ وش کی شادی کروا کے ساس اور داماد کے رشتے کو خراب کیا ہے، سچ میں بہت برا لگ رہا ہے کہانی کا یہ موڑ۔

دوسری طرف جو عورت طلاق کے بعد اپنی بیٹی کے گھر جاتی ہے وہ اگر عروبہ ہے تو اور بھی برا، پلیز فارقلیط اور عروبہ کی طلاق مت کروایئے گا، عیسیٰ کا کردار ختم کر دیں پلیز، وہ ایک رشتے سے ماہ وش کا خالو بھی لگتا تھا نویلہ کے حوالے سے، نجانے آپ نے کیا کیا ہے، اتنے اچھے ناولٹ کو بگاڑ کے رکھ دیا ہے۔

''وہ پل گلاب سے'' آئی تھنک بشریٰ ماہا کا پہلا ناول تھا، فنٹاسٹک بشریٰ بہت اچھا لکھا، ویسے انصر کا کردار میرا فیوریٹ تھا، مجھے شوخ و شنگ کردار اچھے لگتے ہیں، لیکن تم نے کچھ سوچ کر ہی عفان اور عروبہ کا کپل بنایا ہو گا، کہانی اوسم تھی، باقی افسانے بھی اچھے تھے، قرۃ العین سکندر کا مکمل ناول ''جیت یا مات'' بہترین رہا، کیا لکھا ہے قرۃ العین آپی نے، ویسے یہ نام بھی نیا لگا، پہلے تو قرۃ العین رائے ہیں، تیلم کو رشنا کے حق پہ ڈاکا نہیں ڈالنا چاہیے تھا، لیکن رشنا کو بہتر سے بہترین سرمد کی شکل میں مل جائے گا، شاہ میر پچھتائے گا، ویسے رول شاہ میر کا اچھا ہے، ازمیر، سبرینا، کاشان اور فاریہ یہ بھی اچھے کیریکٹرز ہیں، اگلی قسط کا بے چینی سے انتظار رہے گا، آخر میں آپ سے ایک اپنی خوشی شیئر کرنا تھی، مجھے جاب مل گئی ہے۔

منحہٰ رمشا خوش رہو ہمیشہ کی طرح اس ماہ بھی آپ حنا کی تحریروں پر آپ کا تبصرہ بہترین رہا، ''می رقصم'' کے سلسلے میں آپ نے جن باتوں پر اعتراز کیا ہے ان سب کا جواب بشریٰ سیال صاحبہ ناول کے اختتام پر دیں گی (سن لو پیاری بشریٰ) آپ کی تحریر کے لئے ہم معذرت چاہتے ہیں جاب ملنے کی خوشی میں ہماری طرف سے مبارک باد قبول کیجئے اللہ تعالیٰ آپ کو مزید کامیابیاں عطا کرے آمین۔

ماہا بشیر، تحسین: (ڈنگہ) سے لکھتی ہیں۔

ٹائٹل بہت پسند آیا، پورا کا پورا شمارہ بیسٹ تھا، ''دل گزیدہ'' ام مریم کا ناول دلچسپ موڑ پر جا رہا ہے، جبکہ نایاب جیلانی کا ناول جو کہ اختتام کی طرف گامزن ہے پسند آیا، ''میرے پاس رہو'' درثمن قسط اچھی رہی بس زیادہ طویل نہ کرے مزہ خراب ہو جاتا ہے، ''می رقصم'' بشریٰ سیال خدارا ختم کر دیں کب سے چل رہا ہے۔

''وہ پل گلاب سے'' بورنگ سی استوری تھیں کچھ خاص پسند نہیں آئی، جیت یا مات جاری ہے اس لئے نہیں پڑھا پھر انتظار مشکل، ''زندگی

مسکرانے لگی۔" سعدیہ عابد کا ناولٹ پسند آیا، "ایک دن کی محبت" سب پر بازی لے گیا باقی زرقا، ثمینہ طاہر اور قرۃ العین نے بھی اچھی ہی لکھا، میں آپ کو یاد ہوں جان کر خوشی ہوئی اور ہاں آپی میں نے ایک خط میں پڑھا تھا کہ آپ کے ادارے سے اور بھی چار پرچے نکلتے ہیں پلیز ان کا نام بتا دیں تا کہ ہم ان سے بھی لطف اندوز ہوسکیں مہربانی ہوگی آپی۔

ماہا بشیر حسین ایک بار پھر خوش آمدید اس محفل میں، فروری کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ ہمارے ادارے لاہور سے صرف حنا ہی شائع ہوتا ہے جبکہ ہمارے ادارے کراچی سے چار اور پرچے شائع ہوتے ہیں خواتین، شعاع وغیرہ، اپنی رائے کا اظہار کرتی رہیے گا شکریہ۔

اقراء الیاس: مرید کے سے لکھتی ہیں۔

پچھلی بار تبصرہ نہیں کر پائی طبیعت کچھ ناساز رہی سرورق بے حد پسند آیا مگر جنوری اور دسمبر کا سرورق موسٹ فیورٹ رہا، حمد و نعات سے فیض یاب ہو کر احادیث مبارکہ پر نگاہیں جمائیں تو انسانی اخلاقی برائیوں پر روشنی ڈال کر آپ نے بڑی سعادت کا کام کیا، ابن انشاء ہمیشہ کی طرح ہنساتے رہے "دل گزیدہ" اختتام کی جانب نظر آ رہا ہے، "ام مریم" کی تحریروں میں شازیہ چوہدری کا رنگ غائبانہ طور پر غالب نظر آتا ہے، شازیہ اس بار کہیں بھی نظر نہیں آئی، "بشریٰ ماہا" نام پہلے نظروں سے اوجھل رہا یا پہلی بار لکھ رہی ہیں مگر انداز بیاں خوبصورت رہا، "تم میرے پاس رہو" پری کے ساتھ یہی ہونا تھا اتنا تو یقین تھا ہی مگر شاہ ویز کی ڈھٹائی بھی عروج پر رہی "می رقصم" عیسیٰ کا حوصلہ قابل دید تھا اور فارقلیط حسن کی مصلحت انگیزی ایک آنکھ بھی نہیں بھائی اور ناول نے ایک نیا رخ موڑا اس بار بشریٰ سیال آپ سے کوئی شکوہ نہیں رہا اور یقیناً ناول کا تھیم اسی اپی سوڈ میں تھا، سعدیہ عابد عرصے بعد نظر آئیں مگر آ ہی گئیں اور اب انتظار سندس جبیں کا ہے۔

"پربت کے اس پار کہیں" نایاب جیلانی آپ نے ناول کی اسپیڈ تو ہمارے بارہا کہنے پر بڑھا ہی دی مگر نیل بر کے منہ سے بے ربط باتیں نکلوا کر ہم سے بدلہ تو نہیں لینے والیں پورا ناول ادھر سے ادھر ہو جائے مگر نیل بر کو کچھ بھی نہیں ہونا چاہیے جہان فریدے شاہ کو اپنا ظرف بڑا کر لینا چاہیے کیونکہ پوری کہانی میں مظلوم کردار اب نیل بر ہی لگ رہی ہیں، "جگر چھلنی ہے" ثمینہ طاہر بٹ نے بھی خوب لکھا افسانے سب کے سب ایک سے بڑھ کر ایک تھے دعاؤں میں یاد رکھیے گا خوش رہیے آباد رہیے۔

اقراء تبسم سب سے پہلے یہ بتائیں کہ آپ کی صحت کیسی ہے دعا گو ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کا صلہ عطا کرے اپنا بہت سا خیال رکھا کریں، حنا کے لئے آپ کی محبتیں کسی سے ڈھکی چھپی نہیں آپ کی رائے ہمارے لئے بہت اہم ہوتی ہے، سندس جبیں آپ کی طرح ہمیں بھی انتظار ہے، اس محفل کو رونق بخشتی رہیے گا ہم منتظر رہیں گے شکریہ۔

☆☆☆